

ماہنامہ سیر

پیشکش کنندہ
پروفیسر محمد رفیع

ماورائے سمراب

پروفیسر احمد رفیق اختر

تالیف: کلثوم اسماعیل

سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۚ وَمَا لَا
تُبْصِرُونَ ۚ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ
ۚ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ طَلِيلًا مَّا
تُؤْمِنُونَ ۚ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۖ قَلِيلًا
مَّا تَذَكَّرُونَ ۚ (الحاقة ۳۸: ۴۲)

تو مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے
ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ بے شک یہ
قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں
اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں۔ کتنا کم یقین
رکھتے ہو اور نہ کسی کاہن (نجومی) کی بات۔
کتنا کم غور کرتے ہو.....

محمد رسول اللہ ﷺ کے نام.....

جن کی محبت و کرم کے سبب
بکھری ہوئی کائناتوں کے سلسلے
منزلِ ابد کی مرکزیت کی جانب گامزن ہیں!

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	
9	پیش لفظ	☆
13	محمد رسول اللہ ﷺ (لیکچر)	☆
42	سوال و جواب	
96	حدیث رسول اللہ ﷺ تحقیق جدید کے تناظر میں (لیکچر)	☆
132	سوال و جواب	
144	فطرت انسان (لیکچر)	☆
165	نفس، انسان اور شیطان	☆
190	سوال و جواب	
210	توحید، ایمان اور عمل (لیکچر)	☆
246	سوال و جواب	
275	اسلام کا نظریہ، ارتقاء، غیر استِ زمانی و مکانی کے تناظر میں (لیکچر)	☆

پیش لفظ

اُس ”رحمت بھرے ہاتھ“ نے صحرائے زندگی میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر اسے ذات شناسی کے راستے پر چلایا اور اس کی منزل حقیقی کا پتہ بھی بتایا مگر..... اس سے صدیوں کے فاصلے پر دن اور رات کے دائروں میں گھومتا ہوا انسانیت کا وجود آج پھر بے معنویت کے احساس کی تحکن سے پھو رہے۔ اُس سے بچھڑ کر نہ منزل کی خبر رہی، نہ راستے یاد رہے اور اتھاہ کائنات میں پھیلنا شناسی کے مہیب سنائے روح کی گہرائیوں تک اتر گئے۔ بے سستی اور لامکانی کا بوجھ اٹھائے روح انسان آج کس کو تلاش کرتی ہے.....؟ کیا وہ کہیں بہت قریب ہے.....؟ شاید ”رُگِ جان سے بھی زیادہ“..... یا پھر بہت دور..... لامکاں کی حدوں سے بھی پرے..... جس کی دُوری اس بُرجوم کڑوا ارض پر رہنے والے تنہا انسان کے دل کو خوشی کی انتہا کے لمحوں میں بھی کھٹکتی ہے مگر اس عہد بے خبر میں کون اس کا پتہ بتائے؟ اُسے کوئی کہاں ڈھونڈے.....؟ کیا کسی قدیم وجد یا فلسفے کی ابھی کتھیوں میں اس کا نشان ملے گا.....؟ الفاظ کے باریک در باریک معنوں میں.....؟ کسی اجڑے ہوئے دل کی خاموشی سے پاٹوٹے ہوئے ارادوں کے درمیاں سے اس کی صدا سنائی دے گی.....؟ یا دل کی سرزمین سے گزر کر اسیری کی حدوں کو توڑتی ہوئی نبوا کے ساتھ اسے ڈھونڈنے چلیں کہ

ازل کے سمندر کی موجوں پہ لکھی فنا کی کہانی

سنائے ہوا

بر نیساں کے سنگ

لے کے خوشبو کے رنگ

بن کے باد صبا

ہو کے ضرر چلے

کہ بے رنگ صحرا کے خوش رنگ پھولوں کی خوشبو سے پوچھے ہے اس کا پتہ.....

جنت سے بچھڑی زمینوں کے رنگوں کو بچھو کر

ہرے جنگلوں کے اندھیروں میں

بہتی سمٹی ہوا

صدف کے جزیروں کی غم ریت کے غم میں بو تھل.....

ہوا ڈھونڈتی ہے

گہر کا پتہ.....

..... یا پھر شب کے دکھتے آسماں پر کسی نیلے ستارے سے اس کا پتہ پوچھیں..... کس

سے پوچھیں کہ صحرائے زندگی میں پھیلی اس ازلی اداسی کا سبب کیا؟ مگر..... اس مہم

بے خبر میں ایک انسان، ایک خبر شناس، ایک استاد ضرور ایسا موجود ہے جو ”خبر“ کو عقل

کا advantage دے رہا ہے۔ وہ صحرائے زندگی میں ناورائے سراپ اس منزل

حقیقی کی خبر رکھتا ہے جہاں عقل کی ہر اسی کے بغیر پہنچنا محال ہے۔

اس زمانے میں جہاں مقامی وضاحتوں نے اسلام کی اصل حقیقت کو عام

مسلمانوں سے بہت دور کر دیا ہے اور جس طرح اسلام کو پیش کیا جا رہا ہے اس پر عمل

کرنا ہر محال بن گیا ہے اور نتیجہ مذہب سے دوری..... اپنے خالق و مالک سے دوری..... پروفیسر احمد رفیق اختر مذہب کی وہ حقیقت پیش کرتے ہیں جو انسانی فطرت کی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات سے لے کر کائنات بسیط میں اٹھنے والے ہر سوال کا جواب دیتی ہے۔ وہ مذہب کو زمانے کے تناظر پر رکھتے ہوئے اسے عقل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور نتیجہً مذہب اور شریعت ایک بوجھ نہیں لگتا بلکہ وہ ہر جگہ انسان کیساتھ کھڑا ہوتا ہے ایک دوست اور رہنما بن کر..... کیونکہ یہی وہ رستہ ہے جو آخر کار اس منزل تک لے کر جاتا ہے جہاں روح کا سکون اور سلامتی ہے۔ پروفیسر احمد رفیق اختر ایک ایسے استاد ہیں جو لوگوں کو نہ عذاب و ثواب سے ڈراتے ہیں، نہ لمبی چوڑی وعظ و نصیحت کرتے ہیں، نہ کوئی سرزنش اور نہ ہی ان کی گفتگو سے تکبرِ عالمیہ ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ لوگوں کی ذہنی سطح پر آ کر ان کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالوں کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں اس فراست سے دیتے ہیں جو صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والوں کا خاصہ ہے۔ ان کے سامنے بیٹھا ہوا انسان اپنی ذات کے تعارف پر یک بارگی بوکھلا اٹھتا ہے۔ وہ ”اسمائِ حسنہ“ کی تسبیحات کے ذریعے انسانی جبلت کی اس عادت پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں جو انسان اور اس کے خالق کے رستے میں حائل رہتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ ”ماورائے سراب“ وہ راستہ واضح ہونے لگتا ہے جس کی ہر منزل پر انسان کے خالق و مالک کا دامنِ رحمت اس کیلئے ہر دم ”مشاد“ ہے۔

کلثوم اسماعیل

یکم مارچ 2009ء

محمد رسول اللہ ﷺ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ
لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلٰی الْمُرْسَلِيْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

صحرائے کوہی میں جب ترکمانوں کے قافلے دن بھر کی تگ و تاز کے بعد چشموں کے کنارے اترتے تھے تو آگ کے لالہ کے گرد ان کے داستان گوآن کو بڑی عجیب و غریب، مسحور کن داستانیں سنایا کرتے تھے اور کسی کو اس وقت یہ خیال نہ آتا تھا کہ بذات خود حضرت انسان کی زندگی، اس کے واقعات، اسکی ترقی، زمان و مکان میں اس کا ظہور، اس کا آگے بڑھنا، اس کا رکنا اور ice ages (برفانی دور) کے اندر اس کا فنا ہونا اور glaciers (برفانی تودے) میں سے نکل کر دوبارہ رہیج انسان پانا، یہ شاید تاریخ کے سب سے حیران کن صفحات ہیں۔ یہ سب سے حیران کن داستان ہے کہ انسان نے اس لحوہ حیات سے زندگی شروع کی کہ جس پر پروردگار

نے قرآن حکیم میں فرمایا:

”هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا“

(بلاشبہ زمانے میں انسان برسوں ایسے رہا کہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا) یہ حقیقت ہے کہ انسان بہت عرصہ، ارب بارب سال ایسے رہا کہ کوئی قابل ذکر شے نہیں تھا۔ پھر خداوند کریم نے فرمایا کہ: ”إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ“ میں نے اسے دیرے نطفے سے پیدا کرنا شروع کیا۔ پھر چاہا کہ اسے آزمائوں ”فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا“ یہ سب کچھ کس لیے تھا؟ اسی سورۃ دھر میں چوتھی آیت ہے: ”إِنَّا هَبْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا“ تاکہ میں تمہیں عقل و شعور بخشوں، ہدایت بخشوں، راہنمائی بخشوں اور پھر انتخاب تم پر چھوڑ دوں کہ تم مجھے چنتے ہو، مانتے ہو یا میرا ٹکار کرتے ہو۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان و جانور اور تمام مخلوقات ایک ہی جینیاتی مرکز سے پیدا ہوئیں۔ ایک ہی gene تھا جو انسان اور حیوان دونوں میں مشترک تھا اور کروڑہا برس تک انسان حیوان سے کسی طور پر بھی مختلف نہیں تھا اور کسی طور پر بھی اس کی شناخت جدا نہیں ہو سکتی تھی۔ علوم عمرانیات کے ماہرین اس بات پر متفقہ رائے تھے کہ آخر ہم انسان کا سراغ کہاں سے ڈھونڈیں، کہاں سے پائیں، کہاں سے دیکھیں کہ انسان دوسری مخلوقات سے کب جدا ہوا اور کہاں سے ہمیں یہ معلوم ہو کہ یہ انسان باقی genetic مخلوقات سے، یا اپنے ہی gene سے بننا و تکرار کا ایک علیحدہ شخصیت کیسے بنا۔

نو کروڑ سال سے آگے بڑھتے ہوئے ہمیں پہلا سراغ انسان اس وقت ملا ہے کہ جب پہلی مرتبہ پانچ چھ کروڑ سال پہلے کی ایک انسان نمائش کا سراغ ملا اور یہ اس وقت کی شے تھی کہ جب زمین پر مخلوقات کے تصادم میں دو گروہ علیحدہ ہو گئے۔ ایک گروہ زمینوں کی طرف بڑھ چلا سوراخوں میں گھسا، کھڑے مکوڑوں کی شکل اختیار کی، سانپ اور بچھو بنا اور دوسرا گروہ وہ تھا جو درختوں کی طرف بڑھ گیا۔ یہ primates کہلاتے ہیں۔ primates میں ہی انسان تھا اور یہ primate جانوروں میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس جانور کی قطعاً کوئی مشابہت دور ماضی کے انسان سے نہیں ملتی تھی۔ یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ وہ بھی کوئی انسان تھا۔ اسکے ہاتھ پاؤں جڑے ہوئے تھے اس کا قد بالکل چھوٹا اور معمولی اور اسکی آنکھیں میڑھی میڑھی، کھوپڑی بہت چھوٹی اور زیادہ سے زیادہ اس کے brain کی 175cc quantity (دماغ کی مقدار) کے برابر تھی

جبکہ موجودہ انسان کے بچے کی بھی دماغ کی مقدار 175cc کے قریب ہے۔ سب سے پہلے ہمیں یہ سراغ ملا ہے کہ اس حقوق نے ہلکے ہلکے سے اپنی جہتوں کو define (کارآمد) کرنا شروع کر دیا۔ اندھیرے جنگلوں میں سفر کرتے ہوئے اس انسان نامہ حقوق نے ابھر اُدھر پاؤں مارنے شروع کیے تو اسکے پیروں کی گرفت درست ہوتی گئی اور اس کا انگوٹھا کام کرنا شروع ہو گیا، اسکی انگلیاں سیدھی ہو کر شروع ہو گئیں اور اندھیرے درختوں میں سرسراہتی ہوئی آوازوں سے اور شکار کی جھلٹ کیلئے، زندگی کے تحفظ کیلئے اسکی آنکھوں کے ڈیلے حرکت کرنے شروع ہو گئے۔ شاید اُس انسان کو دیکھ کے آج ہم بھی شرمنا جائیں مگر ایسا لگتا ہے کہ تاریکی تو ارد اور سائنسی اندازوں کے مطابق وہ ہمارے آباؤ اجداد میں سے تھا۔ وہ بجائے ریگنے کے درختوں پر چڑھ رہا تھا۔ اسکی کوشش تھی کہ میں آگے بڑھوں اور تمام تاریخ حیات میں عقل اور choice اُس وقت داخل ہوتا ہے کہ جب مخلوقات ارضی نے instinctive اور genetic (جینی اور جینیاتی) رویوں کے خلاف جدوجہد شروع کر دی۔ وہ behaviour جو ان میں مدتوں سے نسل در نسل چلا آ رہا تھا، اسکو reject کرنے کے بعد ان لوگوں نے اپنے choices استعمال کرنے شروع کر دیئے اور ہلکی پھلکی کوشش اُس پورے pattern سے جدا ہونے کیلئے شروع کر دی۔ یہ primate جو ہے جس کو ہم قطعی طور پر انسان نہیں کہہ سکتے آگے بڑھتا ہوا اپنی کوئی built society کرنے کے قابل نہیں، خاندان بنانے کے قابل نہیں، بچوں کی نگہداشت کے قابل نہیں مگر زندگی کو درپیش اک challenge کا سامنا کر رہا ہے جو جینی سطح پر جہت کی مخالفت ہے اور یہ primate بالآخر انسانوں کے آباؤ اجداد میں سے first degree (پہلے درجے) کی شناخت کے قابل بننا چاہتا ہے اور اسی سے آگے بڑھتے ہوئے ہم اس نسل انسان تک پہنچتے ہیں جن میں مشابہت کی وجہ سے پہلی دفعہ سائنس دان انہیں Homonides کہتے ہیں۔ Homonide کا مطلب ہے ”انسانوں سے مشابہت کی ایک حقوق“ جو gorillas کی چیمپنزی (chimpanzee) سے بھی بدتر تھی۔ اس وقت homonides ایک نئے order کیلئے جنکی کوشش کر رہے تھے۔ اس وقت ان میں شعور کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

ایک طویل جدوجہد کے بعد، اور یہ نہیں کہ یہ ایک آدھ دن میں ہوا ہو، جیسے میں نے آپ سے عرض کیا کہ چھ کروڑ سال میں ہمیں پہلا سراغ انسان ملا شروع ہوا اور چھ کروڑ سال کے بعد دو کروڑ سال کے عرصے میں ہمیں اس ہستی کا سراغ ملا جو بہت کتر level پر انسانوں سے

مشابہ ہے۔ اس سے آگے بڑھتے ہوئے اچانک ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں کو تقسیم کرنے والی اور دنیا کو تباہ کرنے والی چیزیں دو ہیں۔ پورے عرصہ ہندو مت میں دو چیزوں نے انسانوں کو اور دوسری حیات کو تباہ و برباد کر دیا اور ازمیر نو تخلیق کے process شروع کئے۔ ایک environmental changes تھیں، موسموں کا تغیر و تبدل اور دوسری جو اس سے بھی بڑی بات تھی، جو اس سے بھی important بات تھی وہ ice age تھی اور یہ ice age کوئی چھوٹی موٹی برفباری نہیں بلکہ ایک ایک میل موٹی برف کی ملیں زمین پر جم جاتی تھیں اور زندگی بالکل مہر محال ہو جاتی تھی۔ ice ages اس وقت تک کم از کم چار ریکارڈ ہوئی ہیں۔۔۔۔۔۔ ice ages کو اللہ تعالیٰ نے ایک process of elimination کیلئے استعمال کیا۔ قطع و برید کے اس عمل کو اس لئے استعمال کیا کہ وہ تمام غیر مطلوبہ مخلوقات کو ختم کر دیتا تھا اور ایک نئی اور نازہ genetic strength (جینیاتی طاقت) سے ابھرتی ہوئی ایک نئی نسل کو فروغ دیتا تھا۔ یہ selective process (منتخب شدہ عمل) ہے۔ شاید یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ selective process ہے۔ کبھی میں سوچتا ہوں کہ اللہ نے ایک بات کہی کہ اے حضرت انسان میں نے دو دن لگائے دنیا کی تخلیق میں اور دو دن لگائے اشیائے ضرورت کو انسان پیدا کرنے میں تو میں سوچتا ہوں کہ انسان کو مکمل کرنے سے پہلے پروردگار عالم نے ہر اس مخلوق کو پیدا کیا جس کی انسان کو ضرورت تھی۔ biologically (جینیاتی) اور سائنسی طور پر یہ ایک process of selection تھا جو جاری تھا اور practically (عملی طور پر) جب انسان نے اپنے choices (اختیارات) سے کام کرنا شروع کیا، جنکی choices سے عقلی choices سے نہیں، تو ان اختیارات کے ساتھ جب ہم آگے بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گاہاں ایک عجیب و غریب سراغ ملا۔ تہذیبیہ میں ”اولٹوائے“ کے مقام پر ایک ڈھانچہ ملا اور یہ ایک ice age گزرنے کے بعد کا ڈھانچہ تھا۔ اس ڈھانچے کے بارے میں سب سے بڑی جو بات تھی کہ دیکھا یہ گیا کہ یہ گھربانے کیلئے پتھر کہیں سے اٹھا کے لانا ہے اور کہیں رکھنا ہے۔ یہ دیکھا گیا کہ یہ مخصوص tools (اوزاروں) سے کھرپنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ دیکھا گیا کہ اس نے اپنے بچوں کی حفاظت کیلئے کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا شروع کر دیا۔ یہ بڑی حیرت کی بات تھی کیونکہ جانور میں tool making کی کوئی skill نہیں ہوتی، اس میں کوئی کلچر نہیں ہوتا، جانور plan نہیں کر سکتا۔ یہاں سے انسانی اختلاف واضح تھا۔ یہ کوئی ایسی astro

philologicus حقوق تھی کہ جو واضح طور پر سوچنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ ایک ابتدائی quantity تھی، ایک انتہائی معمولی مقدار تھی جو اس قابل تھی کہ اس کو زندگی کا کوئی مکمل نظریہ دیتی یا اسکو پوری planning دیتی۔ وہ اپنی اسی سوچ کے معمولی سے فروغ کے ساتھ کوشش کر رہا تھا مگر اس کا جب brain analysis (دماغ کا تجزیہ) کیا گیا تو حیرت کی بات ہے کہ اپنے جیسے ایک آدمی سے کم از کم 200cc اسکا brain زیادہ تھا۔ یعنی اس astro philologicus کے brain کی مقدار 700cc تھی، یہ دماغ اب آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ کسی حادثے سے اچانک یا challenges کے ساتھ یہ species کہاں سے آئی؟ اسکا فروغ کہاں سے ہوا؟ ابھی تک بہت بڑے بڑے anthropologists scientists, biologists (ماہرین حیاتیات و نباتات) شاید اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ از خود دماغ کی مقدار کیسے بڑھ سکتی ہے مگر لگتا ہے کہ اس میں طریق بڑاں کا فرما ہے کہ وہ بالکل اچانک فوری طور پر کوئی کام نہیں کرتا۔ انسان کی تکمیل سے پہلے وہ ذرا ذرا سا اس شعور کا touch (مس) اس عقل کا touch اسے دے رہا ہے جس کو برداشت کرنا شاید اس کے بس سے باہر تھا۔ اب وہ ایک پورے مکمل جلی وجود سے عقل کی طرف آ رہا تھا اور خدا ہمیں آزمائے کیلئے: "تَبْلِيْهِ فَبَجَعَلْنٰهُ مَسْمِيْعًا" بصیراً کہ سماعت اور بصارت دینے کے بعد تھوڑی بہت عقل و شعور کی حس وہ ہمیں دے رہا تھا کہ ہم آگے بڑھتے ہوئے کسی بہت بڑے کام کیلئے تیار ہو جائیں۔

خواتین و حضرات! آج بھی ایک gorilla کے brain کی مقدار 585cc ہے اور اس وقت جو انسان astro philologicus تھا اس کی مقدار 700cc تھی۔ chimpanzee کے دماغ کی جو گنجائش ہے وہ 470cc ہے۔ بہت عرصہ اور گزر رادیں اور بیس لاکھ سال کے درمیان ہمیں ایک اور بڑے عجیب و غریب انسان سے واسطہ پڑتا ہے جو افریقہ، یورپ اور کئی مقامات پر پایا جاتا ہے اس کو سائنسدانوں نے Homo Habilus بھی کہا اور Homo Erectus بھی کہا۔ "Habilus" یہ چالاک آدمی ہے، اسکا نشان اسکا کھانا ہے، یہ اپنے choices استعمال کر رہا ہے، یہ بچوں کی حفاظت کر رہا ہے، یہ اپنے اوزار تیز کر رہا ہے، یہ hunter ہے، plan کر رہا ہے اور خواتین و حضرات! قربان جائیے پروردگار کے کہ جب زندگی اتنی مصروف ہو اور آج آپ کو بھی ملے ہونا ہوگا کہ جب زندگی اتنی مصروف ہو کہ صبح کے کھانے کی فکر ہو، شام کے کھانے کی فکر ہو، protection کی فکر ہو تو انسان کے پاس اتنا

وقت نہیں رہتا کہ وہ کسی بہتر فکر، بہتر سوچ یا کم از کم خدا کے خیال سے آشنائی حاصل کریں اور بہت سارے احباب سے جب میری ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو اللہ کو یاد کرنے میں کیا چیز روکتی ہے تو بڑی محسوسیت سے جواب دیتے ہیں کہ ”فرصت غم روزگار ہی نہیں ہے، اللہ کہاں سے یاد آئے گا۔“ اللہ کو بھی شاید اس بات کا علم ہے۔ تو جب یہ ابتدائی انسان پیدا ہو رہا تھا یا بن رہا تھا تو خداوند کریم نے اس وقت بڑے بڑے جانوروں کو پیدا کیا جیسے ہاتھی اور ڈائنوسار اور ہاتھی بھی سائز اور وقامت میں بے پناہ بڑے تھے اور چونکہ انسان ان کا شکار کر رہا تھا تو ایک ہاتھی کو مارنے کے بعد کافی خوراک میسر آ جاتی تھی۔ زیادہ تر اس وقت ہاتھی کا شکار کیا جاتا تھا۔ ایک ہاتھی کا شکار کرنے کے بعد اس کے پاس بہت مانم بچتا تھا۔ اس کو پھر رات کی فکر نہیں رہتی تھی۔ اس کے ضمن میں، میں آپ کو ایک دلچسپ واقعہ سنانا چلوں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت دور رسول اللہ ﷺ میں ایک سر یہ کیلئے گئی تو ان کی خوراک ختم ہو گئی اور وہ بھوک سے عاجز آ گئے تو اللہ نے ایک جانور (بقول حدیث کے) پانی سے باہر پھینکا اور وہ اتنا بڑا تھا کہ اصحاب رسولؐ اسے مہینہ بھر کھا۔ تے رہے اور اس کا گوشت محفوظ کیا تو ایک صحابیؓ نے اس کے size کی مثال دی کہ اس کے جڑے کے نیچے سے اونٹ نکل جاتا تھا۔ لگتا جیسی ہے کہ وہ وکیل (whale) ہو گئی۔ مگر زمانہ قدیم میں اتنے اتنے بڑے جانوروں کا وجود اس لئے پیدا کیا گیا، عجیب حکمتِ ربانی استعمال کی گئی کہ لوگوں کو ایک وقت کی خوراک کی اور دوسرے وقت کی تلاش کی بجائے ایک بڑے جانور کے شکار کے بعد اتنا مانم مل جائے کہ وہ کچھ غور و فکر پر مائل ہو جائیں، سوچنے پر مائل ہو جائیں۔

یہ Homo Erectus جنہیں ہم straight man کہتے ہیں، یہ gorillas کی طرح جھک کے نہیں چلتا تھا، یہ ایک سیدھا انسان تھا اور اس کا نشان تھا ”کھانڈا“۔ اس نے کھانڈے بنائے ہوئے تھے۔ پھر کاروانِ حیات اور آگے چلا۔ اب بھی اس کو ساخت میں، کھوپڑی کی ترتیب میں انسان نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اب بھی یہ Homo Erectus، 950cc سے لے کر 1050cc کے دماغ کا مالک ہے جبکہ ایک معمولی انسان کے بچے کا دماغ بھی 1750cc کا ہوتا ہے۔ اب بھی بڑا فرق تھا۔ ہمارے پاس کوئی ایسی reason نہیں ہے کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ انسان تھا مگر ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ شاید یہ انسانوں کے آباؤ اجداد میں سے تھا۔ اسی اثناء میں جرمنی میں ایک اور ڈھانچہ نکلا جسکی مدت کا تعین بڑے قریب کا کیا گیا، دس اور آٹھ لاکھ سال کے درمیان اسکی مدت کا تعین کیا گیا۔ ان کو Homo Sapien

اب قرآن کو دوبارہ پڑھیے..... اس Neanderthal کے وجود میں ایک بات ضرور پائی جاتی تھی، یہ Neanderthal آپ کی طرح نہیں تھا، یہ چارنٹ سے بڑا نہیں تھا۔ اس کو Homo Sapien کہتے ہیں۔ sapien کا مطلب ہے سوچنے والا اور Homo انسان کو کہتے ہیں ”سوچنے والا انسان“۔ تو Homo Sapien Neanderthal کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ آخرت کا سوچ رہا تھا، وہ morality pick کر رہا تھا، اس میں عورت اور مرد کے functions جدا ہو گئے تھے۔ ایک بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ باقی جانوروں کی نسبت انسان کے بچے پلنے بڑھنے میں زیادہ وقت لیتے ہیں اور یہ باقی جانوروں کے بچوں کی طرح دو چار یا دس دن میں ماں باپ کے ساتھ دوڑنا نہیں شروع کر دیتے۔ یہ ایک بہت بڑی reason تھی کہ یہ جو انسان بڑھ رہا تھا اس کو اپنے بچوں کے colonies (گھر) بنانی پڑ رہی تھیں، اس کو cave life قائم کرنی پڑ رہی تھی۔ یہاں میں دوبارہ آپ سے ایک بات کہتا چلوں کہ عقل اس وقت پیدا ہوئی، شعور اور دماغ اس وقت پیدا ہوا کہ جب کسی بھی چیز یا تہیٰ حقوق نے اپنی genetic code کے خلاف، صدیوں کی عادات کے خلاف جدوجہد شروع کر دی اور Homo sapien Neanderthal اس میں باکمال نظر آتا ہے۔ They started thinking, started building. اس میں اس انسان کا بھی سراغ کھو جاتا ہے۔ برنجاری کے اس طوفان میں موت کی غنڈہ کوں میں زندگی کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اور میرے خیال کے مطابق اب ایک ایسا مرحلہ آتا ہے کہ ایک نیا انسان ہمیں نظر آتا ہے اس کو Homo sapien Sapien کہتے ہیں۔ اصول یہ old

stone age ہے new stone age اور old stone age (نئے دورِ پتھر کی اور پرانے دورِ پتھر کی) کی زیادہ سے زیادہ مدت جو ہے..... دیکھئے اب اتنا بڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد، کروڑہا برس طے کرنے کے بعد اچانک ہم پہنچ جاتے ہیں دس ہزار سال تک، دس ہزار سال سے کچھیں ہزار برس تک ہمیں اس Homo sapien Sapien کا سراغ ملا ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ اتنا طویل، اتنی صدیوں کا وقت گزارنے کے بعد اچانک ہمیں ایک بہتر اور برتر انسان کا سراغ ملا ہے جس نے تہذیب شروع کر دی، society بنانی شروع کر دی، قوانین بنانے شروع کر دیے۔ خواتین و حضرات! یہ سوچنا پڑے گا کہ کیا پہلا انسان شعوری ہدایات کے بعد Homo sapien Sapiens میں سے وجود رکھتا تھا؟ اور آدم کا تعین، ان کی زندگی اور عمر کا تعین انہی دس ہزار سال سے کچھیں ہزار سال میں ہوتا ہے۔ یہ وہی موقع ہے، ابھی وہ انسان اتنے مہذب نہیں ہوئے تھے، اتنے بااخلاق نہیں ہوئے تھے، انکے ہاں وہ قوانین نہیں تھے۔ ice age نے ان کے بقایا جات ختم کر دیے تھے۔ ایک آدمی اور ایک عورت سامنے آئے جو نئے انسان تھے اور نیا انسان ہدایت یافتہ انسان ہے۔ اسی موقع پر جب Neanderthal زمین پر تھا، جب جنگ خساد ہو رہی تھی تو لگتا ہے کہ پروردگار نے کہا:

”وَإِنَّمَا أَنتَ نَذِيرٌ لِلْعَالَمِينَ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“

تو جو نیچے (Neanderthal) انسان تھا، نہ اس کی شکل و صورت کوئی اچھی تھی، نہ اس کے حالات اچھے تھے، نہ اس کے واقعات اچھے تھے، وہ قتل و غارت کے سوا کچھ نہیں جانتا تھا tool making اور hunting کے سوا۔ کچھ نہیں آتا تھا، اس لئے فرشتوں نے عاجزانہ عرض کی ”قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ“ کہ اے پروردگار! یا انسان تو فساد ہی کرے گا، اس کو تو شعوری نہیں ہے۔ یہاں میں آپ کو ایک چھوٹی سی حدیث سنانا چلوں۔ جب اللہ نے انسان کو بڑا کرنے کا سوچا، معتبر کرنے کا سوچا، عزت بخشا چاہی، ”تخلیفۃ اللہ فی الارض“ بنانا چاہا تو ملائکہ نے عرض کی کہ اے پروردگار..... (یہ اسی آیت کی وضاحت ہے.....) تو اس شخص کو ہم سے معزز کرنا ہے (یہ بڑا عجیب سا فرق ہے جو حدیث بیان کرتی ہے اس پہ غور کیجئے) کہ جو کھاتے ہیں، پیتے ہیں، نکاح کرتے ہیں، جو ایک دوسرے سے مباشرت کرتے ہیں، مناکحت کرتے ہیں۔ تو ایسے کر کہ ہمیں آخرت دے دے ہم حیرے ساتھ خوش ہیں اور تو ان کو دنیا دے دے۔ تو فرمایا پروردگار نے کہ

اسے لانگڈارن وسادات تم مجھ سے اس بات میں جھگڑتے ہو، میں نے تمہیں ”حرف کس“ کے تحت پیدا کیا اور اس انسان کو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ تم میں اور اس میں کیسے برابری ہو سکتی ہے؟ یہ وہ انسان ہے کہ جو ایک دم شعور کی پہلی جلاپا گیا، پہلی شناخت پا گیا اور نگہ دنیا زندگی میں ایسا مصروف ہوتا ہے کہ آدم سے یہ دور شروع ہوتا ہے اور بسا اوقات اسے چالیس ہزار سال تک بھی لے جاتے ہیں۔

یہ وہ دور ہے جس میں انسان نے اپنے شعور کو پوری طرح exploit کرنا شروع کر دیا مگر اتنا لمبا چوزا عمر، اتنا وقت گزارنے کے بعد راز یہ نکلتا ہے کہ جب تک مسلسل ایک تجرباتی دور نہ آئے کوئی اصول وضع نہیں ہوتا تو جب brain کی quality اتنی محدود اور unexploited تھی تو خداوند کریم نے بھی قانون ہدایت کو مختصر رکھا۔ صحفہ آدم شاید ایک آیت یا ہدایت پر مشتمل ہو۔ حضرت آدم کو چونکہ تمام تر اپنے وجود کے اندر اور باہر داخلی اور خارجی حالات میں بے شمار حالات کو از سر نو اور نئے سرے سے سیکھنا پڑا تھا اس لئے ان کو ایک چھوٹی سی آیت کا سہارا دے دیا گیا۔ ایک آدھ حکم سنا دیا گیا اور کتاب میں سے ایک آدھ شق ان کو پڑھ کر سنا دی گئی کہ لو اس پر تم نے عمل کرنا ہے۔ یہ پہلی آیت قرآن تھی جو حضرت آدم کو دی گئی اور اس کو free چھوڑ دیا گیا باقی اعمال کیلئے باقی حرکات کیلئے کیونکہ اس کے challenges بے شمار تھے اور اس کا brain ابھی اس ذہانت کیلئے accustom نہیں ہوا تھا۔ ابھی اس کا brain اس قابل نہیں تھا کہ اپنے ارد گرد کے حالات اور معاملات کا احاطہ کرنا۔ اس لئے حضرت آدم کی عمر بھی ایک ہزار سال بتائی جاتی ہے۔ جہاں brain زیادہ functional نہیں ہے، جہاں brain زیادہ over work نہیں ہے، جہاں slow speed سے چلتا ہو وہ ایک ایک چیز کو ہزار مرتبہ دہرانے کے بعد سیکھتا ہے وہاں ایک بڑی قدرتی سی بات ہے کہ عمر زیادہ چاہیے، وقت زیادہ چاہیے۔ اسی لئے پروردگار عالم نے اس زمانے میں پیغمبر (آدم) کو زیادہ عمر دی مگر ایک اصول اور بھی یاد رکھئے کہ وجود پیغمبر کا اس تمام معاشرے کو ہدایت دینے کا عرف یہ مطلب نہیں کہ وہ شناخت کر دیا پیغام یافتہ ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ اس society کا ذہن ترین انسان تھا۔ ایک پیغمبر اپنے معاشرے کا ایک اعلیٰ ترین ذہن ہوتا ہے اگر ایک پیغمبر کے مقابلے میں کوئی دوسرا ذہن بہتر ہو تو یہ پروردگار کے انصاف سے بعید ہے کہ اس کو پیغمبری نہ دے۔ اصول علم یہی ہے کہ امام علیہ اسی شخص کو دی جاتی ہے جو اپنے معاشرے میں یا اپنے ماحول

میں اعلیٰ ترین قد و علم کا حامل ہوا اور ہمیں یہ بڑی آسانی سے لگتا ہے کہ اس پورے معاشرے میں آدم و حوا کا وہی تہذیبی و تمدنی وجود تھا اور یہ دونوں اوصاف مل کر ہدایت اور شرف انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔

حضرات گرامی! اسکے بعد ہم حضرت نوح کا وقت دیکھتے ہیں اور جبلت کی حکمرانی قائم ہے۔ نو کروڑ سال سے میرے وجود میں ایک جانور ہے، جب میں جانور نو کروڑ برس تک اکٹھے رہے ہوں یا میں نو کروڑ برس تک اکٹھے رہے ہوں تو ایک آدھ صدی میں میں کیسے اس سے جدائی حاصل کر سکتا ہوں؟ میں کیسے اپنے اندر کے جانور کو مار سکتا ہوں اور یہی مشتمل ہے 'نفس' پر۔۔۔۔۔ جسے آپ 'نفس' کہتے ہیں وہ ان عادات و خصائل پر مشتمل ہے جو genetically صدیوں سے ہم نے inherent کی ہیں۔ وہ aggression ہے، غارت ہے، قتل و غارت کی جس ہے، پیار ہے، وہ survival ہے جو سب سے بنیادی instinct ہے۔ لاکھوں کروڑوں سال سے باقی حیات کے ساتھ ساتھ یہ instincts بننا رہے ہیں اور ہم انہی کے خلاف جدوجہد کر کے خدا تک یا خدا کے احکامات تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں: "وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ" کہ جو خدا کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرایا جس نے خدا کی شناخت چاہی، اس نے اپنے نفس کی ضرورت کا اہتمام کیا۔

حیرت کی بات ہے کہ تمام biologists اور anthropologists بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانی عقل و شعور نے اس وقت ابتدا کی جب اس نے اپنی اقدار کی جبلت سے لڑنا شروع کیا۔ اس تجربے سے انسان گزرا، اب وہ لڑائی شدید تر ہو گئی مگر ہدایت اور رہنمائی اللہ کی طرف سے آئی شروع ہو گئی۔ یہ ایک بہت بڑی مصیبت کی بات ہے کہ ہم لوگ جو صاحب ایمان ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ انسان planted ہے اور وہ ملیر حیات سمجھتے ہیں کہ یہ natural processing ہے۔ اس بات کا اختلاف ہے اور کوئی علم اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا، جب تک ہم اس basic سوال کو حل نہ کر لیں، ہم جب تک خدا کے ہونے یا نہ ہونے اور خدا کا اپنی زندگی میں وجود اور اس کو محسوس کرنے یا نہ کرنے کا سوال حل نہیں کریں گے ہم basically اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ natural sciences کہہ رہی ہیں کہ It's a natural selection process. مگر خدا کی طرف سے دیکھتے ہوئے ہمیں اس تمام مسئلے کا جواب مل جاتا ہے اور اس colonial plantation کا پورا پورا حل ہمیں ملتا ہے۔

اب ہم مزید آگے بڑھتے ہیں، حضرت نوح کو طرف آئیے، اس انسانی ذہن کا جلت کو پلٹنا دیکھئے کہ نوسوستائیس یا سیستیس برس ایک معاشرے میں رہنے کے باوجود، ہدایت کے اسباق دینے کے باوجود، عقل و معرفت سکھانے کے باوجود، خدا کی بات کرنے کے باوجود اس معاشرے میں کوئی response جناب نوح کو نہیں ملا بلکہ اس جلت اور عقل کی جنگ میں حضرت اپنے بیٹے کو گنوا بیٹھے، کھان کو گنوا بیٹھے۔ خواتین و حضرات! یہ بات بڑے سوچنے کی ہے کہ کیا آپ کے ذہن میں کبھی نہیں آیا کہ نوسو برس ایک پیغمبر تبلیغ کر رہا ہے..... چلے نوسو نہیں، آٹھ سو برس تو اس نے تبلیغ کی ہوگی مگر آٹھ سو برس کی تبلیغ کے بعد بھی روئے عالم پر دو چار نفوس کے علاوہ اس کی بات کوئی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ کیا پیغمبر کے لہجے میں شیرینی نہ تھی؟ کیا کوئی عقلاً نقص تھا؟ کوئی message خراب تھا؟ نہیں ایسا نہیں تھا بلکہ وہی مضبوط ترین جلی گرفت انسان پر قائم تھی جو اسے تعلق کا رستہ اپنانے سے روکتی تھی۔ انسان ابھی شعور کے احساس کے قابل نہیں ہوا تھا، ابھی اسکو ایک ایک آیت مل رہی تھی۔ قرآن کی ایک ایک آیت اتر رہی تھی اور وہ resist کر رہا تھا، وہ اس پر بوجھ بنی ہوئی تھی۔ اگر آپ کو یہ کہا جائے کہ اے بندگانِ خدا مجھے ایک مانو، مجھے تمہارے کسی اور عمل سے کوئی غرض نہیں تو بخدا کھر کھر جش ہو جائے۔ اگر ہم باقی مسائل شرع سے چھوٹ جائیں، باقی احتسابی اذکار سے چھوٹ جائیں تو We will think, "this is a great blessing of God". مگر آپ خود سوچئے کہ ہم پر کس قدر قوانین کا بوجھ ہے اور ایک زمانہ تھا کہ ایک قانون دیا جا رہا ہے، آدھا قانون دیا جا رہا ہے اور اس کے باوجود حضرت انسان اس قانون کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔

یہ شعور کی جو جدوجہد انسان نے شروع کی تھی کسی طور بھی ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی، اسی لئے پیغام بھی مکمل نہیں ہو رہا تھا اور شعور بھی مکمل نہیں ہو رہا تھا۔ اب آگے بڑھیے سات ہزار سال کے قریب ہمیں ایک بہت بڑی ہستی کا سراغ ملا ہے۔ گیارہ سو پانچ قبل مسیح میں حضرت موسیٰ کا سراغ ہے اور اس سے پیچھے جاتے ہوئے ہمیں سیدنا حضرت ابراہیم کا سراغ ملا ہے۔ اللہ نے ان کی بڑی تعریف کی: اِنَّهُ اَوَّاهٌ مُّنِيبٌ کہ ابراہیم بڑے عاجھے بندے تھے تو پہ کرنے والے میرے دوست۔ ”وَاصْلَحَ اللَّهُ اَبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا“ حضرت یزداں سے پوچھنا پڑتا ہے کہ آخر کون سی ادا نے ابراہیم تھی جو آپ کو پسند آگئی۔ understanding? culture? مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خدا کی دی ہوئی عقل کو عجیب طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے

کہ brain mature ہو رہا ہے۔ اب استنباط آگیا ہے، استخراج آگیا ہے، استدلال آگیا ہے۔ اب اسی عقل میں جو ایک جانورانہ سطح سے اٹھی تھی، جو سوچنے کی طرف مائل نہیں تھی، ماگہاں ایک ایسا ذہین بندہ اٹھا The top intellectual of his time, Ibrahim (AS), he is arguing وہ بر معالے کی چھان بین اور تحقیق کر رہا ہے۔ ستارہ چڑھتا تو ابراہیمؑ نے کہا کہ یہ خدا ہو گا، یہ خدا ہے۔ مگر اس عظیم و بزرگ و برتر انسان نے premiss سامنے رکھا ہوا تھا کہ اگر کوئی خدا ہے تو وہ جولا زوال ہے۔ اگر کوئی خدا ہے تو شرط اس کی ضرور یہ ہوگی کہ وہ زوال پذیر نہیں ہوگا۔ جب انہوں نے پہلے سے particular idea بتایا تو اس کے بعد حالات دنیا کو پرکھنا شروع کر دیا۔ That's a very keen study, that's the way to think, یہ سوچنے کی تربیت ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ عقل کو سلیقہ آگیا، نسل انسانی کو استخراج کا اور استدلال کا طریقہ آگیا۔ یہ general سے particular کو move کر رہا ہے۔ عمومی حالات کا جائزہ لیکر خصوصی حالات کو بڑھ رہا ہے اور ایک خصوصی خیال قائم کر کے عمومی حالات کو ان پر رکھا جا رہا ہے۔ deductive اور inductive logic مکمل ہو رہی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کو عزت و درجہ میں کہا گیا کہ بس تو ایسا ہے کہ تیرے جیسا کوئی نہیں۔ میں نے جیسے آپ سے عرض کیا کہ زمانے میں جب ایک پیغمبر ہوتا ہے تو ائمہ intellectual اور کوئی بھی نہیں ہوتا اور یہ یاد رکھئے کہ پرانے زمانے میں تمام حکومتیں theocratic تھیں، مذہبی تھیں، priest حکمران ہوتا تھا۔ جو مذہب کا سبق سکھاتے تھے وہی حکمران ہوتے تھے۔ ان کو priest کی حکمرانی کے دن کہتے ہیں، theocracies کہتے ہیں۔ پرانے تمام معاشرے theocratic ہیں یعنی دین، علم، حکومت یہ سب ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ ”وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا“ (۱۹: ۱۲) حکمت اور حکم دونوں چیزیں پیغمبروں کو عطا کر دی جاتی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے اس طرزِ ادا کی خوبصورتی سے خدا کا متاثر ہونا ہے کہ اعلان کرنا ہے: ”إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا“ کہ اے ابراہیمؑ میں نے تمہیں تمام امتِ انسان کا امام مقرر کیا۔ جب اسے آزمایا، جب اس کو mental test سے گزار لیا تو فرمایا کہ اے ابراہیمؑ میں نے تمہیں نسل انسانی کا امام مقرر کیا۔ مگر کس quality کی بنا پر.....؟ شعور اور عقل کی اس نعمت گراں مایہ کو جو اللہ نے انسان کو عطا کی، جو انسان کو بنانے کا مقصد تھا، جو message اور ہدایت کا

instrument تھا، جس کو حضرت ابراہیم نے مکمل اور اعلیٰ ترین skill کے ساتھ استعمال کیا، اس سے خدا کا خوش ہوا کہ ابراہیم کو تمام انسانوں کا امام مقرر کیا۔ مگر حضرت ابراہیم کے ساتھ ہی تو حضرت لوط بھی تھے، ایک ساتھ کی بستی میں جہاں رجعت پسندی جاری تھی۔ وہاں وہی جلت کی بدبختی جاری تھی، وہی animal behaviour تھا اور خداوند کریم نے اُس قوم کو نشان زدہ پتھروں سے تباہ کر دیا۔

دور ابراہیم گزر گیا، ذہن مزید develop ہونا گیا۔ اُس ایک بڑے انسان کی عطا و بخشش یہ تھی کہ کچھ لوگوں نے، ایک tribe نے، ایک خاندان نے سوچنا شروع کیا..... یہاں میں ایک بات آپ کو بتانا چلوں کہ اگر آپ قرآن حکیم پر اچھی نظر آئے تو آپ کو پتہ چلا ہے کہ تمام پسماندہ قومیں تباہ ہوئیں اور ان کو کبھی زلزلوں سے مارا گیا، کبھی طوفانوں سے، کبھی ان کو زمین کے حسب سے مارا گیا، کبھی مسخ سے مارا گیا۔ ”فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ“ (تو ہم نے حکم دیا انہیں کہ بن جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے۔) یہ اس لئے تھا کہ وہ جانورانہ جلت کی طرف مائل ہوتے تھے اور ان پر حرف عقل قطعاً ناکارہ تھا، اس لئے تھا کہ اس معاشرے نے اہلیت show کر دی تھی، تعلق فکر اور message کو قبول کرنے میں total failure record کر دی تھی اسی لئے خدا کے پاس ان کی elimination کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اسی لئے وہ معاشرے تباہ ہو گئے مگر آج کا معاشرہ نہیں، آج آپ کی عقل و فہم استوار ہے، آج آپ ایک پورے دماغ کے حامل ہیں اسی لئے آپ کو ان عذابوں سے ابھی تک نہیں مارا گیا جیسے پرانے زمانوں میں لوگوں کو مارا گیا۔ اگرچہ عادات بہت سی آپ کی بھی وہی ہیں (اللہ تعالیٰ ہم سب کو پناہ بخشنے!) جو بہت ساری پچھلے زمانوں میں تھیں۔ اس کے باوجود چونکہ شعور اور عقل ایک خاص maturity تک پہنچ چکا ہے تو توقع رکھی جاتی ہے کہ اگر کہیں نہ کہیں یہ زمانہ عقل کو reject کرے گا تو کہیں نہ کہیں غور و فکر سے یا اپنی طرزِ زاد اور روشِ اصول کو بدل بھی لے گا۔

خواتین و حضرات! اب حضرت موسیٰ کے زمانے کو پہنچتے ہیں۔ گیارہ سو ستر قبل مسیح کے قریب کا زمانہ ہے، انسان بڑا ذہین ہو چکا ہے، بڑا عاقل و بالغ ہے، کتاب آجکی ہے، دانشوری کے چرچے ہیں۔ حضرت موسیٰ ایک انتہائی گری پڑی قوم کو عزت و افتخار سے اللہ کے حکم سے آشنا کرتے ہیں۔ بڑی قدر و منزلت ہے انکی مگر قوم کا حال سیکھے! اور آپ ذرا غور کیجئے اس قوم کے حال پر کہ تمہیں سے گزرتے ہوئے یا اہلبک سے گزرتے ہوئے جب انہوں نے خوبصورت

مندروں کو دیکھا اور بتوں کو سونے اور چاندی کی صورتوں میں دیکھا تو کہا: ”موسیٰ! ہم بھی اپنے خدا کا ایک بت نہ بنائیں۔“ کس درجہ جلالت سے مغلوب ہے وہ قوم..... کس درجہ تعقل سے عاری ہے وہ قوم..... مگر کیا یہ خدا کیلئے ہی ایسے ہیں یا دنیا کیلئے بھی ایسے ہیں۔ ایسا دنیا کیلئے نہیں ہے۔ اس جہلی و جود کا جب دنیا کی طرف تعقل ہے تو انتہائی sharp ہے کہ جب اللہ نے ان سے کہا کہ ”یومِ بہت“ کو مچھلی نہیں پکڑنی تو کہا: ”نہیں پکڑیں گے“ اور ساتھ ہی اللہ نے آ زمانے کیلئے مچھلیاں پانی کے اوپر کر دیں تو انہوں نے بہت غور و فکر کیا، وہ غور و فکر اللہ کیلئے نہیں کیا مگر دنیاوی غور و فکر کا یہ عالم تھا کہ اس میں سے مالیات نکال لیں، گھر بیٹھ گئے، مچھلیاں گھر پہنچ گئیں تو حجت تمام کی کہ اللہ کے حکم کے مطابق ہم نے نالاب سے مچھلیاں پکڑی ہی نہیں ہیں، ہم نے تو گھر سے لی ہیں۔ ہم نے تو نالاب سے نہیں پکڑیں۔ حکم یہ تھا کہ یومِ بہت کو مچھلیاں نہیں پکڑنی۔ اس کو اس طرح پورا کیا قوم یہود نے کہ حکم یہ ہے کہ نالاب سے مچھلی نہیں پکڑنی اس لئے مائی نکال کر اگر گھر تک خود مچھلی آجائے تو کون چھوڑتا ہے جی.....!

حضرت گرامی! اسی طرح اللہ نے انہیں حکم دیا کہ حِطَّةٌ تُغْفِرُ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ ۚ مَسْزِيَةً الْمُحْسِنِينَ ۝ بھی ایسے کرو کہ گھٹنوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے تم پر عظم میں داخل ہوا، اللہ کا شکر کرتے ہوئے، اُسکے احسان کو تسلیم کرتے ہوئے اے قوم اسرائیل! اے قوم موسیٰ! جب تم اپنے اپنے گھر کو پلو تو اس شکر کے تحت پلو کہ تم ذلیل تھے، خاسر و غائب تھے مگر اللہ نے تمہیں سرفراز کیا، قوم مالین کو رسوا کیا، تمہیں نل سے بچایا۔ تمہیں total elimination سے بچایا۔ تمہارا یہ حال تھا کہ تمہارے بچے قتل کئے جاتے تھے اور بچیاں زندہ چھوڑ دی جاتی تھیں، اس سزا سے تمہیں نجات دی۔ تمہیں اللہ کا شکر کرتے ہوئے اپنے شہر میں داخل ہوا چاہیے تھا، سجدہ کرتے ہوئے، گھٹنوں کے بل..... مگر قوم یہود نے ”حِطَّةٌ“ کو ”حِطَّةٌ“ (گندم کی بائی) کر دیا اور سریسوں کے بل گھسٹتے ہوئے اندر داخل ہوئے، اللہ سے مذاق کرتے ہوئے، اسے چراتے ہوئے کہ دیکھ ہم نے کتنی ذہانت سے تیرے قانون کو سمجھا جا اور جب پروردگار نے ان سے کہا: ”وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۚ“ کہ اے میری قوم اللہ نے تمہیں گائے قربان کرنے کا حکم دیا ہے تو انہوں نے مذاق شروع کر دیا۔ کہنے لگے: ”موسیٰ! اللہ کو گائے کی کیا ضرورت پڑ گئی، اللہ کو بھی قربانی چاہیے؟ کیا وہ کھانا ہے؟ کیا وہ پیتا ہے؟ کہیں یہ تو نہیں کہ اللہ کے نام پر تم اپنے گھر قربانی لے جاؤ گے۔“ استقدر طعنہ دینے، استقدر تنگ کیا کہ

حضرت موسیٰ کو مجبوراً کہا پڑا: ”قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ“ پیغمبر فیصلہ دے رہا ہے کہ یہ قوم جبلاء ہے۔

خواتین و حضرات! یہ قوم موسیٰ تھی جن کو ہم philistines کہتے ہیں، جو ظاہرہ عبادات میں بڑی پکی تھی۔ جیسے ایک کولہ کے بتل کی عادت پکی ہو جاتی ہے اسی طرح یہ ظاہرہ عبادات میں باکمال لوگ تھے بلکہ یہ اپنے پیغمبر کو بھی کہتے تھے کہ تیری ابرہی نہیں لگ رہی ہے کھڑے ہوتے ہوئے، دیکھ ہم تجھ سے بھی بہتر کھڑے ہوتے ہیں مگر ہمیں باطن کا اور رجعت جلت کا یہ عالم تھا کہ ان پر خدا کے سب سے بڑے دو جوا لازم ہیں جو اللہ نے یقیناً حق سے لگائے ہیں کہ: ”ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا اِيْكَفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ“ (یاس وہ بے قہار کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ماحق) ان کا ترو، انکی سرکشی اس عالم کو پہنچ گئی تھی کہ یہ اندرونی، جذباتی، خیالاتی احساس سے بالکل عاری تھے سوائے چند ایک کے..... بنو اسرائیل کے چند ایک لوگ ہی اپنے انبیاء کی پیروی کرتے تھے تو خدا کو ایک خیال آیا (سبحان اللہ تعالیٰ العزیز) کہ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ان کو تمام ہی dictation outer life کی دینے جا رہا ہوں، میں ان کو تمام احکامات خارجی دے رہا ہوں۔

Ten commandments سارے ہی خارجی ہیں کہ آپس میں اس طرح behave کرو، ideal اس طرح کرو، کمانے اس طرح کماؤ، خاندانوں میں اس طرح رہو تو شاید ان کو میں نے internal (اندرونی) کیفیات کی تعلیم ہی نہیں دی سلتے اب objective realities کے بجائے اللہ تعالیٰ نے ایک اگلا قدم اٹھایا اور ایک پیغمبر کو تمام تر اندرونی تعلیم کیلئے بھیجا، نیات کے processing کیلئے بھیجا، internal conflicts (اندرونی کشش) کے حل کیلئے بھیجا، داخل دین کیلئے بھیجا۔ یہ حضرت عیسیٰ تھے۔

حضرت عیسیٰ کوئی شریعت نہیں لائے تھے مگر جتنے اقوال عیسیٰ میں سر ہم مارے پاس ہیں اگر آپ ان پر غور کریں تو وہ تمام کے تمام داخلی اور نیات کے ہیں۔ اگر تجھے کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو اسے دوسرا offer کر دے اس کے ظلم اور تہر کا مقابلہ نہ کر بلکہ اتنی قلبی مہربانی اس پر کر کہ شاید اس کی aggression نکل جائے اور وہ تیرے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ جیسے حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ جس نے مسائے کی بیوی کو بھی بد نظر سے دیکھا گویا اس نے زنا کا ارتکاب کیا۔ اب غور کر کے دیکھئے کہ یہ وہ احکامات تھے جو تمام تر داخلی کیفیات کے احکامات تھے۔ اس کیلئے

سوچنا پڑتا تھا، یا تنہا باریک بینی احساسات تھے کہ شاید انسان ان پر پورا نہیں اتر سکتے تھے۔ پھر چند ایک لوگ extremities (انہما پسندی) کو چلے گئے، کثرت کو چلے گئے اور انہوں نے ”رہبانیت“ اختیار کی۔ اسکے علاوہ شاید اس internal کیفیات کا کوئی حل نہیں تھا مگر کیا اللہ اس بات کو پسند کرتا تھا؟ اللہ نے دیکھا کہ انسان کو ادھر بانٹا ہوں تو total ادھر چلا جاتا ہے، ادھر بانٹا ہوں تو total ادھر چلا جاتا ہے اور جو کتاب میں نے دی ہے، اس کو اگر میں تھوڑا دیتا ہوں تو بھی یہ ناقص ہے، زیادہ دیتا ہوں تو بھی یہ ناقص ہے مگر بہر حال ایک بات اللہ نے واضح طور پر محسوس کی کیونکہ انسان اس کا بنایا ہوا تھا، وہ اس کے mechanism (ہٹاوت) کا خود judge (جج) تھا اس لئے اس نے محسوس کر لیا کہ انسان کی capacity of brain (دماغی صلاحیت) سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں، اسکے داخلی اور خارجی پہلو، اسکی ذہانتیں اب اس قابل ہو گئی ہیں کہ میں اپنے کام سے چھٹکارہ حاصل کروں۔ وہ جو میں تیس کروڑ سال سے message (پیغام) کی conveyance (تسلل) چلی آ رہی تھی، پہلے physical (جسمانی) conveyance کی پھر سمجھ بوجھ اور پیغام کی conveyance تھی۔ بڑی مشکل سے مالاقتی کو Homo sapien بنایا، پھر Homo sapien سے message دینے شروع کئے تو اب اللہ نے یہ سوچا کہ میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا ہوں۔ جب اُس نے انسانیت کی تکمیل پائی، جب اُس نے اپنے پیغام کو مکمل کرنا چاہا، جب اس نے اپنی بات کی finality (حتمیت) پائی، جب جنکی اور عقلی شعور کا مکمل توازن پیدا کرنا چاہا، جب انسان کو اس قابل سمجھا کہ وہ حیاتِ انسانی کو از خود اصول کائنات کے تحت گزارنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی ہدایات کے مطابق بھی گزار سکتا ہے، جب قرآن کی اس آیت کا ایک ultimate decision (حتمی فیصلہ) آیا کہ: ”إِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ إِنَّمَا شَاكَرُوا وَإِنَّمَا كَفَرُوا“ تو اس وقت، اس مکمل اعتدال کے وقت پروردگار نے ایک اعلان کیا:

”الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي“

(”اے لوگو! آج میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور تم پر نعمت تمام کر دی“)

دین objective truth (خارجی حقیقت) ہے اور نعمت ان انسانوں کی صورت میں مکمل کر دی جو آدم سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک تمہیں دے چکا ہوں اور یہ تمام خلاصہ ”علم و عقل“ ہے یعنی تمام خلاصہ ہدایت ”محمد رسول اللہ“ ہیں۔

یہاں ایک بڑا سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر عقل تمام ہو گئی، خیال پورا ہو گیا تو کیا آنے والے انسان کی عقل بہتر تھی؟ کیا آنے والا انسان (آج کا انسان) چند سو برس پہلے کے انسان سے بہتر نہیں تھا؟ بخدا نہیں تھا، نہ اب ہے، نہ اُس وقت تھا، نہ پرانے زمانے میں تھا۔ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہر زمانے میں بہترین عقل پیغمبر کی ہے اور تمام زمانوں میں بہترین عقل ”محمد رسول اللہ ﷺ“ کی ہے۔ ”بودلر“ (Boud lair) نے کہا تھا ”Writer's every word is an act of generosity.“ (ادیب کا ہر لفظ معاشرے کے لئے فیاضی ہے۔) محمد رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہیں پتا ہے کہ سب سے فیاض کون ہے؟ کہا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ محمد ﷺ نے فرمایا:

”سب سے زیادہ فیاض اللہ ہے اور اسکے بعد سب سے زیادہ میں ہوں اور میرے بعد سب سے فیاض وہ ہے جس نے علم سیکھا اور دوسرے کو بتایا۔“

generosity (فیاضی) کے جو معنی ایک موجود اعلیٰ ترین ادیب لینا ہے اس سے کہیں بہتر انداز میں ”محمد رسول اللہ ﷺ“ ہمیں بتاتے ہیں کیونکہ علم انسان کی بہتری کیلئے ہے مگر ادیب کا ہر لفظ معاشرے کی بہتری نہیں کرتا۔ بہت سا ادب ایسا ہے جس کو پڑھ کے انسان شرماتا ہے، جس میں کسی قسم کی معاشرتی فلاح نہیں پائی جاتی اور اسی لئے جو بہترین اصطلاح حضور گرامی مرتبت ﷺ نے استعمال کی کہ: ”Generous is who learns and who teaches“ (فیاض وہ ہے جو علم حاصل کرتا ہے اور سکھاتا ہے۔) اور وہ علم کون سا ہے۔۔۔۔۔؟ اس کے بارے میں حضور گرامی مرتبت ﷺ کی دعا ہمیں بتاتی ہے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ دُعَاءٍ لَا يَسْمَعُ وَعِلْمٍ لَا يَنْفَعُ“
(میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو۔)

یہ وہ علم ہے جو نفع بخش ہے، یہ وہ علم ہے جو آگے بڑھ کر انسان کو خدا کی شناخت دیتا ہے، یہ وہ علم ہے جو انسان اور خدا کے درمیان سب سے زیادہ بہتر بندگی کی حالت پیدا کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ کیا تم نے قرآن کی آیت نہیں پڑھی کہ

”إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ“
(اللہ ہی علم والا ہے اور اللہ سے سب سے زیادہ علم والے ہی ڈرتے ہیں)

اور جب پیغمبر یہ کہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آنے والی صدی میں سب سے زیادہ علم والا اللہ کا رسول ﷺ ہے۔

یہاں دو چار احادیث کو میں ضرور discuss (بحث) کرنا چاہتا ہوں۔ ان احادیث پر علمی حیثیت اور علمی اعتبار سے اعتراضات رہے۔ ایک حدیث یہ تھی کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”اے ابو ذر! تمہیں پتا ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ ابو ذر نے کہا: ”اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔“ میں اس سے پہلے آپ کو ایک اور چھوٹی سی حدیث سنانا چلوں جو اس عقل کی maturity (چٹنگی) کی نشاندہی کرتی ہے کہ جب لوگ پوچھیں گے کہ یہ کس نے بتایا؟ وہ کس نے بتایا؟ تو پھر کوئی نہ کوئی یہ ضرور پوچھے گا کہ اللہ کو کس نے بتایا؟ تو پھر صرف اتنا کہہ دینا کہ میں اپنے اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لایا اور یہ کہہ دینا کہ ”مجھے علم نہیں“ یہ کہہ دینا کہ مجھے علم نہیں، بھی علم ہے۔ اپنی مالیت کا اقرار کر لینا، اپنے وجود کے narcissism (نرکسیٹ) کو توڑنے کے برابر ہے۔ یہ جو ہمارے طنطنے، ہمارے زعب، ہمارا یہ خیال کہ ہم دنیا کے سب سے عقل مند آدمی ہیں، اگر ہم ایک لمحے پیچھے آکر سوچ لیں کہ اس سوال کا جواب مجھے نہیں آتا تو خدا کا رسول ﷺ یہ کہتا ہے کہ اگر تم نے یہ کہہ دیا کہ مجھے علم نہیں تو یہ بھی علم ہے، یہ علم بہترین علم میں سے ہے۔ یہ اقرار تمہاری کمی، علم نہیں بلکہ تمہاری بہتر تفہم اور بہتر احساب ذات کی طرف نشاندہی کرنا ہے اور اصحاب رسول ﷺ بڑے خوبصورت لوگ تھے۔ خیالاتی jumps (چھلانگیں) نہیں لگایا کرتے تھے، ذرا سا بھی کسی چیز کے بارے میں اشتباہ ہو، نہ پتا ہو تو بڑی سادہ سی بات کہتے تھے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”ابو ذر! تمہیں پتا ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟“ فرمایا: ”اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابو ذر! یہ ”عرش بریں“ کو جانا ہے، پھر اسے حکم دیا جاتا ہے کہ پلٹ جا اور یہ پلٹ جانا ہے مگر ایک دن آئے گا کہ اس کو کہا جائے گا کہ تو نے واپس نہیں جانا اور وہ قیامت کے دن ہوگا۔“ اس حدیث پر اعتراض کیا گیا..... جیسے کتابیات قرآن میں اسی طرح کتابیات حدیث بھی ہیں۔ اس حدیث پر اعتراض ہوا کہ یہ against the fact (خلاف واقعہ) ہے۔ جدید مفکرین نے اعتراض کیا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برقی نے بھی اعتراض کیا۔ وہ PHD تھے (ماشا اللہ.....) غلام احمد پرویز صاحب نے بھی اعتراض کیا کہ یہ حدیث خلاف واقعہ ہے۔ سورج تو اپنے دائرے میں حرکت کرتا ہے، یہ تو کہیں عرش بریں کو نہیں جاتا، But they were not patient.

اگر وہ تھوڑا سا صبر کر لیتے، اتنا سوچ لیتے کہ میں جس نئی کوئی مان رہا ہوں، جس رسول کو رسول مان رہا ہوں، میں تو اسی اساس پر مان رہا ہوں کہ وہ مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ میں تو نئی کو اسی لئے نئی مانتا ہوں کہ وہ ہر حال میں مجھ سے بہتر جانتا ہے اور جو امتی یہ سوال کرے کہ میرے رسول کا علم کتنا ہے؟ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) میں نہیں سمجھتا کہ اس امتی کو امتی رہنے کا حق ہے..... تو اعتراض کرنے والوں نے کہا کہ سورج تو ایک ہی گردش میں ہے، یہ تو ”عرش بریں“ کو نہیں جانتا، کہیں بلندی کو نہیں جانتا تو حدیث خلاف واقعہ ہے۔ اگر پانچ دس سال اور گزر جاتے تو ان کو پتہ چل جاتا کہ سورج کی ایک نہیں تین گردشیں ہیں، دو بالائی اور ایک زیریں، ایک گردش سورج کی وہ ہے جو ریاضتکارہ کروڑ سال میں inner galaxies کی طرف پوری کرتا ہے۔ ایک گردش سورج کی وہ ہے جو یہ ایک سو پچاس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے مرکز کے گرد بلندی کی طرف کو جاتا ہے۔ (میں آجکو حدیث کی مشابہت بتاتا ہوں.....) حیرت کی بات دیکھئے کہ یہ دوسری گردش میں جس بلندی کو جاتا ہے اس کا نام ہی solar apex ہے۔ apex ”عرش“ کو کہتے ہیں۔ تو اگر کچھ دیر intellectuals (موجودہ دانش ور) غمخیز جائیں، کچھ دیر صبر کر لیں تو میرا خیال ہے کہ بہت سی باتیں از خود ان کی سمجھ میں آ جائیں گی۔

مشابہت حدیث اور مشابہت قرآن میں تھوڑا سا فرق ہے وہ میں آپ کو ضرور واضح کرنا چاہتا ہوں۔ مشابہت قرآن میں language کا pattern (انداز زبان) کبھی بھی زمانوں میں نہیں بدلتا، زبان وہی رہے گی ہر زمانے میں اتنی ہی صحیح رہے گی جتنی وہ ایک زمانے میں ہے۔ اگر آج سے پندرہ سو برس پہلے قرآن نے یہ کہا: ”وَجَعَلْنَا مِنَ النَّارِ كُلَّ شَيْءٍ حَسِيءً“ کہ ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا تو نہ لفظ بدلے گا، نہ تاویل بدلے گی۔ آج کے دور میں بھی بالکل وہی الفاظ رہیں گے اور وہی سچے ہوں گے۔

پندرہ سو سال پہلے حیاتیات کے علوم نہیں تھے، scientific researches (سائنسی تحقیقات) نہیں تھیں۔ جب خدا نے یہ کہا:

”أَوَلَمْ يَرِ الْيُنَيْنَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفُتِقْنِيهُمَا“

(کیا تمہیں علم نہیں کہ زمین و آسمان پہلے سب اکٹھے تھے پھر ہم نے ان کو پھاڑ کے جدا کیا)

Big Bang میں آج کا سائنسدان بھی اس کو اسی معنی میں لے گا، تاویل نہیں دے گا کہ زمین و آسمان پہلے اکٹھے تھے پھر Big Bang کے ذریعے ان میں separation ہوئی۔ آج کا

انسان بھی انہی باتوں کو بالکل ویسے ہی لے گا۔ قرآن کے کسی لفظ میں کوئی تغیر نہیں۔ صرف زبان و مکاں میں علوم کی کئی بیشی کی وجہ سے آیات قرآنی کے فہم میں فرق آ سکتا ہے اور کتابیات ہو سکتی ہیں۔

حدیث کی کتابیات میں کچھ قصور اس فرق ہے اور وجہ یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کو جو language (زبان) عطا فرمائی گئی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زبان، جو زمانہ عطا کیا گیا۔ زبان اس زمانے کی eternal (دائمی) نہیں ہے۔ اس language کی eternal shape (دائمی صورت) نہیں ہے بلکہ آگے بڑھتے ہوئے وہ تبدیل ہوتی جاتی ہے۔ میں آج کو ایک چھوٹی سی بات بتاؤں کہ حضور گرامی مرتبت ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ ”پھر مجھے جبرائیل ام بانی کے کھر سے باہر لے کر آئے۔ مجھے براق پر بٹھایا اور براق ایسے تھا جیسے ایک درخت اوپر سے اور اس میں دو بیٹھے کی جگہیں تھیں، پھر ایک پر مجھے بٹھایا اور ایک پر خود بیٹھے، پھر اشارہ کیا، براق چھوٹا اور اس کے پاؤں سے شعلے نکلے اور پلک جھپکتے میں وہ آفاق میں گم ہو گیا۔ حضرت گرامی! یہ conveyance (سواری) ہے مگر حضور ﷺ نے لفظ ”براق“ کا یا کھوڑے کا اگر استعمال کیا تو یہ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس سے اُن کی کیا مراد ہے؟ وہ اپنے عہد کے یا اپنی زبان کے محاورے سے آگے نہیں گئے۔ He had to explain these things to his own people, people of that age (انہوں نے اُن چیزوں کو اُس دور کے لوگوں کے سامنے واضح کرنا تھا۔) اور اس کے بعد language (زبان) کی ان کتابیات کو جن سے ہمارا واسطہ ہے ان کو سمجھنا ہمارا کام ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس زمانے کے دور سے نکلتی ہوئی زبان کو adjust (تعمین) کریں۔۔۔۔۔ میں نے ایک صاحب سے یہ کہا کہ خدا کے رسول ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق میرا خیال یہ ہے کہ Human beings will be able to create an exact replica of a human being. (انسان ایک دن انسان کا ہم شکل بنانے کے قابل ہو جائے گا) تو انہوں نے کہا: ”جی! یہ کون سی حدیث ہے؟ کہاں پائی جاتی ہے اور آپ نے کیسے استنباط کیا؟“ تو میں نے ان سے عرض کی کہ جناب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ عصرِ دجال میں ایک شخص دجال کے پاس آئے گا اور کہے گا: ”کیا تو میرا بھائی زندہ کر سکتا ہے؟“ وہ کہے گا: ”ہاں! کر سکتا ہوں۔“ تو وہ اس کا بھائی اسکے لئے زندہ کرے گا۔ اصحاب کرام نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ وہی ہوگا؟ فرمایا: نہیں، اس کی مثال ہوگا اور

that's cloning (یکلوننگ ہے) یہ ہمارے استنباط کی بات ہے اور cloning آنے سے چھ ماہ پہلے میں نے سیالکوٹ میں جب یہ بات کی تو مجھے خوشی ہے کہ میں نے جو ایک حدیث سے استنباط کیا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ جب آپ کو شش کریں گے اور ایک rigid (سخت گیر) محاورے کی تسلیم کے بجائے آگے بڑھ کے اس انتہائی intellectual capacity (یعنی وسعت) تک پہنچنے کی کوشش کریں گے تو حدیث کی کتابیات کے فہم تک پہنچ جائیں گے۔

سب سے بڑی سنت میرے نزدیک علم سیکھنا ہے کیونکہ علم سیکھ کر ہی تو آپ ذہانت رسول ﷺ کے متنی ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس علم نہیں ہوگا، شناخت کے tools (آلات) نہیں ہونگے تو آپ اتنے بڑے کائناتی intellectual (محمد ﷺ) کی بات کیسے سمجھیں گے؟ کائناتی intellectual کیا کہہ رہے ہیں؟ کائناتی intellectual حدیث قدسی میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ نے کہا: "لَا تَسْبُو اللَّهَ اَنَا دُھَر" (زانا کو برا مت کہو، زانا میں ہوں) آدم کا بیٹا اُسے برا کہتا ہے مگر زمانے کو پلٹنے والا میں ہوں۔ حضرات گرامی! آپ کو شاید یہ حدیث بڑی نہ لگے مگر جب "برگسان" نے، دنیا کے اپنے وقت کے عظیم ترین فلاسفر نے جو پاچہ تھا، اپنی کرسی پر اقبال سے یہ حدیث سنی تو اتنا excite (پرجوش) ہوا کہ اچھل کر نیچے آ پڑا کہنے لگا: I swear your Prophet was a prophet. (میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ پیغمبر تھا) زمان و مکاں کی explanation کرتے ہوئے، Stream of consciousness کی explanation میں نظر یہ، زمان و مکاں کی وضاحت دینے میں میرے تیس سال گزر گئے ہیں اور آپ کے پیغمبر ایسے ہی چلتے پھرتے اتنی بڑی بات کہہ جاتے ہیں۔ He must be the top intellectual. (وہ ضرور ایک اعلیٰ ترین ہنس انسان ہے) دیکھئے! وہ ان کی پیغمبری کا اعتراف نہیں کر رہا، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ پیغمبر ہے، human intellectual نہیں ہے۔ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اسے خدا ہی یہ علم دے سکتا ہے، از خود تمہارے پیغمبر یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو intellectual (ذہین انسان) ماننے کیلئے تیار نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے: "By miracally he has been informed this." (اسے معجزے کے ذریعے یہ علم دیا گیا) "ورنہ میرے تو تیس برس گزر گئے ہیں یہ بات جاننے میں مگر میں زمان و مکاں کے کسی فلسفے پر نہیں پہنچا ہوں۔"

حضور گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا: "جس نے محبت کی اللہ کیلئے، جس نے عزت کی

اللہ کیلئے، جس نے منع کیا اللہ کیلئے، جس نے اختیار کیا اللہ کیلئے، اس کو اللہ نے ایمان کا کامل عطا کیا۔۔۔۔۔ وہ پیغمبر آپ کو خدا کی طرف متحرک کرنا ہے اور تمام علمی و جاہل اور تمام زندگی کا ایک خلاصہ متعین کرنا ہے کہ محبت کرو تو خدا کیلئے، کسی چیز سے منع کرو تو خدا کیلئے، انکار کرو تو خدا کیلئے۔۔۔۔۔ جب آپ کے basic (بنیادی) تعقل کے یہ mile stones (سنگ میل) ہو گئے تو اللہ آپ کے ایمان کو کامل کر دے گا۔

حضرت گرامی! ذرا اندازہ لگائیے کہ ایک وہ honest (ایمان دار) آدمی ہے جو دنیا کیلئے honesty (ایمانداری) برتنا ہے اور ایک وہ honest آدمی ہے جو خدا کیلئے honesty برتنا ہے۔ دنیا کے لئے honesty برتنے والے انسان کا پیٹ خراب ہے، اسے شوگر کی زیادتی ہے، چوبیس گھنٹے bickering کرنا ہے، ہر وقت لڑائی جھگڑے میں پڑا ہوا ہے ایک ایسی سڑی ہوئی شکل ہے کہ قبول انگریزی مؤرخوں کے کہ ایک نفاذ دہائی تلخ طرز کیا کرنا تھا تو اس کے نفاذوں نے کہا کہ اس کی وجہ اس کا پیٹ خراب رہنا ہے کہ جب آدمی کا معدہ ٹھیک نہیں، جب اس کو کھانے کی لذت نہیں، جب کسی چیز کی لذت ٹھیک نہیں تو اس نے تو معاشرے پر تنقید ہی کرنی ہے مگر جو اللہ کا بندہ ہے وہ اپنی نیکی کا صلہ کسی سے نہ چاہے گا، جب اپنے غلوں کا صلہ کسی سے نہ چاہے گا، جو اللہ کیلئے کر رہا ہے وہ یہ تو نہیں چاہتا کہ میں نیکی کر کے اس بندے سے صلہ مانگوں۔ تمام مذاہب صلہ مانگنے سے پیدا ہوتا ہے اور عقل یہ سکھاتی ہے کہ نیکی کر کے دریا میں نہ ڈال اور رسول اللہ ﷺ یہ سکھاتے ہیں کہ اگر کوئی کام ایسا کرتے ہو تو اللہ کیلئے کرو تا کہ تمہیں نذرت نہ ہو، تم تیار نہ ہو جاؤ، تم اذیت میں نہ پڑو۔

کھجور کے بیوند کی ایک بڑی مشہور حدیث ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس میں حکمت پیغمبری کو تھوڑا سا نقص واقع ہو گیا ہے یا شاید ان سے کوئی خطا ہو گئی ہے مگر وہ عجیب و غریب حدیث عقل و معرفت کے بہت بڑے دروازے کو دکھاتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک گروہ کو دیکھا کہ کھجور کو بیوند لگا رہے تھے۔ فرمایا: ”یہ کیا کرتے ہو؟“ فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم بیوند کرتے ہیں اور بڑے برسوں سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔“ اگر آپ غور کیجئے تو حدیث کہتی ہے کہ ہم تو شروع سے ہی بیوند کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تو نہیں پسند کرتا۔“ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آئندہ ہم بیوند نہیں کریں گے۔“ بیوند نہیں کیا۔۔۔۔۔ بیوند نہیں کیا تو اگلے برس پیداوار کم ہوئی، وہ لوگ آئے اور کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ کی

بات مانی تھی، پیوند نہیں کیا تھا مگر کھجور کی پیداوار بڑی کم ہوتی۔“ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”ایک وہ بات ہے جو اللہ کی طرف سے ہے وہ وحی ہوتی ہے اور ایک وہ بات ہے جو میں آدمی ہونے کی حیثیت سے کرتا ہوں تو وہ کبھی کبھی غلط بھی ہو سکتی ہے۔ پھر ایسے کیا کرو جیسے تمہارا تجربہ ہے۔“ مگر حضرت سواگرمی یہ بات غلط نہیں ہوتی، آپ یقین جانے کہ یہ بات غلط نہیں، اس کے اس پر وہ اس استاد عظیم نے تھوڑی سی ملامت عقل لے کر انسانیت کو اہم تک کیلئے ایک lesson (سبق) دیا کہ یہ جو spiritualism (روحانیت) conceptualism (خیالاتی دنیا) آپ میں موجود ہے اور یہ جو prophetic (پیغمبرانہ) لوگ موجود ہیں یہ جو بڑے بڑے دعوے ’ملاءِ اعلیٰ‘ سے کرتے ہیں ان کو انسانی تجربے کے مقابلے میں value (اہمیت) نہ دینا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں انسانی تجربے کی value کو اجاگر کیا ہے۔۔۔۔۔ ”پھر ایسے کیا کرو جیسے تمہارا تجربہ ہے۔“ پھر ایسے کیا کرو، جیسے ہزاروں، سینکڑوں برسوں سے تم کر رہے ہو۔ ایک متعین process (عمل) میں ایک تجربہ بھی تو اس کمال کو اسی لئے پہنچا تھا کہ مسلسل ایک تجربہ کرتے کرتے، انجائی چنگی سے تم ایک نتیجے کو پہنچے ہو کہ پیوند لگانے سے کھجور کی پیداوار بڑھتی ہے خواہ اس میں پیغمبر کی opinion (رائے) بھی ایک دنیاوی تجربے میں کیوں نہ آ جائے۔ انہوں نے ایک advice (فصاحت) کی اور یہ اتنی بڑی advice ہے کہ آج بھی مسلمانوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب آپ کسی بزرگ کے پاس جاتے ہیں اور وہ اسکا specialist ((ماہر) نہیں ہوتا، specialist تو اس کام کے آپ ہیں، ایک business man ہے، ایک engineer ہے مگر آپ جا رہے ہیں ایک پیر صاحب کے پاس، ایک استاد کے پاس کہ کیا یہ کام کروں، وہ کام کروں اور وہ بے نیکی بانک دیتے ہیں اور آپ کو آ کے نقصان ہو جاتا ہے تو آپ کا اعتبار پیر سے نہیں اٹھتا، استاد سے نہیں اٹھتا، آپ کا اعتبار ایک institution of religion (مذہب کے مکتبہ فکر) سے اٹھ جاتا ہے۔ یہ تمام intellectual idiosyncrasy (دانش ورانہ طرزیں) کبھی بھی وجود میں آ سکتی ہیں اور جس کی وجہ سے آپ پریشان ہو سکتے ہیں مگر رسول ﷺ کی اس حدیث میں آپ کے لئے رہنمائی موجود ہے کہ آپ ﷺ نے تمام جذباتیت اور تمام ایسے رویوں کی نفی کی ہے جو دنیا میں آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے وجود کی معرفت سے نفی کی۔ سب سے بڑا ”استاد ہی یہ کر سکتا ہے۔“

حضرات گرامی! ایک اور حدیث پر ایک اعتراض اٹھتا ہے..... میں آپ کو صرف وہ احادیث سنارہا ہوں جن میں ایک اعلیٰ ترین چینی معیار کی کیفیت ہے..... اعتراض یہ ہوا کہ حضور ﷺ کی حدیث گرامی ہے کہ جس نے اذان سننے کے بعد ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کہا اس پر جنت واجب ہو گئی۔ اعتراض یہ کیا گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ خالی ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کہنے سے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے اچھا اذان سنی، ”حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح“ سنا اور کہا: ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ تو اعتراض کرنے والا اس بات پر اعتراض کرنا ہے کہ اتنے آسان سے عمل کے ساتھ آپ کو جنت کیسے مل سکتی ہے؟ آپ کو روزِ خ سے نجات کیسے مل سکتی ہے؟ مگر آپ یقین جانیئے کہ ایک شعوری چینی کاوش کے ساتھ ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کہنا آسان نہیں ہے۔ ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ (نہ میری کوئی قوت، نہ میرا کوئی ارادہ۔ جو کچھ ہے میرے اللہ کا ہے) جب انسان اپنے ارادہ و قوت کو اپنی طور پر negate (نفی) کرنا ہے تو وہی ایک لمحہ ہوتا ہے جب وہ خدا کی عبادت کا حق ادا کرنا ہے۔ جب مؤذن نے کہا ”حَسْبِيَ عَلَى الصَّلٰوةِ“ آؤ نیکی کی طرف، ”حَسْبِيَ عَلَى الْفَلَاحِ“ آؤ بھلائی کی طرف..... تو ایک ذہین آدمی کے اسے سننے کا انکسار یہ ہے کہ اسے پروردگار عالم انوار نہ چاہے تو میں نماز کو بھی نہیں جاسکتا، میں فلاح کو بھی نہیں جاسکتا۔ ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ مجھے یہ سو فیصد یقین ہے کہ ”حَسْبِيَ عَلَى الصَّلٰوةِ“ ”حَسْبِيَ عَلَى الْفَلَاحِ“ سننے کے بعد چانک دل سے باہوش اور شعور کی حالت میں یہ نکل گیا، تو مجھے تو یقین ہے، آپ کو بھی یقین دلانا ہوں کہ پھر روزِ خ کا کوئی ڈر نہیں رہے گا۔ مگر اتنی با شعوری کوشش بھی ہم سے ممکن نہیں ہوتی۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ”چاہے ایک انسان عبادت کرے، چاہے روزے رکھے، چاہے خیرات کرے اگر وہ تقدیر الہی کا کمال نہیں ہے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے“ اور تقدیر اور توفیق ایک ہی پہلو سے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ توفیق انسان طلب کرنا ہے مگر تقدیر وہ چیز نہیں ہے۔ جتنی بہترین explanation (وضاحت) رسول اللہ ﷺ نے تقدیر کی، کی ہے آج تک زمانے میں کوئی نہیں کر سکا۔ (عرف ایک اطالوی فلاسفر lebniz نے اس کے بعد تقدیر کی ایک اچھی تعریف کی ہے) اس درجہ استدلال تک بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ حیران ہو گئے کہ کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اگر تقدیر میں سب کچھ درج ہے تو پھر انسان کیا کرے، انسان کیوں کام کرنا پھرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کام کرو اس لئے کہ اللہ نے تمہارے نصیب میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ بدل کر دیا ہے۔“ آسان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تم دو کاموں کو جاؤ گے اور ایک کام

تمہاری تقدیر میں نہیں ہے اور دوسرا کام تمہاری تقدیر میں ہے تو تمہیں قدرتی طور پر وہی کام مرغوب لگے گا اور وہی بہتر لگے گا کہ جو تمہاری تقدیر میں لکھا گیا ہے کیونکہ تقدیر میں بھی انسان کے پورے جہلی اور شعوری interactions (اثرات) کا ایک پیلو سامنے ہوتا ہے۔ جو اللہ آپ کو اتنے قریب سے جانتا ہو اور اتنی بارکیوں سے جانتا ہو آپ اس سے کیسے گریز پاسکتے ہیں اور اگر تقدیر کے بارے میں کوئی اور دلیل نہ ہوتی تو ایک ہی دلیل بہت بڑی تھی کہ کوئی انسان نہ اپنا کھر چتا ہے نہ ماں چتا ہے نہ باپ چتا ہے نہ بچے چتا ہے نہ بیوی چتا ہے۔ انسان کی پیدائش کہاں ہوتی ہے؟ کس کے کھر ہوتی ہے؟ کون چاہے گا کہ ایک مفلس، غریب اور فلاکت زدہ انسان کے کھر پیدا ہو۔ کون نہ چاہے گا کہ وہ ”ہل گیٹ“ کے کھر پیدا ہو۔ اپنی ماں کو کس نے چتا ہے پیدائش سے پہلے، اپنے باپ کو کس نے چتا؟ اگر کسی بیوی کو یہ پتہ ہو کہ میرا باپ مجھے پیدا ہوتے ہی مار دے گا تو وہ کیوں پیدا ہوگی؟ اگر کسی جابر مطلق نے اٹھ کے اپنی ماں کو تنگ کرنا ہے تو اس کی ماں اس سے کیوں گریز نہ کرے؟ جبر اور تقدیر کا یہ پیلو اور پھر اس کا دوسرا انجام، ہر انسان کی لکھی ہوئی موت..... دو چار برسوں کیلئے، بیس تیس برسوں کیلئے جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم میں تھوڑی سی طاقت اور توانائی ہے تو جسمانی تکبررات کے ساتھ ساتھ شعوری تکبررات بھی آ جاتے ہیں۔ ہم سمجھتے تھے ہیں کہ ہم تقدیر کے خالق ہیں اور اپنے کام خود بناتے ہیں۔ تقدیر کو ماننے سے کوئی مائل نہیں ہو جاتا بلکہ فعالیت اور عظمت بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے کہ جب آپ کو پتا ہے کہ ایک کام اللہ نے مجھ سے لیا ہے تو آپ اس سے گریز نہیں کر سکتے، آپ ہر صورت وہ کام کر کے ہی بچے ہیں اور آپ ہر وقت موڈ میں تیار رہتے ہیں کہ پتہ نہیں اللہ نے یہ کام لینا ہے یا وہ کام لینا ہے۔

ایک بہت خوبصورت حدیث سنئے اور اس process کو دیکھئے جو رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا، اس ذہانت کو دیکھئے جو پندرہ سو برس پہلے پیدا ہوئی اور آج کے دور کے scientist کو دیکھئے۔ زیادہ تر تمام نفسیات ادھر ادھر سے گھوم کے psycho analysis (نفسی تجزیہ) اور suggestion (تجاویز) پر آ جاتی ہے۔ data (اعداد و شمار) کے بغیر کوئی نفسیات دان کسی پر رائے نہیں دے سکتا، اس کو data چاہیے، اندرونی اور خارجی کیفیات کا data چاہیے۔ رسول گرامی مرتبت ﷺ کے پاس ایک شخص آتے ہیں اور کہتے ہیں: یا رسول اللہ ﷺ! میرے بچے کے دماغ کو پتا نہیں کیا ہوا ہے؟ وہ آئیں بائیں ٹائیں کرنا رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا میں چل کے اسے دیکھوں گا..... یہ ”دس عیاذ“ کی بات ہے..... حضور

ﷺ اس باغ میں بیٹھتے ہیں۔ دبے پاؤں، بغیر بتائے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ اس کے پیچھے چھپ کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر گزری کہ اس کی ماں بھاگتی ہوئی آتی ہے اور ”میں عیاذ“ کو صدا دیتی ہے کہ دیکھ، دیکھ تیرے پیچھے تو حضور ﷺ کھڑے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”آج اگر تو مجھے اس کی باتیں سننے دیتی تو میں اس کا مرض پالیتا۔“ حضرات گرامی! کیا اس کے علاوہ بھی کوئی psycho analysis (نفسی تجزیہ) ہے۔ وہ پہلے انسان ہیں کہ جنہوں نے نفسیاتی تحلیل کا طریقہ اور اس کا data ڈھونڈا ہے اور آج psycho analytical schools کی بھرمار ہے مگر گھوم پھر کے تمام باتیں اسی collection of data پر آ جاتی ہیں جسکی نشاندہی آپ کے پیغمبر ﷺ نے فرمائی۔

آپ کو ڈنا چاہیے۔ آپ کو اس لئے ڈنا چاہیے کہ ہم چلتے پھرتے بہت سارے لوگوں کو منافق کہہ دیتے ہیں مگر ”حضرت حذیفہ بن الیمانؓ“ نے فرمایا کہ نفاق تو صرف رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک تھا اور ہم لوگوں کے درمیان تھا مگر اب تو زمانے میں یا کفر ہے یا ایمان ہے۔ بڑی عجیب بات ہے جو حضرت حذیفہؓ نے فرمائی اور اس کا مطلب حضرت معاذ بن جبلؓ کی ایک دوسری حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ سب سے زیادہ جس بات سے ڈرتے تھے وہ نفاق ہے، دل کی تقسیم ہے، ذہن کی تقسیم ہے۔ جو یکسوئی اور جو عمل چاہیے تھا وہ موجود نہیں ہے۔

پیغمبر ﷺ کی ایک حدیث جو میاں بیوی کے بارے میں ہے اور بڑی عجیب سی بات ہے کہ problems کے تعین میں اس major most problem کو کہا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان کا عرش پانی پر ہے اور پھر شام کو اس کے دوسرے شیطین اس کو report دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے قتل کر دیا، اس نے کہا نہیں۔۔۔۔۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے چوری کرادی، اس نے کہا چھوڑو۔۔۔۔۔ It's common ایک شیطان جا کے کہتا ہے: ”اے شیطان الرجیم! میں نے ایک میاں بیوی کے درمیان فرق کر دیا۔“ وہ کہتا ہے: ”شلاش! تو نے بڑا کام کیا، تو نے بہت بڑا کام کیا“ اور وہ اسے اپنے پاس مسند پر جگہ دیتا ہے۔ خواتین و حضرات! آج کے زمانے میں as a teacher when i look at the family matters جب میں معاشرتی معاملات کو دیکھتا ہوں تو بہت سی بے چینیوں کی بچہ میاں بیوی میں ایک خاص understanding اور اتصال نہ ہوتا ہے۔ آسانوں کی تلاش اتنی بڑھ گئی ہے کہ

صبر کرنے والے مرد اور عورت نظر نہیں آتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کی ماریشگی ایک خاندان سے آگے بڑھتی ہوئی پورے معاشرے کو اغتلاال میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایک قتل بہر حال کسی انسان کے دل میں horror (دہشت) پیدا کرے گا۔ یہ قتل تو نہیں ہے مگر اس کے ذریعے جتنے انسانوں میں ماراٹگیاں، اختلافات پیدا ہو گئے وہ پورے معاشرے کو اجازت کے قابل ہو جائیں گے اسی لئے technically (بارکی سے) مسائل کی ترجیحات میں حضور گرامی مرتبت ﷺ نے اسے بہت بڑا مسئلہ قرار دیا ہے۔ I think only a sociologist can explain it. (میرا خیال ہے کہ صرف ایک سوشیالوجسٹ اس کی وضاحت کر سکتا ہے۔)

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک ہے اور اس کے بعد آسانی ہے۔ حضرات گرامی! اگر آپ غور کیجئے تو زندگی کا پورا سفر قبر تک ہے۔ تمام زندگی کا نام period اس زندگی میں کرنے کے لئے سوچنے سمجھنے کا حاصل قبر ہے۔ تمام امتحان، جدوجہد، پنی کاوشیں پرچہ، سوال قبر تک جا کر حل ہوا ہے اور اگر زندگی میں اپنی ترجیحات priority، پنی clearance ہم نہیں حاصل کریں گے تو جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: قبر کے اندر جو سوال کیا جائے گا کہ کیا تو اللہ کو جانتا ہے؟ وہ کہے گا: ”ہاں! جیسے دوسرے لوگ کہتے تھے ویسے میں بھی مانتا تھا۔“ جب سوال کیا جائے گا کہ کیا تو محمد رسول اللہ ﷺ کو جانتا ہے؟ کہے گا: ”ہاں! میں نے سنا تو تھا، جیسے لوگ کہتے تھے ویسے میں بھی کہتا ہوں کہ تھے“ تو جواب آئے گا کہ میرا بندہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس لئے کہ جس زندگی کو اور جس زندگی کیلئے پیغمبر میں نے بھیجا اور جس زندگی کی ترجیحات کیلئے میں نے اللہ کا رسول ﷺ انہیں بخشا، اپنا بہترین دوست بخشا، پورا کلام بخشا اور آخری کلام بخشا (وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي) جس کی وجہ سے message کو تمام کیا، messenger کو تمام کیا تم اس کی basic approach (بنیادی رسائی) ہی نہیں سمجھتے کہ یہ زندگی رسل و رسائل نہیں ہے، یہ کھانے پینے کیلئے نہیں ہے secondary purposes (مادی مقاصد) کیلئے نہیں ہے کیونکہ تمام زندگی رسول اللہ ﷺ نے ایک intellectual priority (یعنی ترجیح) انسانوں تک پہنچائی ہے اور وہ اللہ کو ”ترجیح اول“ دینا ہے اور اس معاملے میں قرآن کی بہترین interpretation (وضاحت) ہے۔ آج بھی تمام دنیا کے مؤرخین اور صاحب کتاب یہ کہتے ہیں کہ ”الوہب خداوند“ کو قرآن نے جس طرح واضح

کیا ہے آج تک دنیا کی کسی کتاب نے واضح نہیں کیا مگر اسکو جو exhibit (ظاہر) کیا ہے، ”محمد رسول اللہ ﷺ“ سے بہتر کسی نے نہیں کیا۔

حضرات گرامی! اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی خوبصورت بات کی ہے۔ فرمایا: ”شیطان آدمیوں کا بھیڑیا“ ہے۔ جس طرح بکری پر ”بھیڑیا“ آتا ہے اور جو بکری ریوز کے کنارے پر ہوا ریوز سے بچھڑ جائے اس کو ”بھیڑیا“ اٹھا کے لے جاتا جیسی طرح اگر تم ”اجماع امت“ سے گریز کرو گے، اکیلے اکیلے چلو گے، تنہا چلو گے، اپنے اپنے حصے علیحدہ کر لو گے اور ”اجماع امت“ کے ساتھ نہ چلو گے تو شیطان تمہیں اچک کے لے جائے گا، شیطان تمہیں چھوڑے گا نہیں۔ اس حدیث میں جو ہمیں ایک بہت بڑی approach نظر آتی ہے کہ ایک چھوٹے سے گروہ یا ایک انسان کا حج وہ خود ہی ہوتا ہے اور اجماع کی صفت یہ ہے کہ اجتماعی ذہن ایک رائے دیتا ہے اور وہ collective opinion (متفقہ رائے) انسان کی guidance (رہنمائی) کیلئے سب سے بہترین رائے ہوتی جیسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا اجماع کبھی غلط نہیں ہوگا but individually (لیکن انفرادی طور پر) پندرہ میں لاکھ یا دو لاکھ انسانوں کا ایک گروہ یا ایک قسم کی understanding (سمجھ بوجھ) جو ہے وہ ایک محدود understanding میں لوگوں کے درمیان decision (فیصلے) دیتی ہے اور وہ general opinion (عام رائے) سے یا ایک total opinion سے گریز کرتی ہے تو کسی بھی معاملے میں جزوی opinion کبھی صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے جماعت کی رائے اور اجماع کی رائے کو حتمی کہا گیا اور امت کو اجماع میں قیام پذیر ہونے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے۔

حضرات گرامی! ایک بڑی خوبصورت بات اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی کہ ”اگر تم اپنی جانوں پر سختی کرو گے تو پھر اللہ بھی تم پر سختی کرے گا۔“ وہ بڑے بڑے عبادت گزار، وہ یکساؤں میں رہنے والے، ان کی مثال دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنہوں نے اللہ کی محبت پر یا عبادت پر غرور کیا، وہ کثرت عبادت سے اپنے نفس کو تکلیف دیتے تھے، وہ مشقت اور اذیت سے اپنے آپ کو بہتر اور برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے تو اللہ نے ان کی مشقت اور بڑھادی، ان کو اور سختیوں میں ڈال دیا اور راہ اعتدال سے انہیں گمراہ کر دیا۔

اعتدال، محبت، سلوک، تعقل، رحمت، کرم یہ تکمیل رسالت ﷺ ہیں اور خدا ہیہ کریم نے انسانیت کے بہت بڑے دور کو مزین کیا۔ افسوس کی بات ہے کہ نو کروڑ برسوں سے انسان نے

جس ذات گرامی ﷺ تک پہنچنے کی جدوجہد کی، جس عقل اور معرفت تک پہنچنے کی کوشش کی اگر آپ Homo Erectus سے پوچھتے، Homo Habilus سے پوچھتے، Homo Sapiens سے پوچھتے تو نسل انسانی کی تمام کی تمام کوشش ”محمد رسول اللہ ﷺ“ تک پہنچنے کی تھی۔

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاقَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي“

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے پندرہ سو برس میں اس ذاتِ تعالیٰ ﷺ کی تعلیمات، ان کی محبتوں اور ان کے خلوص کو اپنی زندگیوں سے خارج کر دیا ہے۔ خبردار رہنے گا کہ ہم بھی قوم یہودی کی طرح جہلوں کو پلٹنے والے ہیں۔ جب بھی ہم اعتدال سے نہیں گئے اور بہترین معیار عقل و نقد و نظر، بہترین معیارِ حجتِ رسول ”اعتدال“ ہے۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو اعتدال سے بنا ہوا پائے تو یہ سمجھ لے کہ اس میں کوئی نقص واقع ہو گیا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

سوال و جواب

سوال: میرا خیال ہے کہ اگر پروفیسر صاحب کا یہ لکچر سنا گیا تو اس میں جو کڑی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ انسان کسی نہ کسی شکل میں، پس ماندہ شکل میں اس کرہ ارض پر موجود رہا اور چونکہ اسکے عقل و شعور نے ٹھیک طرح سے بنایا نہیں تو پھر elimination (مٹنے) کا process (عمل) ہونا رہا۔ بتا رہا ہوتا رہا۔ اس میں بہر حال جو ایک قرآنی عقیدہ ہمارا عام مذہبی عقیدہ ہمارے سامنے ہے پروفیسر صاحب سب سے پہلے اس گرہ کو داکریں اور کھولیں کہ حضرت آدم اسی زمین پر ہی جس طرح سے پہلے species (انواع) موجود تھیں موجود تھے یا انہیں باہر سے بھیجا گیا، plantation (کاشت) ہوئی یا نہیں ہوئی اور وہ plantation اس سارے process (عمل) کا حصہ پھر کیسے بنی جو پہلے اس کرہ ارض پر وہ process موجود تھا اور جاری تھا۔ یہ تھوڑا سا confusion (الٹھٹاؤ) ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سارے لکچر کی تکمیل تھی ہو گئی اگر پہلے یہ فرما دیں کہ حضرت آدم کی حیثیت اس سارے مسلسل عمل میں انسان کے وجود کے عمل میں کہاں بنتی ہے؟ کس طرح سے fit ہوتی ہے؟

جواب: بہت اچھا سوال ہے۔ ویسے تو اس سوال کا جواب میں بہت سی جگہوں پر دے چکا ہوں۔ اصل میں انسان کی زندگی کے اور اسکی روح کے مابین جو بنیادی فرق ہے اسکو نظر خاطر رکھتے بغیر کسی انسانی origin (ابتدا) پر حتمی رائے نہیں دی جاسکتی۔ قرآن میں اللہ نے انسان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے اسے زمین سے اگایا ہے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا: ”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ“ اور حیات کی اعلیٰ ترین قسم انسان ہے پھر قرآن میں بار بار انسان کے origin (ابتدا) کو واضح کیا کہ میں نے اسے گوندھی ہوئی مٹی سے، صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ سے، طِينٍ لَّازِبٍ سے پیدا کیا یعنی معتبر ترین اشارات انسان کی تخلیق کے اور اسکے ہدفی وجود کی تخلیق کے ہمیں زمین پر ہی ملتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیت میں لفظ ”اهبطوا“ کس طرف اشارہ کرنا ہے۔ لفظ ”اهبطوا“ بعض اوقات transference of place کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے یا کسی ایک شہر سے دوسرے شہر کو جانے کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ نکل پڑا اور اتر پڑنے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسکے باوجود واضح ترین صورت یہ بنتی ہے کہ جو انسان بحیثیت اُسکا proto type (ابتدائی نمونہ) ہے، جو ایک علیحدہ جگہ تخلیق ہوتا ہے، وہ اسکے gene کی code ہے، جیسے ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اور قرآن حکیم میں

بھی ہے کہ میں نے اپنی جھوٹا کوائف سامنے جمع کیا اور اُن سے ایک قول "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ
 قَالُوا بَلٰی" کا عہد لیا تو وہ یقیناً زمین کا عہد نہیں ہے اور وہ یقیناً وجود بدنی نہیں ہے۔ اب اس
 صورت میں ہمیں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ وجود جو روحی ہے وہ اللہ نے ضرور کسی ایسے مقام میں جس کو
 اللہ خود ہی جانتا ہے کم از کم میں اُسے نہیں جانتا مگر جب وہاں اسکی تکمیل مراتب کر لی اور جو اُسکا
 اندازہ تھا اور جو اسکے قوانین تھے وہ اُسے دے دینے تو پھر یہ لازم سمجھا کہ میں اسکو زمین پر بھی
 انسانوں کی testing کیلئے بھیجوں۔ اگر آپ قرآن کی اس آیت پر غور کریں: "نَبِّیِّهِ" کہ میں
 اُسے آزمائوں گا اور جانتا چاہوں گا کہ یہ اب کیسے behave کرنا ہے۔ نَبِّیِّهِ کے لفظ میں
 انسان کے اُس gene کا آسمانوں سے زمین پر امتزاج محفوظ ہے اور اُس prototype کا یا
 اُس روحی وجود کا جو اللہ نے اس کائنات سے بلا لیا جس جگہ کو وہ خود جانتا ہے وہاں بنایا اُس کے بعد
 اس لفظ "نَبِّیِّهِ" کیلئے اُسے زمین پر اگلا شروع کیا اور اس processing (عمل) میں کچھ
 اپنے justice (انصاف) کو بھی واضح کرنے کیلئے اس نے تمام انسانی حقوق کی
 production (پیدائش) زمین پر کی اور اس سے اُسے غروب اور پر واز چڑھایا تو بظاہر انہیں
 قطعاً کوئی اختلاف سلئے نہیں لگتا کہ جب آپ مہربانے ہیں تو خدا یہ کہتا ہے کہ جنت اور دوزخ میں
 بھی آپ کو نئے وجود دینے جائیں گے، خاص طور پر دوزخ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ایک
 وجود کسی اذیت کا عادی نہ ہو جائے اور وہ کم اذیت میں نہ جا پڑے اس لیے وہ کہتا ہے کہ ہم ہر مرتبہ
 اس کا وجود بدل دیں گے تو اگر آپ دیکھیں تو یہ تین وجود بننے ہیں جو انسان کیلئے تیار ہوتے ہیں۔
 ایک وہ وجود جو فرحت و انبساط کیلئے جنت میں دیا جائے گا اور ایک وہ وجود ہے جو اذیت و کرب و
 بلا کیلئے جہنم میں دیا جائے گا۔ ایک وہ وجود ہے جو ابتلا و آزمائش کیلئے زمین میں دیا جائے گا۔

سوال: آپ نے جو انسانی ارتقاء کی منازل بیان کی ہیں اس کو قرآن پاک سے کیسے سمجھا جائے
 یعنی حضرت آدم سے قبل انسان کا زمین پر وجود کیسے ثابت ہوتا ہے جبکہ قرآن حضرت آدم کو
 زمین پر پہلا انسان کہتا ہے اور آپ کے بیان سے حضرت آدم کے ماں باپ کے وجود کا گمان ہوتا
 ہے؟

جواب: اصل میں بات یہ ہے کہ ایک جگہ کہتے ہیں کہ زمین سے اگلیا۔ اولاد آدم زمین سے ہے۔
 پیدائش زمین سے کی گئی ہے۔ پھر یہ بھی کہا کہ میں نے تمہیں "نفس واحد" سے پیدا کیا۔ یہ تو کہا
 کہ تم کوئی قابل ذکر شے نہ تھے۔ یہ ساری باتیں ایک طرف ہیں اور دوسری طرف اللہ کہتا ہے کہ

میں نے آدم کی پشت سے اسکی ذریت کو جمع کیا اور پھر اُن سے عہد و پیمان لیے جو یقیناً اس آدم کی حالت میں نہیں تھے یعنی اگر آپ کو اور مجھے یاد ہو کہ ہم نے اللہ کو کوئی ایسا وعدہ دیا تھا..... مجھے تو یاد ہے کہ اس زندگی میں تو مجھے کچھ پتہ نہیں، میں نے تو ایسا کوئی وعدہ اللہ کو نہیں دیا تو میں کتنی آسانی سے بچ نکلوں گا مگر وہاں تو مٹا ہے کہ اللہ کسی حال میں بھی اس وعدے کو معاف نہیں کریں گے اور ہمیں یاد کرائیں گے اور یاد دلائیں گے کہ یہ وعدہ تم نے کیا تھا تو میں آسانی سے اپنی حالت پر گمان کرتا ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ پیدائش سے لے کر اب تک میں نے اس قسم کا کوئی وعدہ اللہ میاں سے نہیں کیا۔ مگر کوئی ضروری ایسی کیفیت مجھے پہ گزری ہے اسی لئے انسان کو شروع سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ازلی نہیں ہے مگر اپنی ضرورت ہے۔ Man is eternal یہ شروع سے نہیں مگر یہ آخر تک جائے گا۔ تو ظاہر ہے کہ جب سے ہماری روح پیدا کی گئی ہیں۔ اُن میں billion years of (کروڑوں) سالوں کے وقفے ہم پر گزرے ہیں۔ مگر ہم اُس حیات کو نہیں جانتے۔

شیخ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ عارف اور صوفی وہ ہے کہ جو اپنے شوق اور مجاہدہ کی وجہ سے اپنے اسوقت کو دیکھتا ہے۔ جب ابھی وہ روحی وجود میں تھا اور پھر اُسکے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر ہمارا روحی وجود ہے تو پھر قرآن کی ساری آیات میں بڑی اچھی مطابقت ہو جاتی ہے کہ جو باتیں ہمارے بارے میں ایک side پر قرآن بیان کرتا ہے وہ روحی وجود کی ہیں اور جو دوسری طرف بیان کرتا ہے وہ زمینی وجود کی ہیں اور ہمیں transference (منتقلی) کہتے ہیں یہ دونوں وجود ایک وجود میں جمع کیے گئے آدم کی صورت میں۔ اس سے بالکل proto type of Adam (انسان کا ابتدائی نمونہ) بن گیا بلکہ جو زمین سے وجود اٹھایا جا رہا تھا۔ اس میں نہ عقل تھی نہ شعور تھا اور وہ بڑی مدتوں تک ایسے تھا:

”هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا“

(تو انسان ضروری نہیں کہ آدم ہو مگر آدم انسان تھا)

سوال: یہ سمجھ لیا جائے کہ growing mind (ارتقاء پذیر ذہن) کا عروج محمد ﷺ تھا اور اُس سے پہلے اللہ تجربات کر رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ محمد ﷺ کے دنیا سے جانے کے بعد کیا کر رہے ہیں؟

جواب: حضرات گرامی! بڑا خوبصورت سوال ہے مگر اس کا بڑا سادہ سا جواب ہے جیسے میں نے آپ سے کہا کہ معیار کبھی اختتام پر مقرر نہیں ہوتے۔ peaks (چوٹیاں) ضرور نیچے اترتی ہیں

اور کسی بھی چوٹی کی دوسری طرف زوال کی ہوتی ہے۔ خداوند کریم نے پیغام کو اس لیے bit by bit دیا، تھوڑا تھوڑا کر کے دیا کہ اللہ کی نظر میں انسانی ذہن اُسوقت mature (پختہ) نہیں ہوا تھا کہ مکمل ترین پیغام کو قبول کرنا اور یہ ہمیں تاریخ نے بھی اور بنو اسرائیل کی زندگی نے بھی اور دوسری اقوام عالم کی زندگیوں نے بھی بتایا ہے کہ وہ بار بار خوف و ہراس کی رجعت میں پڑتے تھے۔ معبودانِ باطل کو جاتے تھے اور اُس vision of God (خدا کے ثبوت) کے نہ ہونے سے اُن کو بار بار اشتباہ و خداوند کا اشکال ہوتا تھا۔ حضور گرامی مرتبت کے زمانے تک پہنچے ہوئے انسانی ذہن نے اس میں بہت سے ادوار سے گزرا اور حضور گرامی مرتبت کے زمانے تک پہنچ کر اس کی capacity (گنجائش) اتنی mature (پختہ) ہو گئی تھی کہ اب وہ ایک مکمل پیغام اور ایک مکمل عقل کے طریقے کو قبول کر سکتا تھا۔ عقلی و دینی capacity ہم آہنگ ہو گئی تھی اس لیے پروردگار نے یہ پیغام دیا جو اگلے تمام زمانوں تک اور قیامت تک کالائیک عمل تھا اور قابل عمل تھا۔ میں نے اس لئے آپ کو چند ایک وجوہات بتائی تھیں جو جدید مفکرین کی ہیں مگر وہ عقل و معرفت میں اللہ کے رسول ﷺ سے آگے نہیں بڑھتے۔ میں نے پہلے آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ دیکھئے ایک جدید ترین فلاسفر جو ایک صدی کا مزد ہے وہ اپنے ارشادات میں فرماتے ہیں کہ We only know the relationship of things, we do not know the nature of things. کہ ہم صرف اشیاء کے تعلق کو جانتے ہیں اشیاء کی فطرت کو نہیں جانتے۔ مگر آج سے چند سو برس پہلے محمد رسول ﷺ فرما رہے ہیں کہ ”الْأَشْيَاءُ بِحَقِيقَتِهَا“ کہ (اے اللہ مجھے اشیاء کی حقیقت کا علم دے۔) اگر آپ غور کریں تو اس ذہن کی maturity (پختگی) دیکھیں جو وہ دھاما گم رہے ہیں اور اس ذہن کی maturity دیکھیں جو دورِ حاضر میں یہ بات کہہ رہا ہے کہ We only know the relationship of things. We do not know the nature of things. یہ لارڈ رسل کا comment (قول) ہے۔ یعنی brain پھر کبھی اُس درجہ کمال تک نہیں پہنچا جہاں حضور ﷺ کا تھا اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ پھر کبھی وہ اعتدال دنیا کے کسی فرد بشر میں دیکھنے میں نہیں آیا جو محمد رسول ﷺ میں تھا۔

سوال: آپ نے فرمایا کہ انسان مختلف درجات میں ارتقاء کی منازل سے گزرتا رہا ہے جبکہ اللہ نے قرآن میں کہا ہے کہ ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ“ یعنی ایک

constant (مستقل) معیار مقرر کر دیا ہے انسان کی تخلیق کا تو کیا اس سے اس theory کی نفی نہیں ہوتی کہ کم از کم وہ انسان جس کا قرآن میں ذکر ہے یا جس سے تہذیب کا واسطہ ہے مختلف درجہ استوار تھا۔ میں سے نہیں گذرا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ”أَحْسَنَ تَقْوِيمٍ“ ہی پیدا ہوا اور اب تک اسی حالت میں ہے؟

جواب: نہیں صاحب! یہ term ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ“ اس وقت تک explain نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی دونوں سائیڈوں پر arrows (--->) نہ پڑے ہوں۔ یہ balance (توازن) کی آیت ہے۔ ”أَحْسَنَ تَقْوِيمٍ“ کا مطلب ہے کہ یہ میزان اور عدل میں ہے، یہ متوازن ہے، یہ ہر اندازے سے درست کیا گیا ہے۔ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے کمتر اندازے بھی موجود ہوں اور اس سے بہتر اندازے بھی موجود ہوں تو اگر آپ دیکھیں تو زمین کی تمام مخلوقات میں انسان ”أَحْسَنَ تَقْوِيمٍ“ نہیں ہے بلکہ ”أَشْرَفَ المخلوقات“ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر جانورانہ جہتوں سے گذرتے ہوئے، instinctive patterns of life سے گذرتے ہوئے انسان ایک اعلیٰ ترین حیوانی جبلت سے گذرتے ہوئے ایک انسانی شرف تک پہنچا تو ایسے انسان کو ہم متوازن یا اعلیٰ ترین تناسب نہیں کہیں گے بلکہ اس کو ”أَشْرَفَ المخلوقات ارضی“ کہیں گے تو پھر دوسری side (طرف) کدھر گئی؟ اصل میں خدا دونوں طرف سے تجربات حیات کرنا چلا آ رہا تھا۔ ایک طرف (جیسے میں نے پہلے آچکے حدیث سنائی تھی) ملائکہ کو، شیاطین کو، بہت ساری مخلوقات سنو اے کو پیدا کر رہا تھا اور دوسری طرف وہ زمین کی مخلوقات کو پیدا کر رہا تھا۔ ایک طرف روحی اور مادی وجود کو تخلیق کر رہا تھا اور ایک طرف ارضی اور جنلی وجود کو تخلیق کر رہا تھا تو جب وہ یہ کہتا ہے کہ ”قَسَى أَحْسَنَ تَقْوِيمٍ“ تو اس کا اشارہ یہ ہے کہ یہ آسمانوں کی نوری مادی اور زمین کی جنلی دونوں قسم کی تخلیقات کا بہترین تناسب ہے اور یہ ”أَحْسَنَ تَقْوِيمٍ“ ہے۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں بنتا کہ وہ ایک totality (مکمل حالت) میں ایسے پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لیے یہ ساری scientific (سائنسی) بات میں نے بتائی کہ انسان ہر ”دور تقویم“ سے گذرنا ہوا ”حساب و میزان“ سے گذرنا ہوا بلا آخر کتاب کا اعلیٰ قرار پایا اور نبوت کے شرف سے مستفید کیا گیا۔ اسی طرح ملائکہ سے بھی وہی کہانی دہرائی گئی۔ کیا آچکے یا نہیں ہے کہ علمی سیادت کی بناء پر شرف انسانیت کو معزز کیا گیا:

”وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ“

سوال: نبی ﷺ کے بعد کس اخلاوی فلاسفر نے تقدیر کی بہترین تعریف کی ہے اور وہ کیا تعریف ہے؟

جواب: میں اصل میں Leibniz کی theory (نظریہ) میں scientific determinism (عقیدہ حیرت کا سائنسی پہلو) کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ اپنی theory میں اسلام کے تصور قدر کے بہت قریب پہنچا ہے اور اس نے کہا کہ All determinism is a very scientific process (تمام حیرانہائی سائنسی عمل ہے۔) (انہائی سائنسی نقطہ نظر سے ایک لمحے کو ایک زمانے کو ایک مقام میں جو زمانی تقدیر ہے۔ اصل میں ہم جبار کا جو اصل مطلب ہے وہ جوڑنے والا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اسے اشارہ کیا ہے کہ پوری زندگی اور کائنات میں ایک لمحہ زمانہ ایک situation (صورت حال) سے جڑا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اسکی وضاحت یہ ہوگی کہ اس وقت اس عالم میں بہت سارے لوگوں کا زمانہ ایک situation میں جڑا ہوا ہے تو حیرت قدر کی یہ بہترین وضاحت تھی۔ اس سے پہلے لوگوں نے اسے تین صورتوں میں قید کر دیا کہ جو نکلا ہوا ہے وہ ضرور ملے گا۔ جو نہیں نکلا ہوا وہ بالکل نہیں ہوگا۔ دراصل یہ حیرت کی کوئی صورت نہیں۔ حیرت مطلق کی صورت یہ ہے کہ اگر اللہ نے زمان و مکان میں اشیاء کو مختلف انداز سے جوڑا ہوا نہ ہو تو کوئی بھی صورتیں عمل پذیر نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً اگر اللہ ان کے زمانوں میں تھوڑا فرق ڈال دے۔ اگر ان کے اوقات میں تھوڑا فرق ڈال دے تو کوئی یہاں نہیں آ سکتا اور فرض کیجئے کہ اگر زمانوں میں وہ فرق نہ ڈالے اور مکان میں تھوڑا سا فرق ڈال دے تو پھر بھی کوئی یہاں نہیں پہنچ سکتا۔ Leibniz کہتا ہے کہ زمان و مکان کو یا ایک لمحہ زمانہ کو ایک مقام میں جو زمانی حیرت ہے۔

سوال: باقی کائناتوں میں message (پیغام) کس طرح deliver (پہنچا) ہوا ہوگا۔ یعنی h which shape? (کس شکل میں)۔

جواب: اگر آپ نے حدیث رسول ﷺ پر دھی ہو..... بلکہ Quantum (کوانٹم) کے experiments (تجربات) یہی ہیں کہ ایک ایٹم کو مختلف جگہ پر functional (عمل پذیر) دیکھا گیا ہے۔ latest quantum (جدید کوانٹم) کی theory (نظریہ) بھی یہی ہے کہ ایک ہی ایٹم کو مختلف مقامات پر functional دیکھا گیا ہے۔ یہ بات scientific (سائنسی) ہے اگر آپ religiously (مذہباً) دیکھئے تو آپ کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اُسکے

پیچھے بھی کوئی اصول ہو سکتا ہے کہ ایک وقت میں ہزاروں لوگ مرتے ہیں اور قبروں میں دفن ہوتے ہیں اور وہ شرق و مغرب میں دفن ہوتے ہیں پھر ان کو ”رسول اللہ ﷺ“ دکھائے جاتے ہیں۔ پھر یہ پوچھا جاتا ہے کہ اس مرد کے بارے میں کیا کہتے ہو تو اسکی صرف ایک ہی صورت موجود ہے کہ ہمارے زمان و مکان سے انتہائی سرعت آفرین کوئی اور زمان و مکان بھی ہے کہ جس زمان و مکان میں حضور گرامی مرتبت ﷺ موجود ہیں اور عین ممکن ہے کہ ان کی تریکچر اس طرح سے ہوں کہ جب حضور ﷺ اس زمین پر گزر رہے ہوں تو وہ کسی دوسری زمین پر بھی گذر رہے ہوں۔ یہ اسلیئے ممکن ہے جیسے میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ quantum (کوانٹم) یہ کہتی ہے کہ ایک ایٹم ایک جگہ بھی موجود ہو سکتا ہے اور دوسری جگہوں پر بھی موجود ہو سکتا ہے اور سائنسز میں آگے بڑھتے ہوئے میں یہ دیکھتا ہوں کہ ابھی جو نئے scientific نظریات ہیں ان میں یہ پرانے سارے concept (نظریات) بدل جائیں گے۔ ابھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کائنات four dimensional (چار جہتی) نہیں ہے بلکہ ستاروں کی جو movements (حرکات) اب دریافت ہوئی ہیں ان میں بہت سی نئی جہتیں بہت سی نئی dimensions (پیمائشیں) دریافت ہوئی ہیں تو کائنات کے لحاظ سے اب کائنات اتنی وسیع تر ہو گئی ہے کہ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ چیز ناممکن ہے یا نہیں ہو سکتی، یہ بذات خود ناممکن بات ہو چکی ہے۔

سوال: آپ نے ایک پورا thesis develop (نظر یہ تعمیر) کیا کہ انسان جب intellectually under developed (یعنی طور پر ترقی پذیر) ہوتا ہے اور اپنی جہتوں کی زیادہ پیروی کرتا ہے تو پھر اسکی جگہ پر ایک بہتر قوم یا ایک بہتر گروہ آ جاتا ہے اور بلا آخر دین کی تکمیل اس وجہ سے ہو گئی کہ وہ جو generation (نسل) موجود تھی وہ intellectually (ذہنا) بہترین تھی۔ بہترین عقل کے لوگ تھے۔ اب یہ ہے کہ ہم بھی جہلت اور عقل کی اسی کشمکش میں ہیں۔ اس وقت جو ہم یہاں حاضر ہیں یا اس وقت اس globe (دنیا) میں جو انسان بستے ہیں وہ بھی اسی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اپنی جہتوں کو follow (پیروی) کر رہے ہیں، اپنی عقل کے ساتھ پھر ان جہتوں سے لڑ رہے ہیں یا اپنی عقل کو ان جہتوں کی خدمت میں لگا دیا ہے تو اسل بات پر وفیر صاحب سے پوچھنے کی یہ ہے کہ جب آپ دین کی تعلیم دیتے ہیں تو پھر منظم انداز میں ہمیں بتائیں کہ انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک ہم اپنی دینی عقل سے یا رسول اللہ ﷺ نے جو معیار مقرر کر دیئے ہیں ان کے ذریعے سے اس سارے فتنے اور امتحان کے

دور میں کیسے لڑیں؟ اپنی منزل تک کیسے پہنچیں؟ شیخ تو آپ دے دیتے ہیں لیکن اسکے بعد کیا ہے؟

جواب: شاید بہت سے لوگوں کو مجھ پر یہ بھی اعتراض ہے بلکہ کئی بڑے قریب کے دوستوں نے یہ اعتراض کیا کہ پروفیسر صاحب علم کی اور جدید علوم کی بڑی بات کرتے ہیں اتنی شاید قدیم علوم کی بات نہیں کرتے مگر میری زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ میں اُس وقت تک قرآن کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوا جب تک کہ میں نے مکہ حد تک تمام علوم قدیم و جدید کی تحصیل نہیں کی۔ یہ بات میں کوئی عقیدت سے نہیں کہہ رہا۔ میں نہیں سمجھتا کہ مجھے قرآن کی کوئی آیت properly (مناسب طور پر) سمجھ آتی اگر میں نے researches, biological نہ دیکھی ہوتیں اور علم الانسان کی تحقیقات نہ دیکھی ہوتیں یعنی میں ایک معمولی سی آیت میں ہی آپ کو بتا دوں کہ اگر میں نے آئن سٹائن کی theories (نظریات) نہ پڑھی ہوتیں یا اُن سے آشنا نہ ہوتا۔ expansion of universe (کائنات کا پھیلاؤ) نہ پڑھی ہوتیں تو میرا خیال ہے کہ میں قیامت تک اللہ کی یہ سادہ سی آیت نہ سمجھ سکتا کہ:

”وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ“

(ہم نے زمین و آسمانوں کو اپنے قوت بازو سے، اپنی طاقت و علم سے بنایا اور ہم اسے وسعت دے رہے ہیں) میرا خیال یہ ہے کہ علم ایک ایسی حقیقت ہے کہ خواہ وہ ایک ذرہ ہو یا زیادہ مقدار میں وہ انسان کو کسی نہ کسی شعور سے آگاہ کرتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ علم جنت ہے اور جہالت جہنم ہے۔ ایک بات نہ سمجھ آئے تو اُس بات کے سمجھ آنے سے جو چنی فرحت و خوشی نصیب ہوتی ہے وہ بالاترین جنت کے حصول میں بھی نہیں ہوتی اور اسی لیے جب آپ اسی علمی کاوش سے، اسی تحقیق سے اپنے خدا کا شعور حاصل کرتے ہیں تو اس سے بہتر کوئی understanding (سمجھ) نہیں ہوتی اور اسی لیے شاید پروردگار کے رسول ﷺ نے جتنا زور علم پر، سمجھ پر اور فہم و فراست پر رکھا اتنا شاید کسی اور چیز پر نہیں رکھا۔ البتہ اعمال کی نوعیتیں دو ہیں کہ یا تو اعمال نیت کے بغیر کیے جاتے ہیں یا اعمال کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ اعمال اگر نیت کے بغیر ہو گئے تو وہ محض ایک شرعی تقلید ہے جسکو شاید دنیا میں کسی نے پسند نہیں کیا اور جب قرآن نے یہ کہا:

”مَّا أُنزِلَ عَلَيْكَ الْقُرْآنُ لِيَشْفِيَ“

کہ ہم نے قرآن کو مشقت کیلئے نہیں اتارا تو پھر یہ ایک حرف آخر ہر اُس فہم و فراست والے انسان

کا ہونا چاہیے کہ ہم اپنی طبیعتوں اور دوسری طبیعتوں پر اتنا دباؤ نہ ڈالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے معاذ! کو چاہتا ہے کہ لوگ اللہ کے دین سے نکل جائیں۔ تم لمبی قراءت کرتے ہو، یہ نہیں خیال کرتے کہ پیچھے بچے اور بوڑھے ہوتے ہیں“ پھر فرمایا کہ ”صحیح متواتر نہ کیا کرو۔ لوگ کتاب نہ جائیں۔“ قرآن جب دل نہ چاہے تو نہ پڑھا کرو۔ حضور ﷺ کے نزدیک نماز اور قرآن سے کوئی بہتر چیز ہو سکتی ہیں مگر انسان کے نفسی اور جبلتی رجحانات میں جو reactive (رد عمل) اور تاثر کے attitudes (رویے) ہیں۔ ان کو guard (حفاظت) کرنا وہ بڑا لازم سمجھتے ہیں اور یہ صرف ذہانت اور عقل سے ہو سکتا ہے۔ جب اصحاب رسول ﷺ میں سے ایک نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میرے دل میں ایسے دھو سے آتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے چیلینس نوچ کھائیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم انگو زبان پر لانا برا سمجھتے ہو“۔ فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم اہل ایمان ہو۔ اگر آپ غور کرو تو اتنا خوبصورت طرز عمل، اتنا معتدل، اتنا نرم طرز عمل prophet (پیغمبر) دے رہا ہے کہ یہ میری فطرت کے عین مطابق ہے۔ میں نے اسلام کو غدبہ نہیں چنا۔ میں نے اسلام کو choice of thought کے طور پر چنا ہوا ہے۔ مجھے اس سے بہتر اس سے خوبصورت اس سے زیادہ معتدل نظریہ اس پوری سطح ارضی پر نظر نہیں آیا۔ And this is the feeling I want to convey to my friends. (یہ وہ احساس ہے جو میں اپنے دوستوں تک پہنچانا چاہتا ہوں) اور یہ جو نتیجہ الہی ہے شاید یہ اسی تمام data (معلومہ بات) میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اللہ کے بقول جب تم نماز پڑھو گے تو اس میں تمہاری بہتری ہے۔ اور وہ وہی ہے آگاہی میں تمہاری بہتری ہے مگر جب یاد کرو گے تو یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ ”أَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مِنَ الْكِتَابِ“ کتاب کی تلاوت کرو ”وَأَقِمِ الصَّلَاةَ“ اور نماز قائم کرو۔ ”أَنِ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ“ ولذا ذکر اللہ اکبر۔ مگر ہماری یاد تو بہت بڑی ہے۔ routine (تسلل) سے آگے گزرتا ہوا، تواتر و متواتر سے آگے گزرتا ہوا آپ کا مذہب ایک کائناتی محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ It's a love religion۔ یہ محبت و اخلاص کا مذہب ہے۔ بہترین رجحانات کا مذہب ہے۔ اتنی خوبصورت approach (رسائی) کسی پیغمبر، کسی فلاسفر، کسی دانشور نے نہیں دی۔ کسی مارکس نے نہیں دی، نیگل نے نہیں دی، کانت نے نہیں دی، کسی برگساں نے نہیں دی یہ اس شخص نے ہمیں دی ہے کہ جو زندگی کا آغاز بہترین محرومی سے کرتا ہے۔ مجھے

Psychologically (یعنی طور پر) آپ سوچ کے بتائیں کہ وہ کونسا شخص ہے کہ جواب آپ سے تو پیدائش سے پہلے ہی محروم ہو جائے، جو اس سے پیدائش کے کچھ دیر بعد محروم ہو جائے، جو جس شخص پر آ سرا کرے اس سے چھین لیا جائے۔ ہزاروں complexes (پیچیدگیاں) ایک ایک چیز کی محرومی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس کا بچپن حسرت میں گزرا، جس کی جوانی حسرت میں گزری، جس کا لباس مفقود، جس کا رزق اتنا کم جتنا آج کے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے اور وہ شخص ان محرومیوں کے جواب میں، ان محرومیوں کو اپنے تن و باطن میں سمیٹ کر خلق کو ایک ”خلق عظیم“ عطا کر رہا ہے۔ محبت کا ایک سمندر موجزن ہے جو نہ صرف اپنے عہد کے انسانوں کو پہنچتا ہے بلکہ قیامت تک ہر اس انسان کو پہنچتا رہے گا جو حبیب رسول ﷺ رکھتا ہے۔۔۔۔۔

سوال: کلوننگ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر فرشتے غیر ارادی حقوق ہیں تو پھر ابلیس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیوں کیا؟

جواب: دوسرے سوال کا جواب مختصر ہے کہ شیطان فرشتہ نہیں ہے، یہ جن ہے اور فرشتوں کی بناوٹ اگر تمام تر تسلیم و رضا پر مبنی ہے تو شیطانوں میں اللہ نے کچھ نہ کچھ شرارت کا پہلو رکھا ہے اور جس تعصب کی طرف شیطان کے تعصب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اس کا تخلیقی تعصب ہے اور بلکہ شیطان رجیم نے اس زمین کے لوگوں میں بھی سب سے پہلا جو تعصب دیا وہ اس کا نسلی تفاخر کا تعصب ہے حالانکہ اگر ہم ابتدائے عالم سے انسان کو دیکھتے ہیں تو انسان اتنے معمولی concept سے اوپر اٹھا ہے کہ اس میں کسی شخصی تکبر کی گنجائش نہیں بلکہ تمام تر انسان کی نسلوں ان کی climatic change (موسمی تبدیلیوں) سے مرتب کی گئی ہیں۔ اگر کسی کو Mangolian (منگولین) کہا گیا ہے تو اس کے climatic اثرات سے کہا گیا ہے ورنہ انسانوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی فرق نہیں، نہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں فرق ہے اور اگر کوئی فرق ہے تو عقل و شعور کا ہے کیونکہ تقویٰ کی بنیاد عقل و شعور پر ہے۔ اس لئے شیطان میں اس قسم کا شر ہونا کوئی ایسی ناممکن بات نہیں ہے کیونکہ ان کی تخلیق میں اس قسم کا ایک element (عنصر) موجود ہے جیسے ابھی میں نے آپ کو ایک حدیث سنائی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں اللہ نے لفظ ”گئی“ سے پیدا کیا۔ اس لئے اگر ”گئی“ کو دیکھیں تو یہ ایک اختیار کی بات نہیں بلکہ یہ ایک technology کے تحت پیدا ہوئے۔ اس (تکنیک) technology میں جو اوصاف رکھے گئے ہیں جیسے ایک فرشتے نے اقرار کیا کہ جب آدم کو ظلم سکھایا گیا اور ساتھ فرشتے کو سکھایا

گیا تو آدمؑ نے تو اسکا بہت کچھ بنا لیا کیونکہ اس کی technology میں learning, experience, memory (تجربہ، یادداشت، علم) اور تجسس موجود تھا مگر فرشتوں کے جواب میں انکی ساخت کی تحقیق کی نوعیت موجود ہے: ”مُبْعَدُكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْنَا“..... ہمیں تو اس چیز کے سوا کوئی علم نہیں ہے جس کا data (اعداد و شمار) تو ہمیں نہیں دیتا۔

(All aliens are data fed) فرشتوں کی بنیاد تسلیم و رضا پر رکھی گئی ہے اور شیطان میں اختلاف کی گنجائش رکھی گئی تھی اسلئے اس نے اختلاف کیا۔

کلوننگ کی شرعی حیثیت اس حد تک تو قطعاً جائز ہے کہ جیسے اگر کسی heart transplantation (دل کی پیوند کاری) میں کوئی دوسرا دل لگایا جاتا ہے تو اس کا خون اُسے قبول نہیں کرنا یا کسی عضو کی transplantation میں یا blood (خون) کی transplantation کی حد تک تو اللہ تعالیٰ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے نہ کوئی اس قسم کا اعتراض واقع ہوا ہے جیسے ایک شعر ہے، کتاب ہے، مآول ہے، افسانہ ہے، تو اس کے وجود و اثرات ہیں کہ کلوننگ کو کون استعمال کرنا ہے اور کس کیلئے کرنا ہے..... کلوننگ اگر نفع انسانی کیلئے، replacement کیلئے (جگہ بدلنے کیلئے) استعمال ہوتی ہے تو یہ بالکل اُسی طرح ہے جیسے ہمارے ہاں ٹی وی کی پروگرامنگ ہے۔ اگر یہ پروگرام فلاح و بہبود کیلئے استعمال ہوتے ہیں تو اچھے ہیں۔ ٹی وی بذاتہ خود تو کوئی شے نہیں۔ کلوننگ تو ایک technique (فن) ہے، ایک سائنس ہے۔ اگر اس کو بہتری، انسان کیلئے استعمال کیا جاتا ہے تو وہ خدا کے فضل کے سائے تلے ہے اور اگر نہیں کیا جاتا تو شیطان بھی تو موجود ہے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ کو انسان کی توانائی اور کمزوری کا اندازہ ہے تو اُس نے اس باتوں پر اتنا بوجھ کیوں ڈال دیا جسکو پہاڑ بھی اٹھانے کے متحمل نہیں ہو سکتے؟

جواب: میں نہیں سمجھتا کہ انسان کو اللہ کمزور سمجھتا ہے بلکہ اُس کا تو اعلان یہ ہے کہ یہ حقوق اتنی طاقتور و اعلیٰ ترین ہے کہ میں اس کو خلافتِ ارض و سموات سوپنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان سے زیادہ معزز، بہتر اور طاقتور کوئی حقوق نہیں ہے اور نہ کسی اور کو یہ شرف حاصل ہے۔ باقی جس آیت میں یہ ذکر کیا گیا: ”إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا“ اُس میں انسان کی ایک اور خصلت کا ذکر کیا جو صرف طاقت سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی تکبر اُت کے تحت انسان نے دعویٰ کیا کہ یہ بڑی

معمولی سی بات ہے۔ مجھ میں تو بے پناہ capacity of mind (یعنی صلاحیت) موجود ہے۔ بڑی آسانی سے میں اپنی ترجیحات متعین کر لوں گا اور جو عقل و شعور مجھے اللہ نے بخشا ہے اس سے اللہ کو بچھنا بھلا کیا مشکل ہے۔ اصل میں اس نے کبریات کے تحت اپنے ذہن کی اہلیت کو تو سمجھا مگر ترغیبات کے تحت اپنی کمزوری نہ جان سکا اسلئے خدا نے کہا کہ:

”اِنَّكَ كَانْتَ ظَلُمًا جَهْلًا“

سوال: ایک بہن کی طرف سے سوال ہے کہ آج پہلی مرتبہ آپ کے ارشادات سننے کا شرف حاصل ہوا۔ آج کل میری حالت اس شخص کی مانند ہے جو بے آب و گیاہ جنگل میں کھڑا ہو جہاں جہالت و غفلت کے ساتھ طوفانِ باد و باراں بھی ہو۔ شیطانی و انسانی وار یہ سب میرے دشمن ہیں مجھے اپنی ذات اور اپنے اہل خانہ کا دفاع کرنا مشکل لگ رہا ہے۔ یہ بھی علم میں ہے کہ حقیقی محافظ بھی ہمہ وقت میرے ساتھ ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا انسانی وار (سحر) کو روکنا جائز ہے اور کتاب و سنت کے مطابق اس وار کو روکنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: اصل میں جو بھی باتیں محترمہ آپ نے پوچھی ہیں اس میں بہت سے الفاظ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں جیسے کہ انسانی وار اور سحر، اسی طرح شیطان اور انسانی وار۔ یہ ایک understanding (سمجھ بوجھ) کی خطا ہے۔ ایسا حقیقت میں بالکل نہیں ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ آپ اپنی کوششوں کے باوجود ایک کیفیت سے نجات نہیں پا رہیں اور باوجود اتنی ساری کوششوں کے آپ کو ایک گنگنا situation (پہچیدہ صورتحال) سے نجات نہیں ہو رہی تو یہ کسی انسان کے بس کی یا کسی شیطان کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ آپ کو اگر اللہ کی یا قرآن حکیم کی یہ بات یاد ہو:

”وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ“

(جیسے اللہ ضرر کے ہاتھ سے چھو لے تو اس گرہ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں کھول سکتا)

”وَإِنْ يَمْسَسْكَ بَعْضٌ مِّنْ شَيْءٍ فَلْيَبْزِغْ“ (۱۷:۶)

(اور جسے وہ خیر سے چھو لینا ہے تو وہی صاحبِ قدرت ہے)

خاتون محترم! ایسی تمام صورتحال میں دو حالات واقع ہوتے ہیں کہ جب کوئی مصیبت و ابتلاء آتی ہے تو ساتھ ایمان بھی جاتا ہے۔ اگر مصیبت و ابتلاء میں خدا کے سوا کسی اور چیز پر تکیہ کریں گے تو نہ صرف مصیبت ٹھہر جائے گی بلکہ ہمارا ایمان بھی ہاتھ سے جائے گا۔ اس لیے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے

قرآن میں فرمایا ہے میں بھی آپ کو advice (نصیحت) کر رہا ہوں کہ جب آپ پر کوئی اس قسم کی پیچیدہ situation (صورتحال) آئے، مصیبت آئے، بلا آئے تو جیسا اللہ نے کہا ہے:

”وَلْيَلْبِذُوا نَفْسَهُمْ مِنَ الْغُفْرِ وَالْجُودِ وَنَقْصُ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ
وَالضَّرَرَاتِ“

کہ بلا شہ نقصان سے، خوف سے، بھوک سے، ضرور ہم انسان کو تھوڑا بہت آزمائیں گے۔

”وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“

میرے سب سے بہترین بندے، سب سے اچھے بندے وہ ہیں جو مصائب و آلام میں مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور صرف اتنی ہی بات کہہ دیتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون کہ یہ سب کیفیات تو ذات میرے اللہ کی طرف سے آئی ہیں۔ انسانی دشمن بلا، جن یا بھوت کی طرف سے نہیں آئیں اور انشاء تعالیٰ العزیز اللہ ہی کو لوٹ جائیں گی اور میرا خدا مجھے اس سے نجات دے گا تو اگر آپ کا یہ طرز عمل ہو تو خدا نہ صرف آپ کو نجات دے گا بلکہ ایک وعدہ بھی فرما رہا ہے۔

”أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْتَخِرُونَ“

کہ آپ پر اللہ کی طرف سے صلوات و درود و رحمت ہیں اور آپ ہدایت یافتہ ہیں۔

سوال: انہوں نے جو سحر کی بات کی ہے اس سے عامۃ الناس کا بھی فائدہ ہوگا اس سلسلے میں کچھ فرمادیں کہ کیا واقعی سحر کا وجود ہے یا نہیں ہے۔ یا انسانی زندگیوں کو زیر و زبر کرنے کیلئے اس کا استعمال ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟

جواب: اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک practical observation (عملی مشاہدہ) اور دوسرا theoretical observation (نظریاتی مشاہدہ) کا پہلو ہے۔ نظریاتی مشاہدہ یہ ہے کہ واقعی سحر موجود ہے اور سحر کرنے والوں کا عرف ایک مقصد ہوتا ہے کہ تو جہات کو خدائے بزرگ و برتر اور قادر مطلق سے ہٹا کر کسی دوسرے ذریعے یا امداد کی طرف لگا دیں جو اگرچہ اس چیز کی قدرت نہیں رکھتا مگر سحر کے اثرات کے تحت انسان اسے اپنے حالات پر قادر سمجھتے ہیں اور اگر آپ سحر کی آیات پر غور کریں تو قرآن حکیم نے ان کا پورا خلاصہ دیا ہے۔

”وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَنٌ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسُ السَّحَرُ“

کہ حضرت سلیمانؑ نے کبھی کفر نہیں کیا مگر شیطان کفر کیا کرتے تھے اور کفر کی صورت یہ تھی کہ

”يَعْلَمُونَ النَّاسَ السَّحَرُ“ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے ”وَمَا أَنْزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ بَابِلَ“

ہاروت وماروت“ اور ہم نے حاروت وماروت کو اسلئے نہیں اتارا تھا کہ وہ ہم سے بغاوت کا اعلان کریں بلکہ وہ ابتلاء کی صورت میں لوگوں کی آزمائش کیلئے اتارے گئے، اُن کے اعتقادات کی آزمائش کیلئے اتارے گئے۔

”و ما يعلمن من احد حتى يقو لا انما نحن فتنة فلا تكفر“

اور جس شخص کو وہ سحر سکھاتے تھے یا اُس کے اثرات سے اُسے آگاہی دیتے تھے اس سے پہلے یہ بات کہہ دیتے تھے کہ دیکھو یہ negative powers (منفی طاقتیں) ہیں، یہ فکری طاقتیں ہیں۔ یہ اللہ کی نہیں ہیں۔ اگر انہیں مانو گے تو کفر کرو گے۔ اگر تم نے سحر سیکھا تو تم نے کافرانہ کام کیا۔ کیونکہ اس کی authority (اختیار) اور مجاز اللہ نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو اپنا علم نہیں کہا۔ یہ شیاطین کا علم ہے۔ شیاطین اسے سکھاتے ہیں اور سکھاتے کیا تھے۔ ”فیتعلمون منہما ما یغفرقون بہ بین المرء و زوجته“ لوگوں کو یہ سکھاتے تھے کہ تعویذ حب کیا ہے۔ تعویذ بغض کیا ہے۔ نقصان کے ہم مالک ہیں۔ میاں بیوی میں فرق ڈال دیتے تھے۔ پھر اس کے بعد ان کیفیات پر دو قسم کی اور technical کیفیات سحر کی وجہ سے وارد ہوتی ہیں ایک excessive repetition of the same idea in mind. (ذہن پر ایک ہی خیال کی گرفت) یعنی سحر یہ ہے کہ جیسے اللہ نے سامری کے ذکر میں ہمیں بتایا کہ وہ آنکھوں کو باندھ دیتے تھے اور خیال کو باندھ دیتے تھے۔ یہ vision control (نظر بندی) کرتے ہیں اور خیال control کرتے ہیں۔ یہ یاد رکھئے کہ اصل حالات میں ایسا کچھ نہیں ہو رہا ہوتا مگر جس نے آپ کا vision, control کر لیا آپ سامنے دیکھتے ہوئے بھی اُس بندے کو اُس شے کو جن اور بھوت سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ اصلیت نہیں ہوتی، سحر ایک فریب و گھیل پیدا کرنا ہے اور ایک فریب نظر پیدا کرنا ہے مگر یہ کتنے مفید اور کتنے مضر ہیں اس کے بارے میں پورے دیکار نے فیصلہ کیا۔ ”وینعلمون ما یضوہم ولا ینفہم“ تم ایسی بات کیوں سیکھتے ہو جس کا نہ نفع ہے نہ نقصان دراصل سحر کا اثر اور سحر کی کیفیت اُس درجے پر آ کے باطل ہوتی ہے یا اُس درجے پر آ کے مؤثر ہوتی ہے جہاں آپ اپنی زندگی، اپنے معاملات، اپنے خیالات کا وارث اور مالک خدا کی بجائے کسی اور ذات کو سمجھیں گے۔ جب آپ کی نظر اللہ سے ہٹ جائے گی اور تمام شیاطین اور سحر کی کارستانی یہی ہے۔ مگر جب لوگوں کو بات سمجھائی جاتی ہے تو کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ پر سحر ہوا تھا۔ رسول کرم ﷺ پر ابید بن ماحم کی بیٹیوں نے سحر کیا اور وہ سحر discover (دریافت) ہوا۔

حضرت جبریل امین اے لے کے آئے اور حضور ﷺ سے وہ سحر رفع ہوا۔ خواتین و حضرات ایک بات آپکو سوچنی چاہئے کہ Prophet is not only an intellectual وہ نہ صرف ایک اعلیٰ ترین ذہن ہے بلکہ اعلیٰ ترین معلم بھی ہے اور حضور گرامی مرتبت ﷺ نے بار بار اپنی حیثیت کو واضح کیا کہ ”اَنَا مُعَلِّمٌ“ کہ (میں استاد ہوں) ایک استاد کی سب سے بڑی صفت کیا ہے؟ حضور ﷺ اگر تمام عرب بھی سحر کی باتیں سناتے رہتے تو چونکہ حضور ﷺ کی خود ذات گرامی اُن کیفیات سے گزری نہ تھی اسلئے یہ exactly شاید پیغمبر کیلئے مناسب نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کیلئے یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ لوگوں تک ایسی کیفیت پہنچاتے جو انہوں نے صرف سوچی تھی اور خیال کی تھی اور جس میں سے وہ گزرے نہیں تھے اسلئے پروردگار نے سحر کو حضور ﷺ کی ذات گرامی میں demonstrate (ثابت) کیا کیونکہ اُس کیفیت میں جو رسول اللہ ﷺ پر گزری سب سے بڑی ہماری گواہی یہ ہے کہ جبریل امین اُس وقت بھی موجود تھے جب سحر ہوا اللہ اُس وقت بھی موجود تھا جب سحر ہوا تو اُن کی allowance (اجازت) سے ایک اثر حضور ﷺ کی ذات تک پہنچا اور پھر اسکی مدافعت کیلئے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو قرآن کی دو خوبصورت ترین آیات بخشیں ”قُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ“ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ“ یہ دونوں آیات حضور گرامی مرتبت ﷺ کو دفع سحر کیلئے بخشیں اگر حضور ﷺ پر سحر demonstrate (ثابت) نہ ہوتا تو دفع سحر یہ دو سورتیں نہ اترتیں اس لئے کہ حضور ﷺ قرآن کے شارع ہیں۔ حضور ﷺ قرآن کی وضاحت ہیں۔ ان دو سورتوں کی وضاحت صرف اُسی صورت میں ممکن تھی جو حضور ﷺ پر گزریں اسی لئے demonstration (اثبات) کو effect, factual (حقیقی اثر) نہیں کہتے۔ نہ کسی خبیث میں، نہ کسی جن میں اتنی طاقت تھی کہ حضور ﷺ پر کاہن پانا۔ حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک جن ہے اور ایک فرشتہ ہے۔ پوچھا گیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کا بھی جن ہے؟“ فرمایا: ”ہاں، مگر وہ مجھے ہدایت کی طرف دیتا ہے۔“

سوال: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اتنی محبت کرتے ہیں جو ایک ماں کی محبت کے مقابلے میں ستر گنا زیادہ ہے۔ جب ماں اپنے بچے کی بڑی سے بڑی مافرمائی معاف کر سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گناہ کیوں معاف نہیں کریں گے اور اُسے کیوں جہنم میں ڈالیں گے؟

جواب: آپ کی بات بالکل درست ہے مگر اُس میں صرف ایک شرط ہے کہ کوئی معافی مانگنے والا

ہو اور کوئی ایسا ہو جس سے معافی مانگی جائے۔ اگر آپ دو حاضر میں دو یا تین خدا لیے پھرتے ہیں اور آپ اصلی خدا سے معافی نہیں مانگتے۔ سیدہ مریم سے مانگ لیتے ہیں یا حضرت یحییٰ سے مانگ لیتے ہیں تو وہ جو اصل معافی دینے والا ہے۔ وہ یہ تو سوچے گا کہ میری طرف تو رجوع ہی کوئی نہیں کر رہا۔ مجھ سے تو معافی مانگ ہی کوئی نہیں رہا تو میں کس حساب میں معافی دوں۔ اس لئے approach کرنا، رجعت کرنا، توبہ کرنا..... یہ بندے کا حق ہے کہ وہ اس شخصیت کو اس ذات کو گرامی کو پیچا نے جس سے اس نے کچھ طلب کرنا ہے۔ فرض کیجئے کہ مجھے ایک ڈپٹی کمشنر سے کام ہے اور میں بار بار ایک ایس ایچ او کے پاس چلا جاؤں یا inspector کے پاس یا تحصیلدار کے پاس تو وہ تو ڈپٹی کمشنر کے دستخط نہیں کرے گا۔ وہ تو کھڑا ہی سوچے گا کہ The man doesn't come to me. Why should I? (یہ آدمی میرے پاس نہیں آتا تو میں کیوں دستخط کروں) یعنی دینے والا کبھی لینے والے کے پاس (سوائے اللہ کے) چل کر نہیں گیا but naturally (لیکن قدرتی طور پر) جب آپ authority forgiveness (معافی) نہیں مل سکتی۔

اب جس پروردگار نے آپ کا یہ معیار بخشش مقرر کر دیا ہو کہ جس نے دل سے ایک مرتبہ بھی ”لا الہ الا اللہ“ کہا اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی۔ تو کم از کم شرط تو یہی ہے کہ ”لا الہ الا اللہ“ تو کہیں گے۔ خدا کو تو پیچا نہیں گئے جیسے اس حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ ایک شخص کی تمام زندگی گناہوں میں گزری۔ اس نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد مجھے جلا دینا اور میری راکھ ہواؤں میں بکھیر دینا تو اللہ نے ہر شے کو ہوا کو، جہاں جہاں بھی اس کی راکھ گری حکم دیا کہ اس امانت کو میرے پاس حاضر کرو۔ جب اسے حاضر کیا گیا تو اللہ نے پوچھا کہ بھی کس بات نے تمہیں اس فعل پر مجبور کیا تو اس نے کہا: ”یا اللہ! اے پروردگار اتنا تو مجھے یقین تھا کہ تو ہے۔“ اللہ نے کہا: ”میں نے تمہیں بخش دیا۔“ اگر آپ غور کریں تو تمام باتوں میں ایک بنیادی بات جو موجود ہے اس کا آپ کو خیال رکھنا چاہیے یہی بات اللہ نے قرآن حکیم میں کچھ اس طرح سے کہی ہے:

”قُلْ يُعَاذِي الذِّينَ اسْرَفُوا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ“

کہہ دو میرے بندوں سے کہ جنہوں نے اپنی جانوں پر بڑا اسراف کیا، اپنی صلاحیتوں کو بے جا خرچا، بڑی مالاکیاں کیں، جو چیز اللہ کی شناخت کیلئے بچانی تھی، وہ شیطان کے درشن پر خرچ کر

دی۔ تمام تر شر اور فساد کے باوجود ایک کام نہ کرنا: لَا تُفْسِدُوا مِمَّنْ رَحْمَةُ اللَّهِ“ (میری رحمت سے مایوس نہ ہونا) اگر اس آیت کو غور سے دیکھئے تو سب سے بڑا گناہ یہ بنتا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔ یہ تمام گناہوں سے بڑا گناہ بنتا ہے اور وہ وہاں بالکل صاف ہے۔ وہ philosophical (منطقی) ہے۔ خدا کی رحمت خدا کے حساب سے ہے، لازوال اور لا انتہا۔۔۔۔۔۔ میرا گناہ میرے حساب سے ہے محدود اور کمزور۔۔۔۔۔۔ اب ایک محدود صفات والا، ایک محدود کارکردگی والا آدمی اٹھ کر یہ کہے کہ میں ایسا گناہگار ہوں کہ خدا مجھے معاف کر ہی نہیں سکتا تو That's too biggest sin. This becomes a direct insult to God. یہ خدا کی توہین ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میرے گناہ اتنے بڑے ہیں کہ اللہ مجھے معاف کر ہی نہیں سکتا کہ اُس کی رحمت میرے گناہوں سے چھوٹی ہے تو حضراتِ گرامی جب پروردگار یہ کہہ دے کہ میری رحمت سے مایوس نہیں ہونا۔ کیوں نہیں مایوس ہونا؟ وہ کہتا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ بِغَفُورٍ الدُّنُوبِ جَمِيعاً“ دیکھئے یہ totality (مجموعیت) ہے۔ یہ قانون ہے کہ میں total گناہ معاف کرنا ہوں۔ totality میں خطائیں معاف کرنا ہوں۔ ”إِنَّهُ غَفُورٌ ذَرِيعٌ“ کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ میں غفور الرحیم ہوں اور میرے لفظِ غفور میں ہی ساری کائنات کی مغفرت ہے اور میرے لفظِ رحیم میں ہی درجہ کمال ہے جس میں کوئی گناہ کوئی position (حیثیت) نہیں رکھتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان اس بات کو گناہ کی دلیل بنا سکتا ہے؟ technically speaking (فنی طور پر) آپ اس بات کو، خدا کی رحمت کو اپنے گناہ کی دلیل نہیں بنا سکتے۔ گناہ مجبوری اور اضطرار ہے اور یہ شعوری اور چنا ہوا راستہ نہیں ہے کیونکہ تمام شعوری، چنا ہوا گناہ کا راستہ خدا کی حاکمیت کی نفی کرنا ہے۔ ایک شخص جو مسلسل گناہ کے بعد مذمت نہیں محسوس کرتا اور insist (اصرار) کرتا ہے وہ لازماً خدا کی حاکمیتِ اعلیٰ کا انکار کرتا ہے۔ وہ لازماً خدا کے وجود سے انکار کرتا ہے چاہے وہ فتنی عقائد کیوں نہ رکھتا ہو۔ چاہے وہ زبان سے کتنا ہی قرآن کیوں نہ پڑھتا ہو۔ کتنی ہی حدیث بیان کیوں نہ کرنا ہو تو حضراتِ گرامی آیات کی تفسیر مطلق ہے۔ ابھی میں آپ کو پھر ایک اور حدیث سنا دوں کہ جب یہ حدیث گرامی آئی کہ جس نے دل سے ”لا الہ الا اللہ“ کہا اور مجھے اللہ کا رسول جانا تو اُس پر دوزخ بھی حرام ہو گئی تو صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ چاہے اُسے گناہ کبیرہ کیا ہو یعنی چاہے اُس نے زنا کیا ہو یا شراب پی

ہو۔ فرمایا: ”چاہے“۔۔۔۔۔ جب تیسری مرتبہ بوزڈ نے پوچھا تو حضور ﷺ نے کہا کہ تیری ناک خاک آلود ہو۔ چاہے کیا ہو یعنی؟ Why are you insisting? حضور گرامی مرتبہ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں اتنی بڑی رعایت اور خوشخبری دیتا ہوں تو Why are you insisting? (تم کیوں اصرار کر رہے ہو؟) یہ حال ان لوگوں کا ہوتا ہے کہ جو اپنے تصور میں خدا کی رحمت کو عاجز بنائے کر انہیں سمجھتے۔ Those who were again and again criticize that no, this cannot be happened. اور حضرات گرامی پندرہ حدیثیں بخاری اور مسلم میں اسی موضوع پر موجود ہیں۔ جب حضرت معاذؓ نے یہ حدیث بیان کی اور اس عذر کے ساتھ کی کہ میں دنیا سے رخصت نہیں ہونا چاہتا۔ مجھے احساسِ جرم ہوتا ہے کہ یہ حدیث جو میں نے سنی اور حضور ﷺ کی زندگی میں بیان نہیں کی مگر میں دنیا سے یہ حدیث بیان کئے بغیر رخصت نہیں ہونا چاہتا۔ اگر آپ غور کریں تو تمام مذہب ایک جہتی approach (رسائی) کا نام ہے۔ اعمال اس نیت سے سرزد ہوتے ہیں جو آپ اپنے ذہن میں پالتے ہیں اور اگر آپ کے ذہن میں خدا کی محبت اور قرب کی کوئی گھڑی نہیں آئی تو آپ کے تمام اعمال خواہ کتنے ہی عبادت سے مشابہت رکھتے ہوں بے کار ہیں اور اگر آپ خدا سے محبت اور انفس رکھتے ہیں تو ایک خاص feeling (احساس) کیلئے بعض اوقات انسان کو ہزاروں سال رہنا پڑتا ہے۔

اب ایک اور حدیث سنانا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زندگی میں جو کچھ بھی کر چکے ہو۔ مرتے وقت اللہ سے گمان اچھا رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری بدگمانی تمہیں اللہ سے دور کر دے اور عذابِ جہنم میں ڈال دے۔ تمام تر قرآن و حدیث کی آیات اور الفاظ و عمل دیکھنے کے پورے کا پورا قرآن اہل کفر کو جہنم کی وعید پر بھرا ہوا ہے مگر وہ کہاں کہاں کے تھے؟ مکہ کے۔۔۔۔۔ اسی locale (علاقہ) کے۔۔۔۔۔ ہر آدمی کو ہزار سنائی جا رہی ہے۔ ہر آدمی کو مار پیٹ کی خبر دی جا رہی ہے۔ ہر آدمی کو جہنم سنائی جا رہی ہے۔ کسی کو ”خسیس“ کہا جا رہا ہے کسی کو ”لعین“ کہا جا رہا ہے کسی کو ظالم کہا جا رہا ہے مگر جب فیصلہ آفر ہوا تو کتنے لوگ جہنم میں گئے ہو گئے؟ مکہ کے کتنے لوگ اسلام سے غافل ہوئے ہو گئے؟ تمام مکہ ایک ہی دن اور رات میں مسلمان ہو گیا اور پیغمبر ﷺ کی زبان سے کہلوادیا کہ آج تم پر کوئی بدلہ نہیں۔ جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے سلوک کیا۔ آج میں تم سے وہی کروں گا کہ میں تم سے کوئی بدلہ نہیں لوں گا اور سب نے اسلام قبول کیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کیا وہ قرآن جو کفار کے کیلئے اتنی سخت وعیدیں سنانا ہے ہلا آفرسارے کے

سارے Maccans (مکدوالے) کو مسلمان کر دیتا ہے تو پھر آیاتِ کدھر جائیں گی مگر وہ آیات ہر اس انسان تک، اس community، general تک، ہر اس شخص تک پہنچتی ہیں کہ جو اہل کفر کی طرح حسد اور جہالت پر اڑا ہوتا ہے جو اپنے عقائد میں علمی تبدیلیوں کی گنجائش نہیں رکھتا۔ جیسے میں نے اپنے پہلے لیکچر میں کہا تھا کہ جس کی جہالت اسے انا اور ضد پر مائل کرتی ہے اور وہ اپنی جہالت کے خلاف علم کا اجتہاد کرنے سے قاصر ہے۔

سوال: تقویٰ کے بارے میں بتائیں اور بتائیں کہ دل کا تقویٰ کیا ہے اور یہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں۔ آپ نے کہا کہ اعتدال ہی کامیابی ہے۔ اعتدال کیا ہے اور انسان اعتدال کو کیسے پاسکتا ہے؟

جواب: حضرات گرامی! بات یہ ہے کہ مذہب میں اعتدال fears اور frustrations (غم و فکر) سے آزادی اور حدود اللہ سے پرہیز کرنا ہے۔ پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ **هَلْ لَّكَ خُلُودٌ** اللہ! یا اللہ کی حدود ہیں۔

”وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ“

(اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھے گا وہ ظالموں میں سے ہوگا)

اگر آپ غلٹ سے، اندھیرے سے ظلم سے ادھر ادھر رہنا چاہیں تو پھر حدود اللہ واصلی چیز ہیں جن سے پرہیز کرتے ہوئے، جن سے ادھر رہتے ہوئے آپ معتدل رہتے ہیں۔ گویا اعتدال سے نکلنے کی حدود ”حدود اللہ“ ہیں اور حضور گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ اعتدال کوئی fixation (انجماد) نہیں ہے۔ آٹھ حدیثیں مسلم کی اوپر تلے ایک ہی موضوع کو deal کرتی ہیں کہ اعتدال اختیار کرو۔ اگر مکمل اعتدال نہ ہو سکے تو اس کے قریب ترین رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعتدال ذہن انسان کی ایک فراخ تر کیفیت کا نام ہے جو اس وقت بگڑتا ہے جب آپ حدود اللہ کو cross (پار) کرتے ہو۔

سوال: آپ نے چندی والے lecture میں فرمایا تھا کہ ماں باپ کی physcial (جسمانی) اطاعت کرنا تو فرض ہے لیکن mental (ذہنی) اطاعت ضروری نہیں تو پھر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حضرت عمرؓ کے کہنے پر اپنی بیوی کو کیوں طلاق دی تھی؟

جواب: میرا خیال ہے کہ یہ convince, mentally (ذہنی تسلیم) ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ convince, mentally تھے کہ ان کے والد ان سے زیادہ مجتہدان زیادہ

ناقل، اُن کا زیادہ بھلا جانے والے ہیں۔ نہ صرف عبداللہ بن عمرؓ بلکہ تمام مسلمانوں کو سوت یہ سمجھتی تھی کہ عمرؓ ہی خطابِ ہم سے بہتر عقل والے، بہتر شعور والے اور ہمارے زیادہ ہمدرد ہیں اور اسکی شہادت جناب علی مرتضیٰؓ نے ان کی تعش مبارک پر کھڑے ہو کے دی، کہ اے لوگو! میں جتنا اس شخص کو جانتا ہوں۔ یہ سب سے زیادہ سخت اپنی جان کے اوپر تھا اور خلق کیلئے یہ سب سے زیادہ ہزم تھا تو ظاہر ہے کہ ایسی ہستی بلاشبہ تمام لوگوں میں فیصلے کا اعلیٰ معیار پر ہوگی۔ شاید! یہ کچھ اس طرح کی بات ہو کہ اگر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ استاد ہمیں حقائق کی بنیاد پر اچھا مشورہ دینے والا اور معقول ہے تو بہت سارے لوگ آ کے بہت سارے ایسے مسائل میں مجھ سے مشورہ طلب کرتے ہیں کہ جو اگر میرا اختیار ہو تو میں کبھی نہ دوں مگر انسانی confusions (بیچیدگیوں) lack of knowledge, lack of understanding (علم کی کمی) کی وجہ سے کسی بہتر سے مشورہ لینا کوئی معیوب بات نہیں ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان یہ مشاورت ہو چکی ہوگی اور ضرور حضرت عبداللہ بن عمرؓ convince (مان) ہو گئے ہونگے کہ حضرت عمرؓ ٹھیک کہتے ہیں اسی لیے یہ divorce (طلاق) ہوئی ورنہ یہ حکم نظر نہیں آتا۔

سوال: سنن ابی داؤد میں ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص حضور ﷺ کے سامنے سے گزرا جبکہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ ﷺ نے اُسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے پیروں پر کھڑا نہ کرے تو وہ شخص مانگوں سے معذور ہو گیا حالانکہ وہ تو انجانے میں گزر رہا تھا۔

جواب: یہ غلط ہے۔ اسلئے کہ یہ بددعا ہے اور آپ کو ایک بڑی مزے کی بات بتاؤں کہ حضور ﷺ نے ایک لڑکی کو بددعا دی تو اُنکی ماں روتی ہوئی آگئی اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے تو میری بیٹی کو بددعا دے دی ہے۔ فرمایا: ”نہیں، یہ میرا اور اللہ کا معاہدہ ہے کہ جب میں کسی کو بددعا دوں تو اسکا اچھا کر دے۔ اس لئے یہ حدیث ایسے نہیں ہے۔“

سوال: تقدیر، تدبیر سے یا ذکر الہی سے یا صدقہ سے مل سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں، اسکی وجہ یہ ہے کہ nobody can take away the right of God acting in exclusive authority. کوئی شخص بھی اللہ سے یہ حق نہیں چھین سکتا کہ وہ اپنی exclusive authority (بلا شرکت غیرے اختیار) میں جیسے چاہے act (عمل) کر سکتا ہے اسی لئے تقدیر یہ تھی، طریقہ یہ تھا، اندازہ یہ تھا کہ ذکر یا کی کوئی اولاد نہ ہوتی۔

زکریا کی بیوی بانجھ، آپ بوزھے ضعیف physically (جسمانی طور پر) زمانے کے اندازے اور تقدیر کے لحاظ سے بچہ پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی، پھر اللہ نے انہیں بچے کی خوشخبری دے دی، پھر حضرت نے پوچھا کہ کیسے۔ تو فرمایا کہ ”یہ کیوں نہیں کہتا کہ“ اِنَّ رَبِّيْ بِفَعْلٍ مَّا يَشَاءُ“ (بے شک میرا رب جو چاہے کر سکتا ہے) یہ کیوں کہتا ہے کہ کیسے؟ تقدیر کے اوپر بھی ایک تقدیر رائج ہے۔ اللہ کی حاکمیت کسی صورت بھی کسی نظام سے مجروح نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی ہستی اور نظام کو یہ حق حاصل ہے کہ اسکی قدرت و مطلقہ کو متاثر کرے اسلئے دنیا یا اس قسم کے اعمال تقدیر کو بدل سکتے ہیں۔ مثلاً آپ نے قرآن پر حاکم:

”مَا نَسْخُ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنسِهَا اَنَّا نَبْخِیْرُ مِّنْهَا اَوْ مِثْلَهَا“

(جب ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو وہی سی یا اس سے بہتر لے لیتے ہیں) اسی طرح حضور گرامی مرتبت ﷺ کی حدیث ہمارے پاس موجود ہے کہ اللہ یا اختیار ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہے کہ جب چاہے کسی کی دُعا قبول کرے اور اگر کسی نے کسی کی زندگی کی دُعا کبھی کی ہے (یہ بھی حدیث ہے) اور لوگ جس شخص کی تعریف کرتے ہیں اور جس کے کرم کیلئے اور اسکی زندگی کیلئے دُعا کرتے ہیں تو پھر اس کی زندگی بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح صدقات میں سے جو صدقہ اللہ کی رضا مندی خرید لے تو مصائب ضرور ٹل جاتے ہیں اور دیکھنا یہ ہے کہ کیا موت بھی ملنے کیلئے ہے۔ جب اللہ دجال کو یہ صلاحیت دے سکتا ہے کہ وہ ہوتا ہوا دے۔ حدیث دجال میں موجود ہے کہ ایک شخص دجال کے پاس جائے گا اور اسے کہے گا کہ کیا تو مجھے مار کے زندہ کر سکتا ہے۔ پھر وہ شخص اسے کہے گا کہ میں پھر بھی تمہیں خدا نہیں ماننا۔ اب تو پھر کیا مجھے مار سکتا ہے اور زندہ کر سکتا ہے وہ کہے گا کہ ”ہاں“ پھر ایسا ہو گا۔ جب تیسری مرتبہ ایسا ہو گا تو وہ اسے مار نہیں سکے گا یا اسے زندہ نہیں کر سکے گا تو اگر آپ غور کریں تو یہ اس بات کی نشاندہی ہے کہ انسان یا دجال موت پر تعین دفعہ کا پورا پورا پر قادر ہو جائیگا۔ یعنی اتنی مرتبہ قادر ہو سکے گا جتنی مرتبہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے۔ Medical sciences (میڈیکل سائنس) اس نچ تک پہنچ جائیں گی جب شاید تعین دفعہ مردہ انسان کو زندگی دی جاسکے گی مگر اس کے باوجود اللہ کی تقدیر وہی ہے جو اس نے لکھی ہے کہ: ”مگر تم ہزار سال بھی جیو گے تو کیا مردے نہیں“۔ دراصل موت اور مرنا تقدیر ہے۔ اس میں timings (وقت) کی کوئی fixation (پابندی) نہیں ہے۔ جسکی چاہا اللہ بڑھادے۔ جس کی چاہا اللہ گھٹادے۔ ”وَ اللّٰهُ بِقَبْضِ وَبَيْضُط“

سوال: آپ نے کجیوروں کو پیوند کرنے والی حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ کا فرمان بیان کیا ہے کہ بعض باتیں میں اپنی طرف سے کہتا ہوں جبکہ اصول حدیث کے تحت قرآن سے متصادم احادیث قابل قبول نہیں ہوتیں، قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﷻ اپنی خواہش نفس سے بات نہیں کرتے اس حکم خدا کے سامنے آپ کی وضاحت کس طرح ممکن ہے؟

جواب: بڑی آسان سی بات ہے اور ان کا یہ کہنا کہ یہ بات میں اپنی طرف سے کہتا ہوں۔۔۔۔۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ آپ تھوڑی سی پیچیدگی میں پڑ گئے ہیں ورنہ یہ خدا ہی کے تحت، خدا ہی کے حکم کے تحت پیغمبر ﷺ نے تجربے کی اہمیت کو انسانی تجربے کی فضیلت کو اجاگر کرنے کیلئے ایک غلطی کا بظاہر ارتکاب کیا ہے۔

سوال: ایک مغربی سہمی محقق کا ایک thesis (مقالہ) پڑھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے موت کے روایتی، دروازے بند کر دیئے ہیں۔ طاعون سے لوگ اب نہیں مرتے، اب طیریا سے نہیں مرتے، پیٹے سے نہیں مرتے، انفرادی واقعات ہو سکتے ہیں۔ لیکن human civilization (انسانی تہذیب) کو یہ خطرات اب باقی نہیں رہے۔ اب جو threats (خطرات) ہیں وہ social disorder (سماجی بے ترتبی) کے نتیجے میں موت درآتی ہے۔ مثلاً اب ہم قحط سے نہیں مرتے، بسیار خوری سے مر جاتے ہیں۔ بہت زیادہ کام کرنے سے مر جاتے ہیں بہت زیادہ tension (بے چینی) سے مر جاتے ہیں۔ جنسی بے راہ روی کی وجہ سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اُس سے مر جاتے ہیں تو انہوں نے پورا ٹیبل بٹایا اور نتیجہ یہ نکالا کہ social disorder (سماجی بے ترتبی) physical disorder (جسمانی بے ترتبی) میں بدل جاتا ہے اور یہی سب سے بڑا دکھ ہے جدید تہذیب کے انسان کا۔ اب یہ ہے کہ جب آپ کے پاس ہمارے جیسے لوگ آتے ہیں اپنی تعلیم کیلئے، آپ کی توجہ کیلئے تو اُسے شج بھی مل جاتی ہے۔ بعض پیچیدگیوں اور فروعی مسائل کے بارے میں بھی وضاحت ہو جاتی ہے، یہ جو بنیادی مسئلہ ہے کہ ہمارے سماجی رویوں میں عدم توازن ہے جس کی وجہ سے روزمرہ زندگیوں میں دکھ ہے اس عدم توازن کو توازن میں کیسے بدلیں انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر۔ اس حوالے سے میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں کچھ بتائیں اور بلکہ آپ کی طرف سے جو effort ہو رہی ہے۔ اُس effort (کوشش) میں اسکو اہمیت کیوں حاصل نہیں ہے کہ ہمارے سماجی رویوں کی اصلاح ہو۔ ہم بسیار

خوری کرنے والے نہ ہوں۔ ہم ایسے اعمال کرنے والے نہ ہوں جن سے ہمارا social disorder ہمارے physical disorder میں بدلنا ہے یا دکھ میں بدل جاتا ہے۔
جواب: پروفیسر احمد رفیق صاحب: ظاہر ہے ملک صاحب! سال میں ایک دفعہ اچھا کھانا بسیار خوری میں نہیں آتا (قہقہہ).....!

ملک صاحب: میں تو ساری انسانی جدید تہذیب کی بات کر رہا ہوں۔
پروفیسر صاحب: جناب والا! بات یہ ہے کہ ملک صاحب نے بڑی مناسب بات کی۔ دراصل ملک صاحب نے میری تائید میں ایک اچھے مغربی فلاسفر کو quote کیا۔ اصوفیہ بات صحیح ہے کہ Social disorders are more dangerous than physical disorders. (سماجی بے ہمتی جسمانی بے ہمتی سے زیادہ خطرناک ہے) مگر دیکھئے آج کے دن آپ مجھ سے پوچھتے ہیں تو میں تسبیح کے ذریعے social disorders کو ہی ختم کرنے کی کوشش نہیں کرنا بلکہ میرا ایک سادہ سا معاملہ ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ all social disorders are born out of the distances from God. (تمام سماجی بے ہمتیاں خدا سے دوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں) جب ایک آدمی disorder میں جاتا ہے، تو جیسے میں نے تھوڑا عرصہ پہلے کہا کہ بد قسمتی سے لوگ خدا کی طرف جانے کی بجائے جاؤ اور سحر کی طرف چلے جاتے ہیں۔ وہ بھی بدتر حالات اور disorder کو چلا جاتا ہے، وہ social disorder میں جاتا جاتا mental disorder (یعنی بے ہمتی) میں چلا جاتا ہے۔ اگر میرے پاس کوئی مسئلہ لے کے آیا ہے تو میں یہ کوشش کرنا ہوں کہ اس کا mental disorder صحیح کر دوں اور اس کو عرفِ اتنا بتاؤں کہ تیری بے چینی، تیرے اضطراب، تیرے کرب و بلا سے نجات کی کنجی کسی system میں نہیں ہے بلکہ عرف اور عرفِ اللہ کے پاس ہے۔ یہ تسبیحات الہیہ جو میں لوگوں کو دیتا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ چونکہ میرا طریقہ کار رہا اور زندگی میں میں بہت سے ذاتی disorders سے انھی تسبیحات سے بچا ہوں، تو جیسے مجھے ایک چیز سے نفع ہوا تو میری خواہش تھی کہ میرے دوست، بھائی، دوسرے اللہ کے بندے بھی اس نفع میں شریک ہو جائیں اور الحمد للہ تعالیٰ العزیز میرا خیال یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو جو یہاں بھی ہیں اور جو اس سے beyond (پرے) بہت بڑی تعداد ہے، اس سے مجھے دیرِ فائدہ ہوا۔ اللہ نے انہیں بھی فائدہ دیا ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ مجھے سب سے بڑا فائدہ یہ ہو رہا ہے کہ اگر میں ملحق

اسلامیہ کا دور در کھتا ہوتا اور اُسے مسلّمہ کیلئے سوچ رہا ہوتا ہوں تو ہماری ضرورت جو ہے وہ یونیورسٹی یا academic سے نکلے ہوئے اُن طالب علموں کی نہیں ہے جو بغیر فکر و عمل کے degrees کے حصول (ڈگری) کیلئے جدوجہد کرتے ہیں بلکہ ہماری نگ و دو یہ ہے کہ جو کوئی شخص بھی اللہ و دین کی طرف آئے، اعلیٰ ترین سطحوں پر mentally committed (ضمناً پابند) ہوں، ان کے defences (مدافعت) مکمل ہوں اور بجائے ایک رجعت پسندانہ تردید کے یا انکار کے وہ پوری خیالاتی force (طاقت) کے ساتھ اپنے موقف پر قائم ہوں اور میں نے آج تک نتیجے سے بہتر کسی شخص کو خدا پر یقین کو مکمل ہونا نہیں دیکھا اسی لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اعتقادات قائم کرنے میں mental approaches (یعنی رسائی) کرنے میں نتیجے سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ کی یاد سے بڑی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو آپ کے mental confusion (یعنی پیچیدگی) کو دور کرے social disorders کو دور کرے اور physical disorders کو دور کرے۔ لوگ جس ”امرت و حاراً“ کی دنیا میں تلاش کرتے ہیں وہ دراصل اللہ اور اُس کا نام ہے۔ اس کے بغیر ایک general disorder (عام بے ترتیبی) ہماری پوری body (جسم) اور ذہن میں رہتا ہے۔ آپ اگر قیامت تک بھی خدا کے بغیر نگ و دو کرتے رہیں تو disorder کبھی بھی نہیں جائے گا مگر جب آپ اللہ کا نام لینا شروع کرتے ہیں (اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ) تو قلب اطمینان پاتے ہیں، دل سکون پاتے ہیں۔ جب دل سکون پاتے ہیں تو inflammatory mental conditions subside (اشتعال انگیز دماغی حالتیں مدہم پڑ جاتی ہیں۔) اور وہی فرد جو معاشرے میں ڈپریشن اور decay (زوال) کا شکار ہے وہ معاشرے کیلئے کارآمد انسان بن جاتا ہے۔ ملک صاحب، میں اس میں صرف ایک point (بات کا) اپنی طرف سے add (اضافہ) کروں گا کہ زندگی بھر میں نے جس چیز سے پرہیز کیا ہے، جو آج بھی کر رہا ہوں اور اگر اللہ نے توفیق دی تو مرتے دم تک کروں گا وہ گروہی، جماعتی یا culture organizational ہے۔ وہ اس لیے کہ مجھے یہ بڑا غیر مناسب سا لگتا ہے کہ میں اپنے جملہ نوکر و زبانیوں کو چھوڑ کر کسی جماعت کو اپنالوں۔ جب آپ گروہ سے بچے ہیں تو ایک لازم سوچ آپ پر پڑتی ہے کہ ہم بہتر لوگ ہیں اور بہتر لوگوں کو پڑھانے جا رہے ہیں یا ہم بہتر اور متقی لوگ ہیں جو بہ کردار لوگوں کیلئے دُعا کر رہے ہیں۔ ہم بہتر لوگ ہیں، بہتر سمجھنے والے لوگ ہیں جو ان لوگوں کیلئے کوشش کر رہے ہیں اور شروع

سے کوئی بھی organization (جماعت) تکبریات کی بنیاد پر، ایک خفی تکبر کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے جو میرا خیال ہے کہ کسی بھی بہتر مسلمان کیلئے موزوں نہیں ہے۔ اسلئے organization سے بچتے ہوئے میری کوشش یہ ہے کہ سب اس میں شریک ہوں۔ We should be together whether some bodies are shiayas, sunnees, this or that. سنی وغیرہ کے فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے..... اگر ہم اللہ کے بندے ہیں اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ صرف ایک چیز پر ہمارا اتفاق و اتحاد ہو سکتا ہے اور وہ خدا کی محبت میں ہے۔

سوال: اس کا ایک logical (منطقی) سوال ہے کہ کیا آپ کے ہاں خاص طور پر تسبیح ہی سارے دین کا متبادل نہیں بن گئی مثلاً یہاں پر تقریباً میرے خیال میں شاید نوے فیصد لوگ کم از کم تسبیح کرنے والے ہو گئے لیکن ظہر کی نماز کا اس طرح اہتمام نہیں تھا جس طرح مسلمان اپنے اجتماع میں اہتمام کرتے ہیں تو میں کہتا یہ چاہتا ہوں کہ کیا تسبیح پر اتنا زیادہ over stress (زیادہ زور) نہیں ہے کہ وہ سارے دین کا متبادل بن گئی ہے؟

جواب: نہیں! ایسا تو بالکل نہیں ہے بلکہ آپ سے چھپ کر میں نماز پڑھنے گیا تھا مسئلہ یہ ہے کہ convenience (آسانی) پر میں اور آپ یقین رکھتے ہیں اور شریعت کی کوئی بات بہتر سے بہتر سوچ سے بھی cancel (منقطع) نہیں ہوتی۔ ایک قاعدہ ہے، ایک قانون ہے، وہ چیزیں آپ کے چنی ترفع سے، کی بیشی سے خدا کے کسی حکم پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ جیسے حضور ﷺ کی حدیث میں نے quote کی تھی کہ بار بار فصاحت نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ اکتا جائیں تو individually (فرد افراد) تو میں ہر فرد کو یہ کہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ (نماز کی پابندی کے بارے میں) مگر میں اتنا سخت نہیں ہوں کہ میں ایک لٹھ لے کے ان کے پیچھے پڑ جاؤں۔ مصیبت یہ ہے کہ یہ لوگ میرا خیال یہ ہے کہ قلبی و چینی طور پر سارے ہی نماز پڑھنے والے تھے مگر کچھ situation اور problems (حالات و مسائل) میں ایسے پڑ گئے کہ کچھ لوگوں نے نہیں پڑھی یا کچھ لوگوں نے زیادہ تر دن میں نماز کیلئے۔ اس کیلئے میں ان کی جگہ معذرت خواہ ہوں۔ وہ اپنی جگہ معذرت خواہ ہیں۔

سوال: محمد اشفاق صاحب نے سوال کیا ہے کہ میرا سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ نفاق حضور رسالت مآب ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھا اور اس کے بعد ختم ہو گیا اور آج کے دور میں کوئی مسلمان

اور کافر ہو سکتا ہے مگر منافق نہیں ہو سکتا تو کیسے پہچان ہو سکتی ہے کہ مسلمان کون ہے اور کافر کون ہے کیونکہ آج کے زمانے میں بہت فرق ہے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں؟

جواب: دراصل میں نے یہ قول رسول ﷺ quote نہیں کیا تھا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہ حضرت حذیفہؓ نے کہا ہے تو پھر درجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے نسبت ہے مگر اسکے ساتھ ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ کی بھی ایک حدیث موجود ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تھے تو ہم محفوظ تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے جانے کے بعد ہم اصحاب کو سب سے زیادہ خوف نفاق سے ہے تو میں اُس وقت یہ عرض کر رہا تھا کہ نفاق اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی عقیدے اور belief پر questions (سوالات) پیدا ہونے شروع ہو جائیں اور اُس پر trust (اعتماد) کرنے کی بجائے اُس پر mind, sceptical (متشکک ذہن) اعتراض کریں اور اُس کا جواب نہ ملے تو mostly ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جتنے بھی علمائے مذہب اور دانشور ہیں اگر ان کو ایک technical (فنی سوال) کر دیا جائے تو شاید وہ جواب نہیں دے سکتے مگر وہ بھند ہیں کہ وہ صحیح ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ بھند ہیں کہ وہ صحیح ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ مجھے اس کا جواب نہیں آتا یا ہم سے بہتر عالم کو مانو۔ اب ایک مسئلہ یہ ہو سکتا ہے کہ بہتر عالم بریلوی ہو، بہتر عالم دیوبند کا ہو، بہتر عالم اہل حدیث کا ہو مگر یہ جانتے ہوئے بھی کہ کسی کیفیت علم میں مجھ سے کسی دوسرے شخص کا علم زیادہ ہے وہ اُسکو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ زوالِ ملیہ جو ہے یہ سب سے بڑی کوفت کا باعث ہے اور اسی کی وجہ سے بہت سارے create, problems (مسائل رونما) ہوتے ہیں۔

سوال: جزا و سزا کا ایک دن مہینے جس دن اللہ تعالیٰ جنت و دوزخ میں جانے والوں کا فیصلہ فرمائیں گے۔ عذابِ قبر کی جو صورت بیان کی جاتی ہے وہ بھی سزا کی ایک صورت ہے جبکہ یہ سزا اُس یوم اللہین سے قبل شروع ہو جاتی ہے۔ براہِ کرم میرے ساقص ذہن کی رہنمائی کریں۔

جواب: حضرات! بہت مرتبہ ان سوالوں کا میں نے آپ کو جواب دیا کہ عذابِ قبر اس کیفیت کا نام ہے جو عذاب کے احساس سے ہم محسوس کرتے ہیں۔ جب ایک شخص انکار و اقرار کے مرحلے سے گزرے گا تو اُسکے سامنے سے جنت و دوزخ کے عذاب اٹھائے جائیں گے کیونکہ قبر میں پہلی مرتبہ انسان اپنی پوری صحت و سلامتی میں اٹھایا جاتا ہے۔ جب اُس سے سوال کیا جاتا ہے اور وہ confuse (بے چین) نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنے سوال و جواب میں غلط یا کامیاب ہوتا ہے تو اس کے مطابق اس pattern (انداز) کو جو اسکی سزا ہے یا جزا ہے اُسکو واضح طور پر بتا

دیا جاتا ہے کہ یہ حیرانجام ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ حدیث رسول ﷺ یہ کہتی ہے کہ کافر یا رزوا کرے گا کہ قیامت کبھی نہ آئے کیونکہ جو عذاب اس وقت بھی طور پر اس کو ہے وہ بہت کم ہے اس عذاب سے جو قیامت کے بعد اسے ملے گا۔ اسی طرح مومن یا رزوا کرے گا کہ قیامت جلد آئے اور میں اپنے مقام تک پہنچوں۔ تمام تر احادیث اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ practical عذاب نہیں ہے۔ یہ بالکل اس طرح ہے کہ جب رات گئے دستک ہو اور کوئی کانشیل آپ کو یاد کرے اور کہے کہ صبح آپ کو قحانے میں بلایا ہے اور صبح تو بڑی مشکل سے آپ پر چڑھ گئی اور ہو سکتا ہے کہ آپ وہاں جائیں اور آپ کو قحانیدار صاحب یہ کہیں کہ حضور آپ کا ایک پیغام آیا تھا، ایس پی صاحب کی طرف سے وہ پہنچا تھا مگر جب تک آپ کو حقیقت حال کا علم نہیں ہو گا اس وقت تک جو آپ پر کیفیت گزرے گی وہی عذاب قبر ہوگا۔

سوال: یہ بڑی ضخیم کتابیں ہیں جن میں بدن پر گرز پڑیں گے، سانپ ہو گئے، بچھو ہو گئے اور مختلف طرح کے عذاب قبر کے mention (بیان) کیے گئے ہیں پھر کیا اس طرح کی چیزیں قابلِ بھروسہ نہیں ہیں یا نا قابلِ اعتبار ہیں۔

جواب: مثال کے طور پر اگر آپ احساس میں ان کیفیات کو لینا چاہیں تو کچھ احادیث اس بارے میں بھی ہیں۔ یہ جو لوگوں نے لکھی ہیں وہ ساری غلو باتیں نہیں ہیں، مگر جیسے موت کا منظر ہے میں کم از کم اللہ کے رسول ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق دینے کو تیار نہیں ہوں کہ وہ لوگوں کو ڈرائیں۔ اسلئے کہ میرا خیال یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور اصحاب کے بعد کسی کو یہ پتہ نہیں کہ وہ ڈرائے گئے لوگوں میں ہیں یا بخشنے گئے لوگوں میں ہیں اسلئے بعد میں کسی کا حق نہیں بننا کہ وہ حقوق خدا کو ان چیزوں سے ڈرائیں بلکہ مدت کا حق بنا رت کا ہے کہ حضور گرامی مرتبت ﷺ نے جو اچھی اور بہتر خبریں دی ہیں۔ فرض کیجئے کہ میں ایک شخص کو کہتا ہوں کہ تو اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں جائے گا اور وہ مجھے جنت کے دروازے پر پہلو پہلو کرنا ملے کیونکہ میں دوسری طرف جا رہا ہوں تاکہ تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتہائی غیر مناسب بات ہوگی کہ میں ایک ایسی چیز سے لوگوں کو ڈراؤں جو میرا مقدر ہے اور اگر دیکھا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے بھی وہی باتیں ڈر کی کہیں، جو اللہ نے قرآن میں لکھیں۔ انہوں نے اپنی طرف سے کسی کو نہیں ڈرایا، انہوں نے اپنی طرف سے کسی کو خوف نہیں دلایا بلکہ بے تحاشا بتاتے ہیں جو ہماری کتاب میں موجود ہیں ان میں سے ایک ابھی میں نے آپ کو سنائی۔ یہ اللہ کا کرم ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کرم ہے کہ وہ ہم تک پہنچی۔

سوال: آپ بعد از موت قبر کی جو کیفیت بتاتے ہیں جس طرح سے سوال و جواب کی inquiry (جانچ) کا سلسلہ جاتے ہیں اور بعض دوسری روایات میں بھی ہم سنتے ہیں۔ کیا بعد از موت ایک state of mind (یعنی حالت) ہے یا ایک روح کی کیفیت ہے۔ یہ فرمائیں کہ یہ جو ہم تسبیحات کرتے ہیں ان سے اس صحیح condition (حالت) کو حاصل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہاں نجات ہوگی اور انسان صحیح جواب دے سکے گا؟

جواب: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: ”اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا شخص موجود ہے۔“ اگر ایک آدمی کی تسبیح قیامت مال ملتی ہے تو individual کے اثرات پر یہ بہت ساری تکلیفیں بھی مال ملتی ہے۔ تو تسبیح الہی دراصل اللہ کی دوستی کا اعلان ہے اور دوست دوستوں سے اس بری طرح تو سلوک نہیں کرتے اور میرا اپنا خیال یہ ہے کہ قبر تک وہی آسان پہنچتا ہے جس کو اللہ پر اچھا گمان ہو اور میں تو صرف اپنی بات کہہ سکتا ہوں کہ آج تک مجھے قبر کا خیال اور دھیان صرف اسی لئے نہیں آیا کہ تسبیح الہی میں مصروفیت جو ہے وہ مجھے اس قسم کا خوف نہیں دیتی بلکہ اکثر میں شاید اپنے آپ کو بے حس انسان سمجھتا ہوں۔ میں اس خوف کا احساس کرنا چاہتا ہوں جو عام بندے مجھے موت کا دیتے ہیں۔ But I'm never been able to feel anything about this. میرا خیال ہے کہ یہ تسبیح کا اثر ہے۔ اس لئے کہ تسبیح جو ہے اس کا نتیجہ اللہ کی دوستی ہے اور اللہ کے دوستوں کو جو آواز اللہ نے دی ہے:

”اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ“

(سن لو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہے نہ غم)

خوف و حزن سے آزاد بندہ ہی موت تک پہنچ سکتا ہے جس کے possessions (ملکیاتیں) زیادہ ہیں، belongings (تعلق) زیادہ ہیں، جس کے قبضے میں زمین زیادہ ہے، جس کی دولت و جائیداد زیادہ ہے، وہ ذرا مشکل سے پہنچے گا۔

سوال: fourth dimension (چوتھی جہت) اور فقہروں کے احوال کے بارے میں کچھ بتادیں؟

جواب: صاحب اوہ کیا حظ شیراز نے کہا تھا کہ

ہزار نکتہ باریک طرز نو انجاست

نہ ہر کہ سر ہر شہ قلدری داند

(یہ وہ مرحلہ فکر ہے کہ ہزار نکتے بال سے باریک تر اس منزل پہ ملتے ہیں۔ ہر سر تراشنے والا قلندر تو نہیں بن سکتا)

فقہروں کے احوال تو بہت زیادہ ہیں اور اولیٰین کائنات سے چلے آتے ہیں۔ کہیں ”افلاطون“ ہے کہیں ”دیوجانس“ ہے پھر جب آپ دور تصوف تک آتے ہیں تو حسن بھریٰ ہیں، ذوالنون مصریٰ ہیں، حبیب عجمیٰ ہیں پھر استادوں کے استاد جنید بغدادیٰ ہیں۔ پھر قطب عالم شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں پھر میرے استاد ہر شہ سیدنا علی بن عثمان چوہدریٰ ہیں تو بات یہ ہے کہ پسند کی نوعیت اپنی اپنی ہے کہ آپ استاد کو کس لیے اختیار کرتے ہیں اور اسکی کس ادا کو پسند کرتے ہیں۔ میں تو فقہروں کے ایک ہی حال کو جانتا ہوں کہ وہ علم میں سب سے درست اور کیفیت میں سب سے زیادہ موجود ہوتے ہیں۔

سوال: آپ نے کہا کہ حدیث شریف ہے کہ انسان کیلئے جو کچھ لکھ دیا گیا ہے فطری طور پر اس کا رجحان اسی طرف ہوگا۔ اس میں تو انسان بے بس نظر آتا ہے پھر گناہ پر اس سے باز نہیں کیوں ہوگی؟

جواب: میرا خیال یہ ہے کہ جو مسئلہ ہے کہ گناہ پر باز پرس کیوں ہو۔ یہ گناہ پر نہیں ہے۔ orders کی compliance پر ہے، گناہ تو ایک عمل ہے مگر جب آپ نے گناہ کیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ آپ نے خدا کی واضح ہدایت پر ہٹنے سے روک دیا کہیں اضطراب اور غلطی میں ہو گیا۔ جیسے پہلے میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ وہ تمام گناہ جو اللہ اور بندے کے درمیان ہیں اور جو اضطراب ہیں ان میں بھی ہزاروں نہیں ہیں اور آپ نہیں جانتے کہ خدا کس کو معاف کرے گا اور کس کو نہیں کرے گا۔ ہر گناہ کی سزا بھی نہیں ہے مگر بعض نیکیوں کی سزا ضرور موجود ہے۔

سوال: صوفیائے کرام اصلاح احوال کیلئے وظائف بتاتے ہیں۔ اس دور پر آشوب میں تو لوگ فرائض بمشکل پڑھتے ہیں پھر ان پر مزید بوجھ ڈال دینا کیسا ہوگا؟

جواب: میں آپ کو اس دور پر آشوب کی بات سناؤں کہ

ہم گئے دن کہ تجا تھا میں انجمن میں

یہاں اب میرے راز داں اور بھی ہیں

سوال پڑھنے والے سے بھی پوچھ لیجئے کہ اس دور پر آشوب میں آپ اتنی تسبیح کیسے کر لیتے ہیں؟

اصل میں جو چیز دل کو پسند آجائے وہ ترک نہیں ہوتی اور تسبیح کو دل کی رغبت ہی ممکن بناتی ہے۔
 Lacs of people are doing tasbih. (لاکھوں لوگ اب تسبیح کرنے والے ہیں۔) میں بڑا حیران ہوں مجھے اس زمانے میں بلا نظر آتی ہے۔ مجھے اس زمانے پر اللہ کے رحم و کرم کا سایہ نظر آتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں لوگ اللہ کی یاد مسلسل کرتے ہیں اور میں یہ محسوس کرنا ہوں، ہو سکتا ہے کہ جیسے پروفیسر صاحب نے کہا کہ ”کَفَا ذُکُورِ نَبِیْ اَذْکُو حُکْم“ (تم مجھ یا ذکر میں تمہیں یاد کرو ٹکا) تو میرا خیال یہ ہے کہ اس زمانے میں اللہ نے کچھ لوگوں کو یاد کرنا شروع کر دیا ہے۔ پھر انھیں اکسایا کہ ”بھائی میاں! میں اکیلا کہاں تک تمہیں یاد کروں گا۔ تھوڑا سا تو تم بھی کر لو۔“ پھر ہم نے تھوڑا سا یاد کرنا شروع کیا۔ پھر اس نے اور زیادہ یاد کرنا شروع کر دیا نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے احباب و دوست ایسے ہیں جو مسلسل تسبیحات میں لگے رہتے ہیں اور حیرت کی بات ہے نہ وہ جنات میں سے ہوتے ہیں، نہ فرشتوں میں سے، وہ normal انسان ہوتے ہیں۔

سوال: جو روحیں عالم برزخ میں موجود ہیں ان کے ساتھ اس دنیا کے باشندوں کا کس قسم کا تعلق ہے کیا وہ اس دنیا کے لوگوں سے communication کر سکتے ہیں اور اگر ہم کوئی عبادت ان کی طرف سے کریں تو کیا اس کا ثواب انھیں ملے گا؟

جواب: جی ہاں! ہم ان کیلئے ثواب ضرور بخش سکتے ہیں۔ متعدد احادیث کی رو سے آپ ان کو ثواب بخش سکتے ہیں، سب سے بڑی حدیث حضرت سعدؓ کی ہے۔ بخاری میں باب صدقات میں ہے۔ حضرت سعدؓ مدینے سے باہر تھے کہ ان کی والدہ فوت ہو گئیں اور ان کو دفنا دیا گیا۔ جب سعدؓ واپس آئے تو سیدھے رسول اکرم ﷺ کے پاس گئے اور فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی ماں کیلئے اگر کوئی خیرات کروں تو کیا اس کا ثواب پہنچے گا؟“ فرمایا: نَعَمْ (ہاں) فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ! گواہ رہیے کہ میں نے اپنا فلاں باغ ان کیلئے صدقہ کر دیا۔“ صدقات میں سے سب سے بہترین صدقہ قرآن اور اللہ کی یاد ہے تو تسبیحات کا بھی یقیناً ان کو ثواب پہنچتا ہے۔ باقی رہا رابطہ..... تو جیسے بعض جانوروں کی نظر بڑی تیز ہوتی ہے جیسے حدیث میں آیا کہ مرغ فرشتہ دیکھ لیتا ہے یا کتا شیطان دیکھ لیتا ہے تو ہم میں بھی تھوڑے تھوڑے سارے جانور موجود ہیں۔ آپ کو بتایا تھا کہ genetic strength (جینیاتی طاقت) تو ایک ہی چل رہی ہے۔ تو کسی بھی انسان میں کوئی نہ کوئی 'perception' hidden (خفیہ ادراک) موجود ہوتی ہے جسے ہم 'perception'

special (خصوصی ادراک) کہتے ہیں۔ اس خصوصی ادراک کا حامل شخص ارواح سے تعلق رکھ سکتا ہے اور special vision (خصوصی بصارت) اور special perception سے کوئی نہ کوئی ایسی کیفیت نظر آ جاتی ہے۔

سوال: عرف چار رسول، شریعت اور کتاب الہی کے ساتھ ہیں۔ اگر بہتر عقل پر نبوت زمانے میں ملتی تو پھر رسالت کی کیا ضرورت تھی؟ کیا نبی اور رسول کیلئے بہتر عقل کا انتخاب نہیں کیا جاتا؟ عرف صاحب کتاب و شریعت کیوں؟

جواب: اصل میں بہتر عقل پر نبوت نہیں ملتی۔ عرف خالی عقل نہیں ہے بلکہ میں نے عرض کیا تھا کہ نبی اپنے زمانے کا بہترین مائل ہوتا ہے۔ نبوت کے ساتھ عقل ایک ضروری اور اعلیٰ ترین form (حالت) کو پہنچی ہوئی صلاحیت ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک زمانے میں ایک نبی نہیں جتو بہترین عقل والے آدمی کو رسول بنا دیا جائے۔ دوسرا سوال کہ کیا نبی اور رسول کیلئے بہترین عقل کا انتخاب نہیں کیا جاتا؟ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے کسی چیز کو ignore نہیں کیا جاتا۔ بہترین بندگی، رسالت، نبوت یہ سب ایک ہی انسان میں مجتمع ہوتی ہیں اور اس لیے بھی جمع کیا جاتا ہے کہ اس نے کسی معاشرے کے مختلف النوع افراد کی ذہنی و قلبی تسکین کا باعث ہوا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کے پاس آنے والے دو بندے ذہنی طور پر ایک دوسرے کے مخالف ہوں مگر ایک نبی کے پاس پہنچنے کے ان کے اختلافات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ ایک ہمہ جہتی عقل جو ایک پورے معاشرے کے مسائل کی وضاحت بھی رکھتی ہے اور دلیل خاص بھی رکھتی ہے اس بناء پر نبی اور عقل کا واسطہ لایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ضروری وقت میں ایک eternal sequence of guidance (وائے رہنمائی) اور information (معلومات) ہے جو اللہ کی طرف سے انہیں وحی کی صورت میں ملتی رہتی ہے۔

عرف چار صاحب کتاب و شریعت کیوں؟ میرا خیال یہ ہے کہ کچھ اور کتابیں بھی mention (بیان) ہوئی ہیں مگر جس ماحول میں، جس پس منظر میں قرآن حکیم آیا ہے۔۔۔۔۔۔ جو لوگ Mesopotamia (میسوپوٹیمیا) یا Arabian peninsula (جزیرہ بنما عرب) میں بستے تھے، ان کے ہاں یہ کتابیں نئی نہ تھیں اور ان کی وضاحت اور reference (حوالے) ان کیلئے قابل فہم تھی اس لیے ان کا ذکر بحیثیت صاحب شریعت کیا گیا۔

سوال: شریعت کے مکمل اطلاق کیلئے جدیدیت کے کس پہلو کی تعلیم آپ ضروری سمجھتے ہیں؟

جواب: عرف study of the universe (مطالعہ کائنات) کو..... جیسے میں نے کہا:
 "الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
 وَالْاَرْضِ"
 (جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اور زمین و آسمانوں کی تخلیق پر غور کرتے
 ہیں۔)

زمین و آسمان کی تخلیق پر غور کرنا، اسباب کائنات کو ڈھونڈنا..... ان میں آپ غور کریں تو تمام
 موجودہ سائنسی اور علمی حقائق موجود ہیں اور کوئی بھی ایسی چیز جدید دور میں علمی حیثیت میں ترک
 نہیں کی جاسکتی سوائے لادینی، گمراہی اور از خود تعمیر کردہ some socio, political
 ideas (چند سماجی، سیاسی نظریات) کے جو کسی بھی طریقے سے خدا اور رسول ﷺ سے مطابقت
 نہیں رکھتے۔ باقی تمام علوم کی وضاحت، ان کا حصول اور ان کیلئے جدوجہد کرنا عین اسلام ہے۔
 سوال: آپ نے کہا کہ قرآن کو سمجھنے کیلئے فزکس اور sciences کا علم حاصل کریں اور ان کے
 بغیر قرآن کو صحیح سمجھا نہیں جاسکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتا ہے کہ میں نے قرآن کو آسان
 کر دیا ہے تو اس سلسلے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: پڑھنے کیلئے، تلاوت کیلئے، غور کیلئے، درنہ سرے جیسا عجیب، قرآن کی تلاوت نہ کر سکتا۔
 ایک لفظ عربی کا یا ایک فقرہ بولنا بھی مجھے نہیں آتا، مگر میں قرآن بڑی آسانی سے پڑھتا ہوں تو
 قرآن کی تلاوت کرنا، پڑھنا یا اس میں آسانی، یہ معجزہ کتاب ہے۔ باقی رہا غور و فکر..... تو اسکے
 بغیر یہ یقینی بات ہے کہ اس کی آفاقی حیثیت کو آپ نہیں سمجھ سکتے یعنی اگر ایک بچہ قرآن ماعرہ
 پڑھتا ہے، ایک Imature آدمی پڑھتا ہے، ایک فلسفی اور محقق پڑھتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے
 اثرات مختلف ہونگے۔

سوال: حدیث ہے کہ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں اس حدیث پر روشنی ڈالیں۔
 جواب: میرا خیال ہے کہ اس سے صحیح تر حدیث اور کیا ہو سکتی ہے۔ حضور گرامی مرتبت ﷺ نسل،
 genetics، عاداتی خصائل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ایک خاندان ہے، ایک نسب ہے
 حضور ﷺ صاحب علم ہیں، ایک gene کی construction (تعمیر) ہے جو ان کی بنی
 میں convert (متحول) ہوا ہے بنی سے پھر جیسے حضرت حسن حضور ﷺ سے مشابہ تھے اور
 پھر سب سے بڑھ کر محبت..... حسنی اور حسین کیلئے حضور ﷺ نے فرمایا: جب منبر سے اترے تو

کہا: ”اللہ سچ کہتا ہے کہ اولاد میں فتنہ ہے۔“ اس کی محبت غالب آ جاتی ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ محبت کا ایک جملہ ہے جو کہ ہونا چاہیے۔ حضور گرامی مرتبت ﷺ کو ان بچوں میں اپنے بچے بھی نظر آتے تھے۔ اسی لیے ان کو اپنا بیٹا کہا کرتے تھے اور پھر حضور ﷺ جو اتنے بڑے انسان ہیں کہ ان کو ہر بچے سے محبت ہے تو ان بچوں سے کتنا زیادہ انس ہو گا جو ان کے اپنے ہیں۔ پھر ان کو سیدہ فاطمہؓ سے بھی بڑا انس تھا۔ اس نسبت سے بھی یہ بچے پیارے تھے تو سب سے بڑا حکم جناب علی کرم اللہ وجہہ سے ان کو بڑا پیار تھا جیسے خیر کے روز فرمایا کہ آج علم اُسکے ہاتھ میں دو ٹکا جسکو خدا اور رسول ﷺ سے بڑی محبت ہے اور جس سے خدا اور رسول ﷺ کو بڑی محبت ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ بالکل جائز، واضح اور خوبصورت سا بیان ہے جس پر کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: سورۃ حشر میں ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں لیکن اس میں کفار اور مشرک بھی تو شامل ہیں۔

جواب: very tricky question (بہت پیچیدہ سوال ہے) اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایک ایسی exception (استثناء) قرار دیا ہے جو اللہ کی تسبیح نہیں کرتے۔ یہ جو کفار کو ظلم و ستم، زور و جبر تنبیہ و فہمائش ہے یہ صرف اسی لئے ہے کہ ان کو وہ exception قرار دیا ہے جو اللہ کی تسبیح نہیں کرتے اور ان کو سمجھانے کیلئے کہا جا رہا ہے کہ زمین و آسمان میں شجر و حجر، پرند و چاند سب میری تسبیح کر رہے ہیں اور تم کم بختو، واحد ایسے ہو جو نہیں کرتے۔

سوال: قرآن حکیم میں ہے کہ پہاڑ بادلوں کی طرح تیر رہے ہیں، دوسرے مقام پر ہے کہ پہاڑ زمین پر پینٹوں کی طرح نصب ہیں۔ قرآنی آیات میں یہ اختلاف کیوں ہے؟

جواب: بالکل اختلاف نہیں ہے۔ پہاڑ کا زمین پر گڑا ہونا اسکی مستقل ملاحت ہے اور زمین پر چلنا علیحدہ بات ہے۔ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ اصل میں زمین کے اندر جو مواد ہے اسکی density (کثافت) 3.5 ہے اور زمین کے اوپر جتنی بھی اشیاء ہیں ان کی density 2.7 ہے اور تمام continents (برائے عظم) تیر رہے ہیں اور یہ continents اسلیئے تیر رہے ہیں کہ جس چیز پر یہ تیر رہے ہیں وہ ایک بڑا dense material (کثیف مادہ) ہے جو بہت آہستہ حرکت کرتا ہے۔ اگر وہ رقیق مادہ ہوتا تو اس تیزی سے movement (حرکت) ہوتی کہ ہر چیز اکٹڑ جاتی۔ اب پہاڑ کیسے پیدا ہوتے ہیں کہ جب دو continents (زمین کے ٹکڑے) آپس میں ٹکراتے ہیں تو ان کے کنارے جب ملتے ہیں تو اس وقت جو گرد و غبار اوپر اٹھتا ہے وہ پہاڑ

ہیں۔ یہ وہ material (مادہ) ہے جو بڑی دور تک اُپر جاتا ہے، جو ڈرتے continents کے ٹکراؤ سے اُپر اٹھتے ہیں وہ پراز بنتے ہیں مگر اگر وہ صرف زمین کے اُپر ہوں، تو وہ جھکے سے اُپر جائیں اور ٹوٹ پھوٹ جائیں تو خدا نے کہا کہ جتنے وہ اُپر اٹھتے ہیں اتنے ہی زمین کو جاتے ہیں اور وہ زمین میں مٹیوں کی طرح گڑتے ہیں۔ اگر پراز زمین کے اندر نہ جائیں تو پھر لفظ مخا کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ وہ زمین کے مرکز جسے Mantle of the earth کہتے ہیں، وہاں تک پہنچتے ہیں جو انتہائی گاڑھے، chemicals (کیمیائی مادے) لوہا، سیسہ وغیرہ سے بنا ہے۔ یہ پگھلی ہوئی دھاتوں کا center ہے۔ وہ اس میں جا کر گڑتے ہیں۔ یہ تو ہے کیلوں کی طرح گڑے ہونا اور بادلوں کی طرح حیرنا یہ ہے کہ پرازوں کی دو movements (حرکات) ہیں اور یہ راز ہے کہ اگر زمین پر پراز نہ چلتے اور کھڑے ہوتے تو ازل تا ازل ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی زمین پر یہ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جاتے اور یہ ضرور قیامت کے دن ہوگا۔ پراز بھی زمین کے ساتھ ساتھ اسی رفتار سے چل رہے ہیں۔ جب پہلا خلا باز فضا میں گیا تھا اور اس نے اُپر سے پرازوں کو دیکھا تو اس نے یہ جملہ کہا کہ یہ بالکل قرآن کے لفظ کی تعبیر ہے کہ The mountains are running along the earth like multi coloured clouds. (پراز زمین کے ساتھ گھاگوں رنگوں کے بادلوں کی طرح بھاگ رہے ہیں۔) قرآن میں بھی خدا نے کہا کہ ”وَجِبَالٌ تَكُورُ مَوَّ السَّحَابِ“ (نمل: ۸۸) (اور وہ چلتے ہیں بادل کی چال) سرخی بادلوں کی طرح پراز چل رہے ہیں۔ اُن لوگوں نے جب اُپر سے دیکھا تو یہی کہا کہ پراز بالکل اسی طرح، سرخی بادلوں کی طرح زمین کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے ہیں۔ اس نے قرآن کی اس آیت کی exact translation (حرف بہ حرف ترجمہ) کی اور دوسری movement یہ ہے کہ پراز اندر سے بھی چلتے ہیں۔ ایک حرکت زمین کے ساتھ ہے اور ایک حرکت within themselves (ان کی اپنے ساتھ ہے) جو پانچ میل فی سال ہے اس رفتار سے پراز سرکتے رہتے ہیں اور ابھی آپ کی سب سے بڑی چوٹی اب سب سے بڑی نہیں رہی بلکہ اب اسکی جگہ نئی چوٹی بن گئی ہے۔ پرازوں کی حرکت سائنسی لحاظ سے ایک بہت بڑی سچائی ہے اور پرازوں کا زمین میں کیلوں کی طرح گڑا ہونا یہ بھی انتہائی scientific اصول پر قائم ہے۔

سوال: ”علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جا پڑے۔“ حدیث ہے جبکہ علم تمام کا تمام مدینہ میں

موجود تھا۔

جواب: جی ہاں! ایک تو یہ مجاورتِ ارشاد ہے کہ جہاں علم پاؤ خواہ کتنی دور دراز ہو، اُسکے لیے تنگ و دو کرو، اُسے حاصل کرو، جیسے حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے ایک دفعہ کہا کہ میں نے ایک حدیث کے لئے تین ہزار میل کا سفر کیا۔ تو یہ ایک general tendency اور attitude (عام صلاحیت اور رویہ) ہے جسکی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا کہ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین تک جانا پڑے۔ چین سے مراد دوری ہے کہ صحرائے عرب سے صحرائے کوئی تک کا فاصلہ ہی بڑا تھا اور اُس وقت دور ترین اور دور افتاد ترین civilization (تہذیب) چین کو سمجھا جاتا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث آپ کو بتاتی ہے کہ اصولی علم تو مدینہ میں موجود تھے مگر اس کے علاوہ بھی کوئی صورتِ علم ہو سکتی ہے جسکی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا اور وہ ”کائناتی اصول“ ہیں، وہ technology ہے، وہ فنون ہیں وہ مہارتیں ہیں جیسے جگہ بدر میں جب قیدی اسیر ہوئے اور زبردیہ کا معاملہ آیا تو علم سے محبت رکھنے والے ہمارے رسول ﷺ نے فد یہ یہ قرار دیا کہ جو پڑھے لکھے قیدی ہیں وہ ان پڑھ مسلمانوں کو پڑھائیں اور وہ کسی بھی قسم کا آرتے ہو، کسی بھی قسم کا علم ہو اُس کا سیکھنا علم میں ہی آئیگا اگرچہ علم کی تمام غرض و غایت علومِ دینیہ ہے اور اعلیٰ ترین غرض و غایت ”خدا کی شناخت“ ہے۔

سوال: لائف انشورنس کا اسلام میں کیا concept ہے؟

جواب: پہلے تو آپ کو explain (واضح) کرنا پڑے گا کہ لائف انشورنس ہے کیا؟ اگر آپ لوگوں کی زندگیوں کو تحفظ دینے کیلئے ان سے کچھ رقم لیتے ہیں اور اُسکے عوضاً ان میں ان کو ایک زندگی کا تحفظ offer (پیش) کرتے ہیں تو یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے کچھ لوگ اپنی زندگی کے تحفظ کیلئے ایک دن کے کھانے کی بجائے دس دن کا کھانا گھر ڈال لیتے ہوں اور اسلام اور مذہب میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو اس طریقے کے خلاف ہو۔ حضور گرامی مرتبت ﷺ پر کبھی تو فاتہ گذرنا ”کبھی حدیث کے مطابق ایک سال کا غلہ ڈال لیا کرتے تھے۔ یہ future (مستقبل) کی فکر ہے اور انسان پیدا ہی future کی فکر سے ہوا۔ اُسکے ذہن نے سوچنا ہی تب شروع کیا جب اُس نے مستقبل کی فکر کی اور اُس نے مختلف طور پر planning (منصوبہ بندی) کی، اپنے لیے اور اپنی اولاد کیلئے۔ پرانے تجربات کی بنیاد پر اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی زندگی کے تحفظات ایسے ہوں۔۔۔۔۔ اس کے برعکس تو کمال کی راہیں ہیں جیسے حضرت یحییٰ جب سفر پر جا رہے

تھو یوحنا ان کے ساتھ تھا اور عیسیٰ نے پوچھا کہ یوحنا یہ تیری بھل میں کیا ہے فرمایا، نبی اللہ دو روٹیاں ہیں۔ پوچھا کہ یہ دو کس لیے..... فرمایا، نبی اللہ ایک آج کیلئے ایک کل کیلئے حضرت عیسیٰ نے فرمایا: ”یوحنا! تم نے تو کھل میں ہمیں پرندوں سے بھی نیچے گرا دیا ہے۔ کسی پرندے کے کھونسلے میں بھی دو وقت کا کھانا دیکھا ہے“۔ تو تو کھل میں ایک ترقی یہ ہے کہ آپ اسباب سے بے نیاز ہو جائیں مگر عمومی حالات میں، اعتدالی حالات میں اس قسم کے دعوے تو بے شمار ہیں اور لوگوں کو مصیبت ڈالی جاسکتی ہے۔ life insurance (بیمہ زندگی) کا particular (خاص طور پر) مطلب ہی یہی ہے کہ آپ کی زندگی کے کچھ imbalances (بے اعتدالیاں) اور کچھ خطرات balance (متوازن) ہو جائیں۔ If this is possible you can do۔ it. (اگر ایسا ممکن ہو تو آپ یہ کر سکتے ہیں۔)

سوال: i۔ حضرت امام مہدی کا کردار احادیث کی روشنی میں واضح فرمائیں؟ ii۔ کیا دجال ایک community ہے۔ ایک شخصیت ہے یا کوئی technology ہے؟
جواب: حضرت امام مہدی کا کردار تو شاید نہیں بیان کیا جاسکتا، یہ ان کی personal (ذاتی) حیثیت ہے مگر عالم اسلام کے کسی مازک وقت پر جو کچھ انہوں نے کہا ہے یا جو کچھ ان کی اہمیت ہے، جو کچھ پہلے بتایا جاسکتا ہے وہ میں آپ کو ضرور بتا سکتا ہوں۔ دراصل بہت سی کتب احادیث میں جو تفصیلات ہیں وہ ہمیں صحاح ستہ کی دو صحیحین میں نہیں ملتیں اور بخاری میں صرف ایک حدیث ملتی ہے کہ زمانہ آخر میں مسلمانوں کے گروہ کا سردار ایک نیک آدمی ہوگا۔ پھر کچھ احادیث یہ add (اضافہ) کرتی ہیں کہ وہ آل رسول ﷺ میں سے ہوں گے۔ کچھ احادیث مزید اہمیت ظاہر کرتی ہیں کہ ان کا امام ”محمد ابن عبد اللہ“ ہوگا۔ مگر دراصل قطع نظر اسکے کہ امام مہدی کون ہیں۔ حدیث وہی صحیح ہے جو بخاری کی ہے کہ:

”زمانہ آخر میں مسلمانوں کے گروہ کا سردار ایک نیک آدمی ہوگا۔“

کہ جو بھائے اسلام کیلئے لڑیں گے اور وہ بھی اس طرح کہ جب ایک بہت بڑی کشت و خون اور جنگ و جدل میں مسلمان بے سرو پا اور بے پیار و مددگار پھریں گے تو ان میں سے کسی کو بھی یہ شبہ نہیں رہ جائے گا کہ ہمارا لیڈر کون ہو سکتا ہے اور کسی نہ کسی شخص پر وہ آسرا تو کھل ضرور کریں گے۔

مہدیت کا concept (تصور) اتنا رواں اور اتنا probable (حتمی) تھا کہ دونوں بڑے طبقات شیعوں و سنیوں میں گا بے ہنگا ہے مہدی پیدا ہوتے رہے اور مہدیت کے دعوے

78

ہوں وہ دراصل دوزخ ہوگئی اور جس کو وہ دوزخ بنائے گا وہ جنت ہوگی۔ اگر آپ اس وقت اپنے جوانوں کو اچھی طرح دیکھ لیں تو ایک جملہ زبان زد عام ہے اور وہ جملہ یہ ہے کہ ”جنت تو یورپ میں ہے۔“ میرا خیال یہ ہے کہ یہ فرد بھی ہے community (قوم) بھی ہے اور technology (ٹیکنیک) بھی ہے کیونکہ دجال جس طاقت کے ذریعے اپنے آپ کو confirm (ثابت) کر رہا ہے وہ technology ہے۔

سوال: مسلمان عبادت بھی کر رہے ہیں، ذکر بھی کرتے ہیں، تسبیح بھی کرتے ہیں لیکن جو better off (آسودہ) ہیں وہ Europeans (یورپی) ہیں تو آج کے دور میں ایسے چند اعمال کونسے کیے جائیں جن سے ہماری دنیاوی اور اخروی زندگی بہتر ہو سکے؟

جواب: یہ سوال میرا خیال ہے ہر مسلمان کو اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے۔ عالم اسلام پر زوال عالم اسلام کی وجہ سے ہے۔ نہ انکے مقابل خدا نے کبھی کسی کو غلبہ دیا نہ یہ ہو سکتا ہے مگر میں جب پست ہونے پر مصر ہوٹا تو مجھے کون روک سکتا ہے۔ جب آپ کی قوم اسلامیہ خدا کو ترک کرنے کے بعد اپنا خالق و مالک امریکہ کو سمجھیں گے تو پھر آپ انہیں کیسے روک سکتے ہیں؟ کونسا درس دیں گے ان کو؟ ان کے مذہب کی عملیت کے باوجود اگر آپ ٹکڑے ڈالیں تو ہمارے سمیت تمام اقوام اسلامیہ کسی نہ کسی مغربی یورپ کو خدا سمجھتی ہیں۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ہمیں نفاق کے طور پر رسوا رکھتا ہے بلکہ جب ختم مانا آیا تو ”خواجہ نجم الدین کبریٰ“ اس وقت زندہ تھے تو آپ نے کہا کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ ملائکہ آواز دے رہے تھے کہ اے کافرو! مارو ان منافق مسلمانوں کو۔۔۔۔۔ دوسرا سوال یہ کہ موجودہ دور میں کونسے چند ایسے اعمال ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کیلئے دنیاوی اور اخروی زندگی میں کامیابی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے؟ اعمال تو وہی ہیں۔ جو سب کے علم میں ہیں۔ نیت آپ کی اپنی اپنی ہے۔ اگر مذہب کی نیت خدا ہو جائے تو اعمال ایمان بن جاتے ہیں۔ اگر مذہب کی نیت خدا نہ ہو تو اعمال روز کی مشق بن جاتے ہیں اسکے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔

سوال: آپ نے اپنی تقریر میں E.S.P (extra sensory perception) حسی ادراک کا ذکر کیا تھا۔ کوئی ایسی تعلیم کیا قرآنی حوالے سے موجود ہے جس سے کہ انسان اپنی extra sensory perception بڑھا سکتا ہے؟

جواب: قرآن اور اسلام normally (معیاری حالت) کی تبلیغ کرنا ہے۔ ایک normal

condition (عام حالت) میں اگر خدا کو آپ مانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ایک ایسی فراست عطا کرتا ہے جس میں مبالغہ نہیں ہوتا اور تردید نہیں ہوتی۔ اسکے ساتھ ساتھ آپ کو نبوتِ خالصہ کا چھایا لیسواں حصہ عطا کیا جاتا ہے یعنی بنا رستہ خواب عطا کی جاتی ہے۔

”فراستِ مومن سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے“ (حدیث)

میرے خیال میں قرآن ہوش و حواس اور اعتدال میں جو آپ کو بخش کرنا ہے وہ extra sensory perception (غیر معمولی حسی ادراک) سے بہتر ہے۔

سوال: حضور اکرم ﷺ کے کوئی بیٹے نہ تھے تو پھر آلِ رسول ﷺ کہاں کہاں تک جائز ہے؟

جواب: میرا خیال یہ ہے کہ اگر آلِ رسول ﷺ پوری امت کو قرآن حکیم نے کہا ہے تو بھی زیادہ close (نزدیکی) کو بھی آلِ رسول ﷺ کہا جاسکتا ہے۔

”إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ“ (آل عمران ۳۳)

یہاں حضرت موسیٰ کی پوری قوم کو آلِ عمران کہا گیا ہے۔ اگر اسکو آلِ عمران کہا جاسکتا ہے تو ہمیں بھی آلِ اسلام اور آلِ رسول ﷺ کہا جاسکتا ہے تو پھر ہم سے زیادہ وہ حقدار ہونگے جو نسبتاً بھی حضور گرامنی مرتبت ﷺ کے زیادہ قریب ہونگے اسلئے میرا نہیں خیال کہ اس لفظ کا استعمال غلط ہے۔

سوال: بہت سے دوستوں کا سوال ہے۔ انہیں ایک مسئلہ ہے کسی صاحب سے جو کہ اپنے آپ کو دعوتِ امام مہدی کہتے ہیں اور انہوں نے بہت سی کتابیں بھی اس موضوع پر لکھی ہیں اس بارے میں وہ رہنمائی چاہتے ہیں کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

جواب: بہر حال اگر آپ لوگ تھوڑی سی میری suggestion (تجویز) مانیں تو میں آپ کو ایک صحیح ترین مشورہ دیتا ہوں کہ کسی دن زبردستی ان کو پکڑ کر psychologist (ماہر نفسیات) کے حوالے کر دیں ان کو بجلی کے shock (جھٹکے) لگوائیں اور ان کا psycho analysis (تحلیل نفسی) کرائیں۔ وہ شیئر ہنز تک ہیں اور پانگل آدی ہیں ان کا علاج کروائیں۔

سوال: ایک طرف تو اللہ یہ کہتا ہے کہ میری اجازت کے بغیر پتہ بھی نہیں چلتا اور دوسری طرف ہزاروں جزا میرے اعمال پر ہے۔ یہ مقدر ہے یا میرا اس میں کوئی role (کردار) ہے؟

جواب: دراصل یہ ایک بڑی طویل بحث کی طرف اشارہ کرنا ہے جو شاید بہت سارے مقالات

پر میں کر چکا ہوں مگر جزا و سزا مینا تے پر ہیں کیونکہ اعمال بیا تے سے ہیں اور جیسے بخاری نے حدیث رسول ﷺ کو مرتب کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ بات واضح کی کہ تمام اعمال کی اپنے اپنے انداز میں پر کھان بیا تے سے ہوگی جو آپ کے تن و باطن میں ہیں کہ: ”اَفْعَمَ الْأَعْمَالُ بِالْيَتَات“ اسی طرح اسی وجہ سے ایک آدمی بظاہر ہمیں بڑا برا لگتا ہے مگر اللہ اُس پر کوئی نوازش کرتا ہے۔ اسی طرح بہت ساری ایسی برائیاں ہیں جو ہم کسی انسان میں دیکھتے ہیں اور اُس سے نفرت کرتے ہیں اور اُسکو بیان بھی کرتے ہیں مگر ہمیں اُس خوبی کا پتہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے خدا اُسے بخش دیتا ہے اور اُس پر کرم فرماتا ہے اور یہ مشہور حدیث ہے کہ شیطان سب سے زیادہ ایک فاسق فیاض سے ڈرتا ہے، کہ چاہے وہ فاسق بھی ہو، مگر ایک فیاض اور generous آدمی ہو، اپنے کسی بھی موڈ میں کوئی ایسا احسان، ایسا کرم، ایسی نوازش کر جاتا ہے کہ کسی غریب کے دل سے نکلی ہوئی دُعا اُس کی بخشش کا سہارا بن جاتی ہے۔

سوال: شرک کے بارے میں وضاحت طلب ہے کہ اس کی تعریف کیا ہے؟ کیا اب بھی لوگ شرک کرتے ہیں جو کہ عظیم گناہ ہے؟

جواب: شرک تعلیم پر، علم پر ہے، ہو سکتا ہے کہ بہت بڑا شرک کم تعلیم بھی نہ کرے اور اگر وسیع پیمانے میں دیکھیں تو وہ شرک لگے۔ اگر آپ کسی ان پڑھا آدمی سے بھی پوچھیں کہ خدا کا کوئی شریک ہے تو وہ کہے گا کہ نہیں۔ مگر یہی بات جب کسی اور مختلف انداز سے کی جائے تو شاید اس کے جواب سے آپ کو شرک کی پوچھیں جیسے میں عباس نے کہا کہ کسی سے گلاس پانی کا مانگتا بھی شرک ہے۔ کسی سے یہ کہنا کہ مجھے پانی کا ایک گلاس پلا دے یہ بھی شرک ہے۔ یہ شرک خفی ہے مگر اس قسم کی بات کہنے والے کو شرک نہیں کہا گیا۔ اصل level (سطح) پر ایک واضح شرک تب مرتب ہوتا ہے جب خدا کو ایک مطلق العنان اور واحد source of power (طاقت کا سرچشمہ) نہ سمجھا جائے اور لوگوں کو اس میں داخل سمجھا جائے۔ اُسکی طاقتوں کو بانٹا جائے اور پھر ان سے بھی ویسے ہی مدد طلب کی جائے جیسے خدا سے کی جاتی ہے تو ہم اس کو شرک کہیں گے جیسے christians کا یہ عقیدہ کہ God father اور روح القدس..... اور وہ دراصل روح القدس کو اور بیٹے کو اس کی الوہیت میں شریک سمجھتے ہیں اور اسی موقع پر اللہ میاں کہہ رہا ہے کہ اے نبی آدم تو مجھے گالی دیتا ہے جب تو یہ کہتا ہے کہ میرا کوئی بیٹا ہے۔ آج کل کے زمانے میں اگر سچ پوچھیں تو شرک خفی زیادہ بڑھ گیا ہے۔ بعض اوقات اپنی خواہش اتنی طاقتور ہو جاتی ہے کہ اُس میں

جب آپ اللہ کی مرضی کو بھول جاتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے اور نفس خدا کا مخالف اور شریک بننے کی کوشش کرنا ہے تو پھر وہی نفس بھی شرک کے برابر ہوتی ہے مگر چونکہ ہم زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے اسلئے یہ شرک نہیں کہلاتا۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ کسی متقی شخص کو امتحان میں ڈالتے ہیں تو کیا اس کا امتحان میں ڈالنا ضروری ہوتا ہے جبکہ ایسا شخص جو برّ اور غفلت کام کرنا جس میں زیادہ خوشحال ہے جبکہ متقی شخص بعض امتحانی ٹیکہ دہی کے حالات سے گزرنا ہے اور وہ غفلت انسان کا مقدر اپنے سے بہتر سمجھتا ہے؟

جواب: اصحاب کی مجلس گئی ہوئی تھی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ بخدا کو مت برا کہو، بخدا تمہارے گناہوں کا صدقہ ہے تو ایک شخص نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ تیاری کیا چیز ہے، میں تو کبھی بیمار نہیں ہوا“ تو حضور ﷺ نے کہا: ”تم اُنھ جاؤ میرے پاس سے۔ تم ہم میں سے نہیں ہو۔“ تو غفلت اور صحیح کی تخصیص اور judgement آپ کے پاس نہیں ہوتی۔ یہ معاملہ وہی جانتا ہے جو اندرونی تمام کیفیتوں کا واقف ہے اور خارجی تمام کیفیتوں کا واقف ہے۔ ہماری ان معاملات میں judgement سطحی اور خارجی ہوتی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کا کوئی بھی case جو آپ کی نظر میں ہوگا وہ ضروری نہیں کہ ویسے ہو جیسے آپ سمجھتے ہیں اور عبادت اور تقویٰ جو کچھ بھی آپ دیکھتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ اسکے پس منظر میں مباحات بھی وہی ہوں جو آپ دیکھتے ہیں اور جو برائی اور بدترین کام آپ دیکھتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ ویسے ہی ہوں، کیونکہ اس میں علم کا ناقص ہے اور یہ بات برائے اس شخص کو پتہ ہوتی ہے جسے حضرت موسیٰ اور حضرت کے واقعات پڑھے ہیں کہ بعض اوقات Fourth dimensional intentions (چوتھی جہت کی نیت) اور واقعات کی ترتیب کچھ اور ہوتی ہے اور ہم اس سے کچھ اور مراد لیتے ہیں مگر یقیناً جو اچھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے کوئی زیادتی نہیں کرے گا۔

سوال: اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں وہ نہ ہو۔ اس پس منظر میں منصور حلاج کے نعرہ ”ہیں الحق“ کی وضاحت کریں۔

جواب: اول تو ”وحدت وجود“ کا کوئی concept (تصور) منصور حلاج نہیں رکھتا تھا۔ ”ہیں بن منصور حلاج“ کچھ عرصے پہلے انڈیا آیا تھا اور یہاں اس نے ہندو جوگیوں سے یا ان کے فلسفیوں سے تھوڑی بہت وحدت وجود کے concept پر بحث کی تھی جس میں وہ پختہ کار نہیں تھا اس لئے یہ مثل مشہور ہے کہ وہ وحدت وجود میں ”ہیں الحق“ کہتا تھا مگر جوا سکے اپنے معاصر مؤرخ

ہیں ”نہیں مذہم“ اور ”نہیں نصیر“ وہ دونوں اس پر اچھی رائے نہیں دیتے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑا فراڈ ہے۔ یہی مذہم تو یہ کہتا ہے کہ اس نے اپنے پردے کے پیچھے نالاب بنایا ہوا تھا اور لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ہاتھ ڈال کر پھیلی نکال کے دکھاتا تھا اور کہتا تھا کہ دیکھو یہ ابھی آسمان کے سمندروں سے اتری ہے مگر جو اس کے اوپر واضح قسم کا case بنا ہے وہ یہ کہ اس نے اپنے گھر میں خانہ کعبہ کا ایک image بنا رکھا تھا اور لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ تم اس کا چکر لگا لو تو طواف کعبہ پورا ہو جائے گا۔ اولیاء اللہ نے اسکی تردید اس لئے نہیں کی کہ انہوں نے اس پر اعتبار نہیں کیا مگر تردید اسلئے نہیں کی کہ اسکی شاعری میں کچھ خوبصورت خیال توحید کے بارے میں موجود تھے مگر اس کو ہمیشہ ہی صوفیاء نے مشکوک قرار دیا۔ پرانے صوفیاء نے..... مگر میرے استادوں نے نہیں.....

but i'm very sure the man was absolutely a top opportunist or a schizophrenic who went mad. اپنے آپ کو ”عین الحق“ کہہ دیا تو میرا خیال کہ ہم اس پر زیادہ discussion کر سکتے ہیں بہر حال یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ وجود و شہود کے کسی مظاہرے میں تھا۔

سوال: کیا جتنے بھی آئے وہ pre-planned (پہلے سے مرتب) تھے یا ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں نبوت ملی؟

جواب: بڑا ہی اچھا سوال ہے مگر ویسے تو تمام دنیا کی ترتیت پہلے سے مرتب کر دی ہے۔ قیامت تک ہر واقعہ pre-planned ہے بلکہ قیامت کیا اللہ تعالیٰ دنیا و حقوق کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے سب کچھ لکھ کے فارغ ہو چکا ہے۔ pre-planned تو یہ ہے۔ اگر یہ pre-planned نہ ہو تو پورے کولم میں فرق پڑ جائے اور معاملات دنیا خراب ہو جائیں اور ہم اور آپ سب تباہ ہو جائیں، اسلئے کہ اللہ ہمارے پیٹھے ہمارے فکر ہمارا خیال plan کر کے نہ بھیجے، ہماری روٹی plan کر کے نہ بھیجے تو میرا خیال یہ ہے کہ دنیا ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔ کیا نبوت ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے ملتی ہے؟ یہ بات بھی نہیں ہے۔ اللہ کی judgement (رائے) میں جو شخص اُسے بہتر نظر آیا، جو باقی لوگوں سے افضل و اعلیٰ سوچ کا اور خلق کا نظر آیا انہیں نبوت عطا کی گئی۔ یہ پہلے سے ہی اس کے خیال میں ہو سکتا ہے اور اس کو اسلئے pre-planned بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اسکی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ ”یوم میثاق“ میں جب اللہ نے کہا کہ ”اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ“ تو ایک جماعت نے اُسے سب سے پہلے جحد کیا اور

بیانیہ

سوال: بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا ظلم خدا کے سوا کسی کو نہیں اور قرآن میں ایسا ہے۔ جبکہ آج کی سائنس بہت سے ایسے عوامل بتا سکتی ہے مثلاً ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ بارش کب ہوگی؟ تو کیا سائنس اور قرآن تضاد میں آجاتے ہیں؟

جواب: جی نہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ پورے قرآن، پوری کتاب اللہ بلکہ کچھلی تمام کتابیں بھی مسلسل ایک exception کی نشاندہی کرتی چلی آئی ہیں کہ ایک دور ایک عہد ایسا آئے گا جب ایک community یا ایک فرد دجل و فریب سے اپنی خدائی claim (دعویٰ) کرے گی اور اپنے آپ کو اعلیٰ و برتر سمجھے گی اور خدا کا بطلان کرے گی، اور وہ دجال ہوگی جیسے میں نے پہلے آپ کو حدیث سنائی کہ دجال کو نہ صرف یہ پتہ ہوگا کہ sonography (سونوگرافی) سے کیسے بچے کو جان لیتے ہیں بلکہ دجال genetic strength (جینیاتی طاقت) کے ذریعے ایک اور انسان پیدا کر سکے گا۔ دجال کو یہ بھی پتہ ہوگا کہ موت کا gene کونسا ہے اور delay والا gene کونسا ہے۔ وہ اس پر بھی تو قابو پائے گا تو یہ تمام conditions (حالتیں) باطل ہو سکتی ہیں مگر اسکی اطلاع پہلے سے دجال کے فتنے میں دے دی گئی ہے۔

سوال: آدمی یا سورج گرہن یا چاند گرہن آجکل کی دنیا میں بڑی common practical (عام مشاہدہ کی) چیز سمجھی جاتی ہیں لیکن اس کیفیت میں رسول کریم ﷺ کا گھبراہٹ کیا معنی رکھتا ہے؟

جواب: حضور گرامی مرتبت ﷺ چونکہ باخبر تھے اور قرآن حکیم یہ کہہ رہا تھا کہ بعض لوگوں پر اندھیروں کے عذاب پھینکے گئے۔ بعض لوگوں پر صاعقہ کا عذاب پھینکا گیا۔ نیچ و چگھاڑ کا۔ تو چونکہ ایک نبی اپنے زمانے میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔ If there is one chance out of one thousand وہ اتنا حاکمیت الہیہ پر یقین رکھتا ہے کہ اگر ہزار میں سے ایک chance (موقع) بھی خوف کا ہو تو وہ ڈرتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ چونکہ رسول کریم ﷺ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے تھے تو کبھی بھی اس بات کو Ignore (نظر انداز) نہیں کرتے تھے کہ اللہ کسی وقت بھی مارا ض ہو۔ وہ ایک مکمل ارادہء حاکمیت رکھتے ہوئے، کسی وقت بھی کسی کو مار گزیر نہ سمجھتے ہوئے اس کو تباہ کر سکتا ہے تو بذاتہ یہ عقیدہ ہی خوف ہے۔

سوال: موت کا وقت مقرر ہے جبکہ تاریخ میں بہت سی قومیں (سائنسی ترقی) scientific development کی وجہ سے اپنی average age (اوسط عمر) کو بڑھا چکی ہیں اس

ضمن میں آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب: وہ شعر آپ نے نہیں سنا کہ

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

اب ذرا غور کیجئے تو موت دراصل وہ وقفہ حیات ہے جو خدا نے انسان کو اسلئے دیا کہ وہ according to his capacities (اپنی صلاحیتوں کے مطابق) ایک سوال کا جواب دے سکے۔ تو جو صبح میں نے آپ کو lecture (لیکچر) دیا ہے کہ دیکھئے ایک نتیجہ پر پہنچنے کیلئے نو کروڑ سال لگے اور شاید ایک اقرا خداوند کیلئے آپ کو ستر سال کی عمر لگ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نوجوان کی زندگی کے سترھویں سال میں آئے اسلئے transition (گذارن) ایک گذرتے ہوئے دور اور عہد پر کبھی بھی final opinion (حتمی رائے) نہیں دی جاسکتی ہاں البتہ اگر آپ نیک ہو گئے ہوں اور خدا سے آپکو واقعی انس ہو گیا ہے اور آپ کے اعمال میں کوئی کمی نہ رہی تو سمجھیں کہ آپ مرنے والے ہیں کیونکہ اس کے بعد آپ کی تربیت کی کوئی ضرورت نہیں رہی آپ نے اپنا مسئلہ حل کیا اور چلے گئے..... آپ کو شاید پتہ نہیں کہ لوگ کہتے تھے ”نیکوں کی عمر کم ہوتی ہے“۔ باقی پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا کیلئے یہ بعید نہیں کہ ایک انسان کی عمر بڑھادے اور عرف ہی نہیں بلکہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تو اس پوری دنیا کی عمر پانچ سو برس بڑھا سکتا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو زندگی بڑھلا کسی قومی یا national سطح پر یا ان کے بہتر اعمال کی وجہ سے یا ان کی محنت کی وجہ سے خدا کیلئے کوئی بعید نہیں ہے۔ یورپین کی اوسط عمر اتنی اور آپ کی average عمر چالیس ہے تو یہی میں بار بار stress (زور) کر رہا ہوں کہ اگر ایک قوم باخاطبہ اور ایک اچھے طریقے سے، خلق سے، انسانیت سے، مروت سے، ایمان داری سے حرکت کر رہی ہے تو اللہ ان کی عمروں میں اضافہ کر سکتا ہے۔ یہ کوئی problem (مسئلہ) نہیں ہے۔

سوال: سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 62 میں صالحین اور یہود و نصاریٰ کو بشارت دی گئی کہ ان کیلئے خوف اور حزن نہیں ہے اور مسلمانوں کیلئے بھی یہی ہے یعنی وہ جنت میں جانے کے حقدار ٹھہریں گے۔ ہمارا یہ تصور ہے کہ عرف مسلمان جائیں گے۔

جواب: جی ہاں! یہ قرآن میں آیت موجود ہے کہ ”إِنَّ الْذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ أَكْرَبُ وَالنَّصْرَى وَالصَّابِغِينَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَكَانُوا صَالِحِينَ فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ () مگر میرا خیال ہے کہ صاحبیں کہتے ہیں بدل جانے والوں کو..... جنہوں نے مذہب کو بدل دیا اسی طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے وقتوں میں اپنے اپنے دین کو تسلیم کیا، اپنے پیغمبر کی تصدیق کی تو ان کو ضرور یہ اجر ملے گا مگر اسلام آنے کے بعد جب اللہ نے یہ بالکل clear کر دیا کہ ”إِنِّي الْبَقِيَّةُ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“ تو پھر کسی کا کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا اور یہ آیت بذات خود یہ بتاتی ہے کہ یہ ساری بات ماضی پر جاری ہے کہ جیسے ماضی میں جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے تو خدا ان کو اجر ضرور دیتا ہے مگر اسلام سے پہلے..... اسلام کے بعد اس قسم کا کوئی جدہ اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیا اسلئے کہ خداوند کریم نے واضح طور پر کہا کہ جو شخص اب میرے پاس دس اسلام کے سوا آئے گا ”فَلَا يُقْبَلُ مِنْهُ“ تو میں اسے قبول نہیں کروں گا اسلئے اسلام کے بعد کوئی صابی، کوئی یہودی، کوئی christian، برأت ماضی نہیں پاسکتا۔

سوال: دانش اور جہلت کے توازن کے بہترین درجے پر پہنچا کر اللہ رب العزت نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بہترین تخلیق بنا دیا اور دین کو بھی مکمل فرما دیا یعنی دوسرے الفاظ میں دین کی تکمیل یہ ہے کہ دانش اور جہلت کا بہترین توازن ہو۔ اس حوالے سے غلام احمد قادیانی کے دعویٰ، نبوت کی آپ وضاحت فرمائیں۔ آپ اس کو کیا سمجھیں گے اور آپ اسکو کس طریقے سے رد کرتے ہیں؟

جواب: سچ پوچھیں تو میں اسے تیار سمجھتا ہوں۔ میں ایک چھوٹی سی عام سی بات بتاؤں! جیسے میں نے ابھی Jonathan Swift کے بارے میں آپ سے کہا تھا کہ اس کا پیٹ خراب رہتا تھا۔ مرزا صاحب سے مجھے ہمدردی ہے۔ ساری عمر تو انہوں نے پیاری میں کاٹی اور ایک چیز diarrhoea syndrome (دائجی دست) ہوتی ہے کہ جس شخص کو مستفی diarrhoea (دست) رہتا ہو یا اس شخص کو مستفی piles (ہواسیر) رہتی ہوں تو وہ ایک helucinary syndrome کا شکار ہو جاتا ہے جس میں اسکو بڑے عجیب و غریب خواب، بڑی عجیب و غریب باتیں نظر آتی ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ اپنے زمانے میں مرزا صاحب کو کسی نے مناسب طریقے سے medically چیک نہیں کیا اور رہا یہ سوال کہ وہ کتنے قابل تھی یا عالم تھے۔ یہ بعد کی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم ان کی mental (جینی) صحت کو کسی صورت بھی establish (قائم) نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ He was a sick man and a sick man after all cannot be counted as a challenger to

سوال: سورۃ ال عمران آیت نمبر 113 میں ہے کہ اہل کتاب میں سب کے سب یکساں نہیں ہیں بلکہ اہل کتاب سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ خدا کے دین پر اس طرح ثابت قدم ہیں کہ راتوں کو خدا کی آیتیں پڑھتے ہیں اور براہِ سجدہ کرتے ہیں۔ خدا اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑ پڑتے ہیں اور یہی لوگ تو نیک بندوں میں سے ہیں اور جو کچھ بھی نیکی کریں گے انکی ہرگز مقررہ نیک کی جائے گی۔ خدا پر ہیز گاروں سے واقف ہے۔ یہ اہل کتاب کون لوگ ہیں؟

جواب: یہ اہل کتاب وہ ہیں جنہوں نے یہودی و نصرانی ہو کر شرک نہیں کیا۔ یہودیوں میں وہ لوگ جو حضرت عزیر کو "ابن اللہ" کہتے ہیں وہ ان میں قطعاً شامل نہیں ہیں۔ اصل میں جب کتابیں آئیں جیسے زبور، تورات اور انجیل ہے تو جنہوں نے اپنے انبیاء کے مطابق کتابوں کے پیغام کو سمجھا اور شرک سے پرہیز کیا وہ تو اس آیت کے مستحق ہیں جیسے حواریون عیسیٰ ہیں، یوحنا ہیں، متی ہیں، مرقس ہیں، لوقا ہیں اور برناباس ہیں تو وہ لوگ تو یقیناً اس کے حقدار ہیں کہ وہ جنت کے ان مراحل میں سے گزریں اور ان کو انعام ملے مگر وہ لوگ جیسے سینٹ ہال، جس کے بارے میں فریڈرک نیٹھے یہ کہتا ہے کہ وہ ایک بد باطن یہودی تھا جس نے عیسائیت میں داخل ہو کر اس کی جڑ اکھاڑ دی اور اس میں طحڑانہ نظریات شامل کر دیئے۔ جیسے concept of Mary (تھوڑے مریم) کو غیرہ ہے اور بہت سے معتبر عیسائیوں کے اعلیٰ ترین طبقے بھی ان کو یعنی حضرت عیسیٰ کو son of God (خدا کا بیٹا) نہیں مانتے بلکہ میرا practical (عملی) تجربہ یہ ہے کہ جب میں امریکہ گیا تو بہت سے امریکیوں سے میری بات ہوئی تھی۔ Whether they consider him a son of God. They said no, we do not consider him a son of God, we just consider him a prophet. (آیا وہ انہیں خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، ہم انہیں خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ ہم انہیں صرف ایک پیغمبر سمجھتے ہیں۔) مگر ایک آدھ گروپ ضرور ایسا ہے جیسے رومن کیتھولک ہیں، (Nastorians) نیسٹورین ہیں کہ جو آگے بڑھتے ہوئے اس قسم کے شرک سے کام لیتے ہیں تو انکے لیے یہ آیت کسی طور پر بھی نہیں ہے اور دوسرے یہ آیت ان لوگوں کیلئے ہے کہ جنہوں نے اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے حضرت عیسیٰ کا توسط اختیار کیا پھر جب رسول اللہ ﷺ آئے تو ان کی وجہ سے اللہ کا

قرب تلاش کیا اور ان میں حضرت سلمان فارسی جیسے لوگ بھی ہیں۔

سوال: قرآن مجید میں آتا ہے کہ ”جب تیرے مالک نے جلا دیا کہ وہ ضرور قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو حاکم کرے گا جو ان کو بڑی تلکافیں دیتے رہیں گے۔ (۱۶۷:۷) یہ تمہارے رب نے بتا دیا ہے کہ یہود و نصاریٰ پر، قیامت کے دن تک کسی ایسے شخص کو مسلط کر دے گا جو انہیں دردناک عذاب دیتا رہے گا جبکہ موجودہ صورتحال اسکے برعکس نظر آ رہی ہے، یہود و نصاریٰ بظاہر غالب نظر آ رہے ہیں، اسکی تشریح فرمائیں۔

جواب: دیکھئے عذاب سے مراد یہ نہیں ہے کہ چوبیس گھنٹے اور ہر وقت ان کی مار پیٹ ہوتی رہے۔ عذاب سے مراد یہ ہے کہ اللہ میاں نے انہی کے بارے میں کہا کہ تم اگر لوٹ جاؤ گے تو میں لوٹ جاؤں گا۔ تم پلٹ آؤ گے تو میں پلٹ آؤں گا تو قوم یہود کو اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر تین بڑی قیامتوں کے عذاب کا وعدہ دیا اور وہ پوری ہو چکی ہیں اور ایک عذاب آخرین کا وعدہ دیا جو کہ شاید جلد ہی پوری ہونے والی ہے تو دراصل عذاب سے مراد شاید یہ نہیں ہے کہ اس میں چوبیس گھنٹے کا عذاب ہے بلکہ ایک قوم جب سرکردگی، عزت اور بلندی کیلئے جدوجہد کرتی ہے اور جب وہ عین اپنے مقام عزت پر پہنچتی ہے تو خدا ان کے گھروں کو برباد کر دیتا ہے ان کے کنوئیں ابا ز دیتا ہے۔ انکی عورتوں کو قید کر دیتا ہے اور ان کے بچے قتل کر دیتا ہے جیسے یہودیوں کے ساتھ ہمیشہ تاریخ میں ہوا۔ ایسا ان کے ساتھ second world war (دوسری جنگ عظیم) میں ہوا کہ They were controlling the economy of Germany and Europe. جب وہ جرمنی اور یورپ کی معیشت کو کنٹرول کر رہے تھے تو ہٹلر ان پر پانک آگ کی طرح آن پڑا اور لاکھوں کروڑوں یہودیوں کو اس نے تہہ وبالا کر دیا۔ اسی طرح بخت نصر کے زمانے میں ہوا ”جسے بوکدنڈز“ Cassidians بھی کہتے ہیں۔ بوکدنڈز کے بادشاہوں سے لیکر آج تک یہودیوں پر ہمیشہ یہ کیفیتیں گزرتی رہیں مگر کسی کیفیت کے گزرنے کیلئے بھی تو یہ ضروری ہے کہ وہ ایک قوم کی حیثیت اختیار کریں۔ یعنی ایک یہودی کو اگر پاکستان میں مار دیا جائے تو اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ خدا نے اسے عذاب دیا۔ کسی قوم کو عذاب دینے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس قوم کو کسی صورت میں اکٹھا اور یکجا کیا جائے اور پھر اس سے بچا جائے تو میرا خیال یہ ہے کہ اس مرتبہ اللہ نے بروہم کو ان کے عذاب کیلئے چنا ہے۔ ان کو اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ اگر باز نہ آئے تو وہی ہوگا جو پہلے ہونا رہا ہے۔

سوال: قرآن مجید میں ہے ”قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ“ جب فرشتوں نے انسان پر اعتراض کیا تھا کہ یہ زمین میں فساد پھیلائیں گے۔ ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو فرشتوں کو اس کا علم کیسے تھا کہ انسان فساد ہی ہے یا فساد کرنے والے ہیں۔ اگر دنیا میں سب کچھ pre-planned (پہلے سے مرتب) ہے اور اللہ تعالیٰ پچاس ہزار سال پہلے سب کچھ لکھ کے فارغ ہو چکے ہیں تو پھر آج کل اللہ میاں کیا کرتے ہیں؟

جواب: اصل میں یہ سوال بڑا اچھا ہے آپ کی غلط فہمی یہ ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ میاں صرف ایک ہی دنیا بنا کر اس کی مصیبت جھیل رہے ہیں مگر خداوند کریم اتنا بڑا اخلاق عالم ہے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ میں America گیا تو میں نے وہاں کے senior professor of mathematics (حساب کے بڑے پروفیسر) سے کہا کہ قرآن جو نظریہ دیتا ہے۔ وہ seven universes (سات کائناتوں) کا ہے seven earths (سات زمینوں) کا نہیں ہے۔ seven earths اور seven universe کا ہے۔

And you believe in a single universe and a single earth. (اور تم صرف ایک زمین اور ایک کائنات کا یقین رکھتے ہو) تو وہ مجھے کہنے لگا کہ اب تو mathematics، quantum، relativity، میں، options (گنجائش) اتنے open (واضح) ہو چکے ہیں کہ میں انکار نہیں کروں گا مگر ہمارے پاس ایسے کوئی ثبوت نہیں ہیں کہ universes میں اور بھی big bang (بڑے دھماکے) ہوئے ہیں کہ نہیں ہوئے۔ اس کے بعد میں نیویارک واپس آ گیا تو مجھے ایک بڑا تیز طراز چنگاڑنا ہوائی فون ملا تو اس نے کہا کہ professor you could be right (پروفیسر اگلتا ہے کہ تم ٹھیک کہتے ہو) میں نے کہا: ”کیسے؟“ کہنے لگا کہ ہبل نے ایک نئے big bang کا سراغ لگایا اور ایسے لگتا ہے کہ یہ کسی پرانی کائنات کا دوسرا big bang ہے یا کسی نئی کائنات کے بننے کا big bang ہے خدا کہتا ہے کہ میں ہر روز نئی شان سے ظہور ہوتا ہوں۔

بر لختہ شان حسن بدلتی رہی جگر

بر آن ہم جہان جگر دیکھتے رہے

تو خدا کو کسی ہل چھین نہیں ہے۔ کوئی ہل اس کے آرام کا نہیں ہے۔ ”لَا تَأْخُذْهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ“ اس کا ہر روز ایک نئی تخلیق کا pattern ہے۔ ایک سوچنے والا مکمل دماغ، علم و حکمت کی متاع

ہے۔ اُسکے بارے میں اس بات سے اندازہ لگائیں کہ میں جو اپنی حالتوں کے چنگل میں پھنسا ہوا ایک چھوٹا سا انسان ہوں اور ایک منٹ کیلئے بھی میرا دماغ نہیں سوتا۔ اگر آپ کو پتہ ہو دماغ کی اندرونی کاروائی..... کہ آنکھیں سوتی ہیں مگر دماغ نہیں سوتا۔ یہ constant awakened, (مستقل بیدار) ہے۔ یہی ہمیں اُس خدا کی خبر دیتا ہے جو ایک بل بھی کسی چیز سے غافل نہیں۔ اگر میں نہیں سوتا، میرا دماغ نہیں سوتا تو وہ کیسے ہو سکتا ہے۔

سوال: ہر سال شب قدر میں کیا ہوتا ہے؟

جواب: قدر چائنس اور اندازے کو کہتے ہیں اور میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ خدا کو general scheme (عام سکیم) میں سے case, particular (خاص سکیم) جدا کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ scheme, general چل رہی ہوتی ہے اور اسکی judgement ہو رہی ہوتی ہے تو میں جبرئیل یہ بتاتا ہے کہ اس شخص میں ذرا زیادہ quality (املیت) ہے اللہ کی فہم و فراست کی تو پھر اللہ کے حکم سے جبرائیل امین اُسے چھوٹے ہیں اور وہ exceptional (غیر معمولی) قرار دیا جاتا ہے۔ اُسے باقی community (جماعت) سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اُس کو خصوصیت سے کوئی شرف عطا کیا جاتا ہے اور خدا کی محبت سے اُسے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔ یہ exceptional cases (غیر معمولی واقعات) ہیں۔ شب قدر تو جماعتوں کو بہت کم نصیب ہوتی۔ بڑی مشکل سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی بڑی community کو شب قدر نصیب ہوتی ہو بلکہ گا ہے بگا ہے خال خال کوئی ایک individual (فرد) اس special choice (خاص چناؤ) کے تحت آ جاتا ہے جو record سے باہر بھی ہو سکتا ہے اور پہلے سے record کے اندر بھی ہو سکتا ہے۔

سوال: Numrology یا پامسٹری کے علوم کا کیا مقام ہے اور شرع میں اسکی کیسی اجازت ہے؟

جواب: Numrology، پامسٹری اور astrology وغیرہ یہ زن و تجمین کے علوم ہیں۔ تمام علوم سے انسان عاجز یا دیکھ واکھ کے یا مثال سے ایک guess (اندازہ) لگاتا ہے کہ اگر یہ لائن، یہ ہاتھ اس قسم کا ہو تو اسکی nature (فطرت) یہ ہو سکتی ہے۔ ”اسکا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا اور کہا کہ تم لوگ انگل پیچ سے کام لیتے ہو۔ تم خناس ہو، تم اندازے لگاتے ہو اور تقدیر اس قسم کا اندازہ نہیں ہے اور اللہ اندازے نہیں لگاتا بلکہ ایک definitive plan (حتمی منصوبہ بندی) سے کام کرتا ہے۔ اس کے لئے تو کوئی ممانعت نہیں مگر جب آپ کسی شخص کو یہ کہیں گے کہ تو اس

لیے تیار ہے کہ تیرے ہاتھ کی ٹیکر میں تجھ پر مریخ ٹکرائے ہے یا یہ ٹکرائے ہے تو آپ کفر کا ارتکاب کرتے ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بارش ہوے اور کوئی شخص یہ کہے کہ یہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی تو اس نے کفر کیا اور جس نے یہ کہا کہ یہ خدا کی وجہ سے ہوئی تو وہ ایمان والا ہے۔ اس لیے اگر آپ غور کریں تو astrology میں عموماً یہ لفظ کہا جاتا ہے کہ اس شخص پر فلاں ستارہ حاکم ہے۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اقبال نے ٹھیک بات کہی تھی کہ

ستارہ کیا تجھے افلاک کی خبر دے گا

جو خود فراخیء افلاک میں ہے زار و زبوں

دراصل انسان سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں ہے۔ انسان اپنے ذہن سے ان چیزوں کو اہمیت دیتا ہے۔ انسان ان لاکھوں کو اہمیت دیتا ہے اور ان کے معانی نکالتا ہے۔ یعنی انسان ہی ان کو اہمیت دیتا ہے اور انسان ہی اگر چاہے تو ان کی اہمیت ختم کر سکتا ہے۔

سوال: کچھ لوگ خواب میں رسول پاک ﷺ کی زیارت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ بات کہاں تک ممکن ہے؟

جواب: عزیز گرامی! یہ بڑا tricky (پیچیدہ) سا سوال ہے بہت سے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ under guilt conscious یا اپنے کسی احساسِ جرم کی خاطر اتنے heavy stress (شدید دباؤ) میں آتے ہیں کہ کسی بزرگ کو دیکھنے کو زیارت رسول ﷺ قرار دیتے ہیں مگر جیسے اُھر حد پر رسول ﷺ موجود ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے گویا مجھے دیکھا اور ایک شیطان میری صورت پر خواب میں نہیں آ سکتا۔ مگر بالآخر اس وقت ہوتا ہے کہ جب ایک شخص یا کسی بھی فرد کو یہ تصور سامنے آئے کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے تو یہ اس کی اپنی internal mistake (اندرونی غلطی) ہوتی ہے نہ یہ خواب کی ہوتی ہے نہ figure head کی ہوتی ہے۔ اگر آپ غور کریں تو اس قسم کے اتنے cases ہمیں نظر آتے ہیں جو چینی طور پر الجھے ہوئے، احساسِ جرم کا شکار، مصیبتوں میں الجھے ہوئے لوگ اپنے مسائل سے نجات کیلئے کسی نہ کسی بزرگ کا دیدار ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی 'understanding' psychic (نفسیاتی سوچ) ہے کہ میں ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں تو psychology (نفسیات) میں ہم دیکھتے ہیں کہ پانچ یا چھ cases عام ہیں کہ under pressure (دباؤ کا شکار) اور مصیبت زدہ آدمی عموماً یہ دیکھتا ہے کہ میں آج اس مزار میں تھا۔

میں نے بڑی دور ایک مزار دیکھا ایک بزرگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ اللہ بھلا کرے گا۔ دراصل یہ defence mechanism (مدافعتی طریقہ کار) ہے جو انسان کی نفسیات اس کیلئے اختیار کرتی ہے اور اس mechanism کے حصول میں یہ ضروری نہیں کہ ہر بندہ جو یہ کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے تو اس نے واقعی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ چونکہ خواب کا اپنا mechanism ہوتا ہے۔ understanding ہوتی ہے اور جب تک ایک باریک ترین سمجھ بوجھ کیساتھ اس خواب کی تفصیل میں نہ جایا جائے اس آدمی کی psychology (نفسیات) کی تفصیل میں نہ جایا جائے ہم قطعاً یہ یقین نہیں رکھتے کہ اس نے اللہ کو دیکھا ہے۔ اگر حالات مارل ہوں، معتدل ہوں اور ایک آدمی کو یہ خواب میں بنا رت دی جائے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھے تو اس پر یقیناً غور کیا جاسکتا ہے مگر ہر دعوے کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ کم از کم میری زندگی میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو یہ دعوے کرتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں کہ ہم نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ ان کے بارے میں میں سوچتا ہوں کہ ان کی وہ حالت نہیں ہوتی نہ وہ اپنے کردار و اخلاق و ذہن سے اس calibre (اہلیت) کے ہوتے ہیں کہ ان پر اس دعوے کی تصدیق ہو سکے۔

سوال: صحیح راستے پر چلنے کی طلب کو شش کرنے سے پیدا ہوتی ہے یا اللہ کی دین ہے؟
 جواب: سچ پوچھئے تو approach (رسائی) سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک انسان صرف خواہش کرتا ہے کہ پروردگار مجھے ہدایت دے، مجھے ان لوگوں کا ساتھ دے جن پر اس نے انعام کیے تو میرا خیال یہ ہے کہ خدا "تا بے درختی والا نہیں ہے کہ نوبت "سلام" تک نہ پہنچے وہ یقیناً اس فرد کو اپنا رستہ دکھاتا ہے۔ اپنی صحبت و خلوص کی راہیں دیتا ہے مگر یہ آپ پر depend کرنا ہے کہ بحیثیت انسان آپ اپنی زندگی میں کس شخص کی کس شے کو معزز و محترم سمجھتے ہیں۔ اگر اللہ آپ کیلئے matter کرنا ہے۔ اگر اللہ آپ کے شعور میں کوئی حیثیت رکھتا ہے تو آپ یقیناً جاننے کہ اللہ آپ کو ضرور راہ و ہدایت دیتا ہے۔

سوال: کیا تمام پنجبر جزیرہ عرب پر ہی آئے یا اور علاقوں پر بھی بھیجے گئے؟
 جواب: ہر جگہ دنیا کے ہر مقام پر، جہاں جہاں communities (قومیں) آباد تھیں، جہاں جہاں قومیں مختلف زبانیں بولتی تھیں، اس زندگی کے تمام مظاہر و مقامات پر پنجبر آئے۔ کسی قوم کو اس وقت تک تباہ نہیں کیا گیا جب تک اس پر پنجبر نہیں آئے۔ "إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ"

(مگر اس قوم کی زبان میں) جیسے آپ مونیجو دزو کو خدا پالٹی سے تباہ شدہ دیکھتے ہیں تو لازمی بات ہے کہ مونیجو دزو پر بھی کوئی prophet گزرے ہو گئے۔ اسی طرح ہڑپہ میں دیکھتے ہیں کہ ایک تہذیب تباہ شدہ ہے تو وہاں بھی کوئی نہ کوئی پیغمبر ضرور ہو گئے جیسے آپ نے دیکھا کہ اٹلی میں Mount Vesuvius اگلا اور پوری کی پوری ایک civilization (تہذیب) تباہ ہو گئی۔ دنیا کے ہر کونے اور ہر تہذیب میں جہاں جہاں انسانوں کے گروہ آباد تھے اللہ نے انہیں تباہ کرنے سے پہلے پیغام دیا۔ تکمیل دی اور اسکے بعد جب ان کی مافرمائی کو record (ریکارڈ) کیا تو پھر انہیں تباہ کیا۔

سوال: اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے مانگو اور میں دیتا ہوں تو پھر ہماری تمام دعائیں اللہ کیوں پوری نہیں کر دیتا؟

جواب: اس کا قرآن نے بڑا سادہ سا جواب دیا ہے ”وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ“ کسی چیز سے تم کراہت کھاتے ہو اور اس میں تمہارا فائدہ ہوتا ہے۔ تم اللہ سے وہ چیز نہیں مانگتے۔ بعض اوقات میرا فائدہ ہی میرے نقصان میں ہوتا ہے۔ آج صبح کی مثال لے لیجئے everybody was upset, every body was worried ہر آدمی پریشان تھا کہ آج سیشن نہیں ہوگا۔ برا آدمی آسان دیکھ رہا تھا۔ I have no worries. I went up there, I told myself. But you think I should be worried. I'm not worried. میں نے کہا کہ اگر آج سیشن نہیں ہوتا تو ایک اچھی بات جو میرے ساتھ ہوگی کہ میں ایک طویل گفتگو سے بچ جاؤں گا اور میرے نزدیک میرا ایک مسئلہ ہے کہ جو کھانا میں نے احباب کیلئے پکایا ہے وہ ضائع نہ جائے۔ تو میری یہ خواہش تھی کہ اگر session نہ ہو اور بارش برتی رہے اور ہم زیادہ ٹھنڈا کر کے لوگوں کو کھلائیں گے تو ان کو بھوک زیادہ لگی ہوگی۔ وہی واقعہ پیش آیا، بھوک اتنی لگی ہوئی تھی کہ جھوم بھی ہو گیا اور suddenly جھلت غالب آ گئی۔ میرا خیال ہے کہ جھلت پر لکچر دینے کا یہ اثر ہوا ہے۔ ”وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ“ (کسی چیز سے تم کراہت کھاتے ہو اور اس میں خیر ہوتی ہے) ”وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ“ (کسی چیز سے تم محبت رکھتے ہو اور اس میں شر ہوتا ہے) ”وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ (اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) زندگی میں سب سے بڑی خوشی کا مقام یہی ہے اور آپ کو اس کی خوشی ہونی چاہیے جیسے آپ ہر مسئلے

کیلئے کسی استاد سے رجوع کر سکتے ہیں۔ انسان کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ کائنات کا سب سے بڑا عالم اُس پر نظر رکھتا ہے۔ ”وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ“ کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے تم تو ہمیشہ وہ چیز طلب کرو گے جو حقیقی طور پر خوش آئند ہے اور ہمیشہ اُس چیز سے پرہیز کرو گے جس میں ایک وعدہ اور امید افزا بات نہیں مگر اللہ جانتا ہے کہ آگے چل کے کوئی چیز مفید ہے اور کوئی نہیں۔ حاصلے بہت سارے محبت کرنے والے نوجوانوں کو میں اکثر یہ نصیحت دیتا ہوں کہ اللہ میاں اسکے حق میں نہیں ہوگا کیونکہ وہ تو کہہ چکا ہے کہ ”وَعَسَى اَنْ تَكْبُتُوا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ“۔

سوال: کیا وحی صرف نبی پر نازل ہوتی ہے یا دیگر انسانوں پر بھی جبکہ قرآن تو چوٹی اور کبھی پر بھی وحی کا ذکر کرتا ہے؟

جواب: وحی کا مطلب ہے، سرلی الاثر پیغام رسانی، یہ special frequency (خاص فریکوئنسی) کا نام ہے کہ انتہائی برق رفتاری سے message convey (پیغام پہنچانا) کرتا۔ یہ وحی کا مطلب ہے۔ اب اُس message میں لفظ بھی ہو سکتا ہے اور general category of message (پیغام کی کوئی عام قسم) بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ اپنی طرف سے تو کسی کو بھی وحی کر سکتا ہے مگر وہ وحی جو فرشتوں سے مخصوص تھی یا جو کتاب سے مخصوص تھی اب دوبارہ زمین پر نہیں ہوتی۔ اب بھی اللہ شاید ہر روز کئی اشیاء کو وحی کرنا ہوگا مگر انسانوں کو وحی نہیں ہو سکتی۔ وہ chapter close (باب بند) کر دیا گیا message of God (خدا کے پیغام) کے توسط سے کسی قسم کی وحی کا chapter (باب) ختم کر دیا گیا اور ”خاتم النبیین“ کی حیثیت اسی لیے ہے اور نبی کا وجود اسی لئے ہے کہ اُسے غیب کی خبر کسی نہ کسی source (ذریعے) سے دی جاتی ہے اور وہ خبر دی جاتی ہے جو اسکے علم اور معلومات میں نہیں ہوتی۔ وحی اُس source of knowledge (علم کے ذریعے) کو کہتے ہیں جو انتہائی خفیہ طریقے سے اور سرعت کے ساتھ کسی کو پہنچایا جاتا ہے۔ یہ frequency اب اللہ میاں نے withdraw (ختم) کر دی۔ یعنی ایک خاص frequency پر خدا اپنے پیغمبر سے کلام کیا کرتا تھا اور اُس frequency کی مثال یہ ہے کہ جیسے چٹانوں پر پتھروں کی زنجیر رگڑنے سے آواز آتی ہے، ایسے آواز آتی تھی اور فرشتوں کے دل دہل جاتے تھے۔ اب اس frequency پر اللہ بات نہیں کرتا۔ اب کوئی اور frequency ہے۔ مثال کے طور پر جب میں کہتا ہوں کہ تسبیح سے ہم dial کرتے رہتے

ہیں۔ And somewhere some may touch that frequency۔ (اور
 کہیں پر کوئی اُس فریکوئنسی کو چھو لیتا ہے) اور خدا بھی pick up (وصول) کر لیتا ہے۔ He
 says, hello how are you! my man (وہ کہتا ہے، تم کیسے ہو اے میرے
 بندے!)

سوال: کیا رسول پاک ﷺ کا فیض بالکل اسی طرح جیسا صحابہ کرامؓ تک براہ راست پہنچتا تھا
 ہم تک پہنچ رہا ہے؟

جواب: سچی بات پوچھیے تو اُن سے زیادہ پہنچ رہا ہے۔ اصحاب رسول ﷺ کو جو فیض پہنچتا تھا اُن
 سے زیادہ ہمیں پہنچا ہے۔ ہمیں یہ رعایت شامل ہو گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فراق بھی ہمیں پہنچتا
 ہے اور جدائی بھی پہنچتی ہے۔ اپنی محرومی کا یہ احساس بھی پہنچتا ہے کہ اے کاش! ہم بھی مدینے کی کسی
 گھر میں اُس زمانے میں کھڑے ہوئے اور نبی مرسل ﷺ کو گذرتے ہوئے دیکھ پاتے۔ اُس لیے
 میرا خیال ہے میرا یقین ہے کہ اصحاب رسول ﷺ پر جو رحمت کی چھاؤں تھی ہوتی تھی اور حضورِ گرامی
 مرتبت ﷺ نے اس کا اظہار بھی کیا۔ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے حضور ﷺ کی آنکھوں میں
 آنسو آ گئے تو اصحابِ خوفزدہ ہو گئے کہ شاید ہم سے کوئی گستاخی ہوئی۔ پوچھا گیا: ”یا رسول
 اللہ ﷺ! ہم سے کیا گستاخی ہوئی؟“ فرمایا: ”نہیں، میرے آنسو اُن لوگوں کی یاد میں آ گئے جو
 میرے بہت بعد آئیں گے۔ جنہوں نے مجھے دیکھا نہ ہوگا۔ جنہوں نے مجھے سنا نہ ہوگا اور وہ
 میرے بارے میں ذاتی طور پر کچھ نہ جانتے ہو گئے مگر مجھ پر تمہاری طرح ایمان لائیں گے اور
 تمہاری طرح مجھ سے محبت رکھیں گے۔“ خدا کے فضل و کرم سے اُن کے اُن آنسوؤں کی برکتیں ہم
 تک پہنچتی ہیں۔ وہ درد جو ہمارے پیغمبر کے دل میں ہمارے لیے پیدا ہوا وہ ہمارے دلوں میں بھی
 اُن کیلئے پیدا ہوتا ہے۔ آیت تو وہی ہوگی: ”فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ“ اگر اللہ کو یاد کرو تو اللہ جواب
 دیتا ہے اسی طرح اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو یاد کرو گے تو وہ بھی جواب دیتے رہیں گے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ.

حدیث رسول ﷺ تحقیق جدید کے تناظر میں

أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَّسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

خواتین و حضرات! یہ موضوع میرے لیے بہت ضروری تھا، بہت مدتوں سے خواہش تھی کہ بہت سارے لوگوں کے درمیان حدیث کی حیثیت پر بات کروں۔ بہت سارے جدت پرست ذہن حدیث کو غیر ضروری سمجھنا شروع ہو گئے تھے اور حدیث پر غیر ضروری کلام ہو رہا تھا اس لئے ضروری تھا کہ آپ کو بتایا جائے کہ حدیث کیا ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے۔

بسا اوقات مدتوں کتاب پڑھنے سے وہ علم اور معلومات حاصل نہیں ہوتیں جو فوری طور پر بات کہنے سے، بات سمجھ میں آ جاتی ہے مگر اس سے پہلے میں یہ ضرور کہوں گا کہ بہت عرصہ دیر کی وجہ یہ ہوئی کہ مجھے جرأت نہ تھی۔ حضور گرامی مرتبت ﷺ کے بارے میں گستاخی کا انجام تو سب ہی کو علوم ہے مگر بسا اوقات ان کی شان میں، ان کی حمايت اور تعریف و توقیر میں بھی کلام کرنے میں انسانی زبان کی ایسی لغزشیں وارد ہوتی ہیں کہ اگرچہ بظاہر چاہے وہ عقیدت کا کتنا بڑا مظاہرہ ہی کیوں نہ ہو انسان کو انجام کی کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب

کچھ لوگ اونچی آواز میں حضور ﷺ سے بات کرتے تھے تو قرآن میں کلام آگیا کہ ایسا نہ ہو کہ اس انداز میں حضور ﷺ کے بارے میں بات کرنے سے تمہارے تمام اعمال دین و دنیا غارت کر دیئے جائیں اور ایسا نہ ہو کہ آپ جنم کے سزاوار ہو جائیں۔

”بَايِهَ الَّذِينَ آمَنُوا الْاَتْرَ كَعُوا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحِيطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ“ (۲: ۲۹)

اہل فہمائش و تنبیہ ایک بڑا پرانا مشہور فارسی کا قول پڑھتے ہیں کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

کہ اللہ کے حضور جو چاہو کہہ لو۔ اسنے آپ کو بتایا ہے، وہ آپ کی خرابی اور خوبی کو اتنی اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ اس کو کسی بھی قیمت پر حیران نہیں کر سکتے مگر جب ذکر رسول ﷺ ہو تو آپ کو بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ کوئی ایسی بات اللہ کے رسول ﷺ سے منسوب نہ ہو جس کا آپ کو یقین نہ ہو۔ کوئی ایسی گھٹک اور ایسی حدیث quote نہ کی جائے جس کی آپ کے پاس سند یافتہ شہادت نہ ہو۔ ایک حادثہ ہمارے ہاں بہت common نظر آتی ہے کہ جس چیز میں بھی ہمیں سہولت میسر ہو ہم بڑی آسانی سے اس کو حدیث کہہ لیتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی نہیں پتہ ہوتا کہ وہ کسی راہ چلنے کی کہادت ہے یا کلام رسول ﷺ ہے۔ آج کے اس درس میں I will only highlight the sayings of Prophet. کہہ کیے اسحتمات گزرے ہیں اور کس انداز کی اس کی اہمیتیں ہیں۔ یہ سب اللہ میں آج کی گھٹکوں میں آپ کو ضرور بتانے کی کوشش کروں گا۔

یہ جسامت کلام اسرار کے وقت اللہ سے مغفرت طلب کرنے والوں کیلئے ہے اور ان کیلئے جن کی زبانیں ذکر رسول ﷺ سے ہمیشہ معطر رہتی ہیں۔۔۔۔۔ جن کی پیٹانیاں مطلع انوار ہیں۔۔۔۔۔ جن کے دل غلوس و وفا سے مہر و محبت سے معطر رہتے ہیں۔ اخلاص سے منور جن کی چشم بائے نم آلود غم مصطفیٰ سے اور محبت مصطفیٰ سے جلا پاتی ہیں۔۔۔۔۔ جو قلب و ذہن کی مکمل ہم آہنگی کے ساتھ خدائے بزرگ و برتر کے سایہ لا زوال میں زندگی بسر کرتے ہیں،۔۔۔۔۔ جو ز جہات حیات میں محبت رسول ﷺ کو ہر جذبہ و آرزو سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔

صبح کائنات ابھی افسردہ و جمال تھی۔ جملہ تخلیقات ابھی مقاصد تخلیق سے ما آشنا تھے۔ صحرائے حیات ابھی قافلہ حیات کے نقش پا سے ما آشنا تھے۔ چشمہ ہائے آب نقش سراب تھے

تھے جنہم وصالِ عارضِ گل کو ترستی تھی۔ جھوم سیارگاہ اپنے محوروں پر پریشان اور سرگرداں تھے۔
 خشیتِ الہی سے ہر پہاڑ لرزاں لرزاں تھا۔ وجود آگئی کو ترس رہے تھے کہ محورِ کائنات میں رب
 ذوالجلال کی صدائے کریم گونجی اور فرمایا کہ اے مخلوقات مجھ سے ڈرو نہیں، میں نے تمہیں پیدا
 کرنے سے پہلے ایک اصول اور ایک قانون اپنی ذات پر لاگو کر لیا ہے: ”وَكُنْزُكَ عَلَىٰ نَفْسِكَ
 وَحِمَّةٌ“ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اپنی تمام مخلوقات اور موجودات پر رحمت کی نظر رکھوں گا،
 میں انہیں کسی عذاب سے آشنا نہیں کروں گا۔ اگر ان میں خوئے تسلیم و رضا ہوئی تو میرے ہاتھ
 سے کبھی رنج نہیں پائیں گے مگر شاید کائناتوں والا سے اترتی ہوئی اس صدا پر ہمیں اعتبار نہ ہوتا تو
 ربِ کریم نے ہمیں رحمتِ مجسم کا ایک وجود بخشا اور کہا کہ اگر تمہیں دور کے اشاروں پر اعتبار نہیں
 ہے تو میں ویو جو دمتر تمہاری تسلی کی خاطر تمہارے درمیان میں رکھ رہا ہوں: ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ
 إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ یہ جو میرے رسول میرے محمد ﷺ ہیں یہ نبی خاتم النبیین ہیں۔ ان کو میں
 نے تمہارے لئے رحمتِ عالم بنا کر بھیجا ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ کو پیدا کرنے سے پہلے چالیس برس
 تک اللہ نے انہیں دو خصوصیات سے آشنا فرمایا۔ یہ دو خصوصیات کس لئے تھیں؟ یہ لوگوں کیلئے نہیں
 تھیں۔ اگر صداقت اور امانت کے ان کے القابات دیکھے جائیں تو وہ صادق تھے اور امین تھے مگر
 لوگوں کیلئے نہیں۔ ایک بہت بڑی حکمتِ عالیہ کے تحت وہ صادق اور امین کہلوائے گئے۔

اس زمانے میں جب یقین و اعتماد کا ایک بہت بڑا بحران تھا اور قرآن کا مازل ہوا
 کائنات کا ایک بہت بڑا event (واقعہ) تھا۔ مگر وہ کس کی زبان سے ادا ہوتا؟ کون کہتا کہ یہ
 قرآن ہے اور اگر وہ مازل بھی ہو جاتا تو لوگ کس پر اعتبار کرتے، کس کی بات مانتے کہ یہ وحی
 الہی ہے؟ صرف اس ایک بات کے لئے چالیس برس تک اللہ نے اپنے نبی کو صادق اور امین
 کہلویا۔ صادق اس لئے کہلویا کہ اس کی زبان مبارک سے مذاق میں بھی کبھی غلط بات نہیں نکلتی۔
 مزاج بھی کبھی رسول ﷺ نے ایسی بات نہیں کی۔ ایسا لوحِ حضور ﷺ کی زندگی میں نہیں گزرا، ایسی
 کوئی دلیل اور بات سرکارِ رسالت ﷺ کی زندگی میں نہیں گزری جس میں کسی قسم کی غلط بیانی کا
 اشتباہ ہو جی کہ ابو جہل جیسے سخت ترین دشمن سے جب شریقی بن افس نے پوچھا کہ محمد ﷺ کیا
 کہتے ہیں تو اس نے کہا کہ بھل اور عزنی کی قسم ہے کہ محمد ﷺ سچ کہتے ہیں۔ ان کے بدترین
 دشمنوں سے بھی اللہ نے اس صداقت کا اعتراف کروایا۔ ایک اور بات بھی بڑی ضروری تھی کہ
 رسول اللہ ﷺ اشیاء اور ذمہ داری کو پوری امانت سے ادا کر سکتے تھے یا نہیں کرتے تھے۔ امین اس

لیے کہلویا کہ ان سے کبھی کوئی امانت ضائع نہیں ہوئی۔ جتنا لوگوں کو محمد ﷺ کی امانت پر اعتبار تھا زمانے میں کسی پر بھی نہیں تھا۔ جب قرآن کو بحیثیت امانت اتارا گیا اور رسول ﷺ کے سینے اور زبان پر اتارا گیا تو اللہ کو یہ پورا پورا یقین تھا اور خدا قرآن میں یہ فرماتا ہے کہ ہم اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں کہ یہ امانت کس جگہ قائم کی جائے گی اور اس نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ سید محمد ﷺ جیسا امن زمین و آسمان میں اور کوئی نہیں ہے۔ جب قرآن اتر رہا تھا اور حضرت زینب کی بات آتی تھی تو ام المومنین عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ قرآن میں کوئی آیت چھپاتے تو وہ آیت ضرور چھپاتے جس میں انکو لے پالک کی طلاق یافتہ سے شادی کا حکم دیا گیا تھا مگر رسول اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں چھپائی اسی لئے وہ صادق و امین تھے۔

آج بہت سارے لوگ دعویٰ دار ہیں کہ حدیث کے بغیر قرآن لاگو ہے مگر حدیث کے بغیر سمجھ آنا تو بہت دور کی بات ہے ایک بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن کو کیسے قرآن سمجھا جائے گا۔ کون کہتا ہے کہ یہ قرآن ہے؟ مجھے کس نے آکر یہ بتایا کہ یہ قرآن ہے؟ ایک شخص محترم کی زبان سے دو لفظ نکلتے ہیں۔ محمد رسول اللہ کی زبان سے دو لفظ نکلتے ہیں۔ ایک ان کا اپنا ہے اور ایک قرآن ہے۔ اس کے علاوہ اس دنیا و کائنات میں اور کون سی reason ہے جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ یہ قرآن ہے۔ اگر آپ کے پاس کوئی ایسی reason (وجہ) ہو تو مجھے ضرور بتائیں۔ کیا کوئی غیر عربی جو عربی نہیں جانتا جس کو قرآن کا علم نہیں ہے جیسے میں اور آپ جن کا عربی سے کوئی واسطہ نہیں ہے کیا ہم عربی کی فصاحت و بلاغت سے یہ سمجھیں گے کہ یہ قرآن ہے؟ کیا کوئی حبشی اپنی زبان کی معرفت سے یہ سمجھے گا کہ یہ قرآن ہے؟ قرآن کے قیام اور ثبوت کے لئے صرف ایک امین اور صادق کی آواز کافی ہے کہ یہ جو مجھے حکم آرہا ہے یہ اللہ کا ہے اور یہ جو میں بات کہہ رہا ہوں یہ میری اپنی ہے۔ اس کے علاوہ زمین و آسمان میں قرآن کی صداقت پر ہمارے پاس اور کوئی ثبوت نہیں ہے، یعنی بغیر قول رسول اور بغیر حدیث رسول ﷺ قرآن کا اثبات ممکن ہی نہیں ہے پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو صرف قرآن کی آیات پڑھنے کے لئے بھیجا۔۔۔۔؟ بہت مدتوں کی بات ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی اساس رکھتے ہوئے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر ایک دعا مانگی: ”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ“۔۔۔۔ (۲: ۱۲۹) (اے اللہ ان میں انہی میں سے ایک نبی بھیج) یہ تو ہوا قرآن کہ اے اللہ ان لوگوں میں انہی جیسا، انہی کی زبان میں انہی کی معاشرت میں سے ایک ایسا نبی بھیج جو ان کو حیرت آیت پڑھ کر سنائے۔۔۔۔ ”بَسُلُوا عَلَيْهِم

الْبَيْتُكَ وَبُعِلَتْهُمْ أَلْيَابُكَ وَالْحِكْمَةُ“ (۱۶۳:۳) اور انہیں علم و حکمت کی تعلیم دے، علم یعنی قرآن کی وضاحت بتائے اور حکمت یہ کہ اس کی execution (عمل) بتائے۔ اگر قرآن نے کہا کہ نماز پڑھو تو پیغمبر بتائے گا کہ کس طرح ہوتی ہے نماز؟ کتنے وقت ہوتی ہے؟ کتنے انداز ہوتے ہیں؟ اسکا طریقہ عمل کیا ہے؟ نہ صرف زبان سے بتائے گا، نہ صرف حدیث سے بتائے گا بلکہ کھڑا ہو کر بتائے گا کہ زیادہ لمبا چل نہیں کرنا، نماز میں سکون و ثبات چاہئے۔ خدا کے حضور کھڑے ہو کر کپڑے نہ بدلتے رہا کرو۔ اس قسم کی فضول حرکتیں مت کرو۔ نماز کے تقدس کو مجروح مت کرو۔ احتیاط و انداز سے خدا کے حضور اسکی بندگی کا اعتراف کیا کرو۔ ایک آیت ”وَاقْـمُ الصَّلَاةَ“ کے میں فیصد کے عوض وہ آپ کو اتنی فیصد وضاحت دے رہا ہے اور یہ حدیث ہے۔ وقت اور دوران وقت کے ساتھ ساتھ دیکھنا یہ ہے کہ کیا حدیث کا معیار باقی پرانی کتابوں کی طرح ہے۔ یہ غلط ہے۔ باقی کتابوں کی حفاظت میں اور حدیث میں بہت بڑا فرق ہے۔ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ زبور، انجیل اور باقی صحائف بخاری اور مسلم کی طرح ہیں۔ لوگ بڑے مذاق سے یہ بات کہتے ہیں کہ چھ لاکھ حدیثیں تھیں جی..... جس میں سے چار ہزار بخاری نے سنیں اور باقی غلط ہیں۔ ان سے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر چھ لاکھ حدیثوں پر اتنے سخت اور کڑے معیارات لگے کہ لے دے کہ صرف چار ہزار احادیث کو ان محدثین نے clear کیا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ چھ لاکھ احادیث میں بھی کوئی احادیث موجود ہوں ٹھیک اور صاف ستھری..... مگر محدثین کے کڑے معیارات کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے کسی قسم کی بھی غلطی کی کوئی گنجائش نہیں دی ہے۔ انہوں نے صرف وہ احادیث pick (منتخب) کی ہیں جو ان کے مقرر کردہ معیارات پر پوری اتریں۔ ان کی standardization کے معیارات اتنے سخت تھے کہ کوئی مدتوں تک بھی ان معیارات کے خواب نہیں دیکھ سکتا۔ اگر میں یہ کہوں کہ آج کا کوئی مؤرخہ کوئی سائنس دان، کوئی دانش ور، کوئی کتاب، کوئی تاریخی تذکرہ اگر روایت اور درایت کے ان اصولوں پر پرکھا جائے جس پر بخاری اور مسلم نے حدیث پر کھی ہے تو ایک آدمی بھی صداقت میں clear نہیں ہوتا اور ایک چیز کی authenticity (سند) بھی ثابت نہیں ہوتی۔ وہ معیار سائنسی بھی ہیں اور فکری بھی ہیں۔ ان معیارات کی سختی کا یہ عالم ہے کہ آج کا کوئی ایماندار ترین انسان بھی اس معیار پر پورا نہیں اترتا جس معیار پر وہ احادیث پرکھی گئیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ احادیث دو سو سال بعد جمع ہوئیں.....

خواتین و حضرات! کیا عجیب بات ہے کہ بہترین پیغام کو آگے بہترین انداز میں
 ڈھالنے کیلئے اللہ نے بہترین انداز اور انسان چنے۔ کلام اللہ کو وضاحت کیلئے، explanation
 کیلئے اللہ نے بہترین انسان کی صورت میں، قول و فعل اور کردار کی صورت میں متشکل کیا اور
 انسانوں کو عطا کیا۔ جب تک انسانوں کی یادداشت کام کرتی رہی وہ اقوال اور وہ افعال انسان تک
 سلامت پہنچے مگر جب دیکھا گیا کہ اہل عرب کی فصیح و اعلیٰ ترین compact ذہانت، بے حد و
 حساب memory اب لٹکھڑا جائے گی اور اب حدیث ذہن سے ذہن کو نہیں پہنچ سکتی تو پھر اللہ
 نے ان بے شمار معزز اور ہمارے سر کے ناج لوگوں کا انتخاب کیا جنہوں نے زندگیاں حدیث کیلئے
 مخصوص کر دیں اور قول رسول ﷺ کو زبان سے تحریر تک پہنچایا۔

خطبہ الوداع کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم لوگوں نے میرا پیغام سنا؟ کیا تم
 گواہی دیتے ہو کہ جو کچھ میں نے کہا، جو میرا کام تھا وہ میں نے پورا کر دیا ہے۔“ لوگوں نے کہا: ”یا
 رسول اللہ ﷺ ہم گواہی دیتے ہیں۔“ پھر کہا کہ یہ پیغام جو میں آج دے رہا ہوں جو تم میں حاضر
 ہوں اس پر شہادت دیں اور ان لوگوں تک پہنچا دیں جو اس وقت حاضر نہیں ہیں۔ خواتین و
 حضرات! یہ زبان کی ترسیل تھی، یہ تو وہ لوگ تھے جو اس وقت حاضر تھے یعنی حاضر لوگوں نے حاضر
 لوگوں تک پیغام پہنچا تھا لیکن پھر ہمارا کیا بننا؟ ہم کہاں جاتے.....؟ ہم بھی تو آخر اسی شاخ سے
 پیوستہ تھے اسی شجر کی فہدیاں تھے۔ اسی رشتہ کریم کے طلب گار تھے تو ہم تک کیسے بات پہنچتی۔
 اب وہاں متیادداشت سے نہیں پہنچ سکتی تھی۔ پھر اللہ نے ان لوگوں کو پیدا کیا، ان مخلصین کو پیدا
 کیا، بے حد و حساب محنت کرنے والوں کو پیدا کیا۔ بخاری و مسلم کو پیدا کیا۔ ابی داؤد اور احمد بن حنبل
 کو پیدا کیا۔ امام مالک کی غوطا کی تخلیق کی، امام مالک کو جرأت و استقامت دی۔ اس طرح ان
 لوگوں نے حدیث کو مرتب کیا اور حدیث کو ہم تک پہنچایا۔ یا اللہ کے فضل کی نشانی اور ہماری رہبری
 کی علامت بنی۔

انا جیل پر کوئی روایت و درایت نہیں گئی اگرچہ وہ بھی کافی عرصے کے بعد collect
 ہوئی مگر وہاں پیغمبر کی باتوں کو حواریوں نے سنا۔ حضرت یحییٰ سے متی نے سنا، مرقس نے سنا، لوقا
 نے سنا، یوحنا نے سنا، حتیٰ کہ برناباس نے سنا۔ حواریوں نے یہ باتیں سنیں مگر ریکارڈ نہیں کیں، کسی کو
 بتائیں نہیں۔ بہت عرصے کے بعد through letters خطوط کے ذریعے Antiox
 (اطاکیہ) کے راہب سینٹ پال نے ان کو اکٹھا کیا۔ مگر اس نے collection میں کسی قسم کی

examination (جانچ پرکھ) نہیں رکھی۔ examination کا ایک چھوٹا سا معیار میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میرے پاس ابھی وہ خط موجود ہے جو شاؤ معر 'مقوس' کے پرانے خطوط میں سے ملتا تھا۔ (وہ اصل خط اس وقت میرے پاس موجود ہے جس کی زیارت میں آپ کو کربا دوں گا) حضور ﷺ کا وہ خط جو انہوں نے شاؤ معر کو لکھا وہ خط صحیح بخاری میں بھی محفوظ ہے۔ اگر آپ نے زیر وزیر کے لحاظ سے حفاظت کے معیار دیکھیں تو آپ وہ دونوں خطوط دیکھ لیجئے جو اصلی موجود ہیں اور وہ حدیث جو بخاری کی موجود ہے۔ زیر وزیر تک وہی ہے ان میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زبانیں کہاں تک سلامت رہتی ہیں۔ کوئی زبان سلامت نہیں رہتی۔ آپ کے بچپن کی زبان آپ کیلئے بڑے بڑے بولنے والے ہوئے تک سلامت نہیں رہی۔ دو تین سو سال کے عرصے میں زبانیں کیسے بگڑتی ہیں۔۔۔۔۔ میں یہاں انگریزی پر پھر رہا تھا: I come here ما انچسٹر میں اترا تو پتہ چلا کہ cume here ہے۔ میں حیران و پریشان بہت سا بن گیا۔ میں نے کہا کہ یہ تو سارے کا سارا phonetics (لہجہ) ہی north میں آکر بدل گیا ہے۔ اتنی بڑی بڑی dialectical changes (زبان کی تبدیلیاں) آرہی ہیں کہ پندرہویں صدی کی انگریزی Whan that Aprille with shoures soote: the droughte of March hath perced to the roote. اگر تین چار سو سال کے وقفے سے زبانوں کا حلیہ اتنا بگڑ جاتا ہے تو بخاری اور مسلم تو پندرہ سو برس سے وہی ہے یا دو سو سال نکال دو تو تیرہ سو برس سے وہی ہے تو اس سے آپ کو کیا سمجھ آتا ہے کہ پروردگار عالم نے اگر اپنی کتاب کو محفوظ رکھنا تھا، اگر قرآن کو محفوظ رکھنا تھا تو خالی قرآن کی حفاظت اس کے کس کام آتی تھی؟ اگر قرآن ہوتا اور رسول ﷺ محفوظ نہ ہوتے، explanations محفوظ نہ ہوتیں تو آپ کے کس کام کی تھیں۔ آپ کو تو آج کچھ سمجھ نہ آتا کہ قرآن کی فلاں آیت کا کیا مطلب ہے۔ بڑے بڑے مفکرین اور بڑے بڑے معززین قرآن کے شارع ہیں، وہ ہمیں کسی ایک آیت کے بارے میں بھی یقین نہیں دلا سکتے۔ جب اللہ کہتا ہے کہ: "وَأَعْبُدُوا رَبَّكُمُ الْحَيَّ الْقَيُّومَ" (عبادت کئے جا چکی کہ تو یقین تک پہنچے) خواتین و حضرات! میں، آپ اور سارے عالم کے مسلمان بھی اگر اکٹھے ہو جائیں تو یقین کا کیا ترجمہ کریں گے؟ یقین کا کیا ترجمہ ہو سکتا ہے؟ یقین کا ترجمہ یقین ہی ہو سکتا ہے faith ہو سکتا ہے، truth ہو سکتا ہے مگر موت تو نہیں

ما ہو سکتا۔ کیا عجبات ہے کہ جب یہ آیت اتری تو اصحاب رسول ﷺ متفق علیہ فرماتے تھے کہ ہم تک جو روایت اعتبار پہنچی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ”عبادت کے جا حتیٰ کہ تو موت تک پہنچے۔“ یعنی موت سے پہلے کبھی یقین نہ کرنا ”یقین“ ہے۔

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

موت سے پہلے آدمی کیوں یقین رکھے کہ میں صاحبِ نجات ہوں۔ موت سے پہلے آدمی کیوں اپنے تقویٰ پر انحصار کر بیٹھے۔ موت سے پہلے آدمی کیوں یہ خیال کر لے کہ میں ولایتِ عظمیٰ کے منصب پر براجمان ہوں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ آخری سانس ہی شہادت دے سکتی ہے اور اس آیت کو رسول ﷺ compliment (تکمیل) کرتے ہیں کہ ہمیشہ اللہ پر گمان اچھا رکھو خاص طور پر مرتے وقت۔۔۔۔۔۔ کہ مرتے وقت کا گمان تمہیں کام آئے گا۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ کو جب اس جہنم کا خبر لگا تو اپنے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ کہا گیا کہ خارجی ہے، خارج از اسلام ہے۔ آپؐ نے کہا: ”رب کعبہ کی قسم میں آج کامیاب ہوا۔“

خواتین و حضرات! یہ حدیث کے بغیر ممکن نہیں کہ ایک چھوٹی سی آیت آپ کے ذہن و دل پر اتنا مریوطہ اثر رکھے۔ استاد کے بغیر کوئی فارمولہ سمجھ نہیں آتا اور جن لوگوں نے حدیث کی عزت نہیں کی اور جن لوگوں نے ان میں نقص ڈھونڈا ان کا بھی آگے ذکر آئے گا۔ میں آپ کو بتاؤں گا کہ حدیث پر ایک کم عقل اور کم فہم ہی معترض ہو سکتا ہے۔ آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ جو standards لگے ہوئے ہیں اس کے تحت آپ یہ ضرور کہیں کہ یہ کم درجہ اور رتبہ کی حدیث ہے مگر جب ایک حدیث خالص ہو کر، مشہور، احاد اور متواتر ہو کر آپ کے سامنے آتی ہے، حسن اور صحیح ہو کر آتی ہے تو آپ کو اس کا یقین کرنا پڑتا ہے اور آپ یقین کیوں نہیں کرتے یہ بھی میں آپ کو بعد میں واضح کر دوں گا اور یہ بھی لوگ غلط کہتے ہیں کہ سو دو سو برس بعد حدیث کا وجود آیا بلکہ اب رفتہ رفتہ ہمارے پاس وہ latest (جدید ترین) مخلوطات نکل رہے ہیں خاص طور پر صحیفہ صادق نام کی احادیث جو سو فیصد بخاری میں بھی موجود ہیں۔ وہ سو سال کے اندر اندر مرتب ہو چکی تھیں۔ ابھی مزید انکشافات جب نکلیں گے تو میرا خیال ہے کہ ان کی مزید خبر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ ضروری فرمایا تھا اور حکماً فرمایا جیسے پہلے میں نے آپ کو بتایا کہ دعا یہ لگائی گئی: ”..... اذْبَعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ.....“ کہ ان کو وجاہتیں سکھائے جو یہ جانتے نہیں، انہیں علم دے، کتاب دے، کتاب کی وضاحت دے، اندازِ طہارت بتائے، وضو

کے طریقے بتائے۔ انسانی معاشرتی، داخلی زندگی کو تریب دے۔ بیوی اور شوہر کے مسائل ان سے بیان کرے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس مغیرہ بن شعبہؓ حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ حکم مامہ فرمائیں کہ دادی کو ایک بڑے چھ حصہ وراثت میں سے دیا جائے تو انہوں نے کہا کہ ایسا تو کوئی حکم میں نہیں جانتا اس لئے میں یہ حکم نہیں دے سکتا۔ قرآن میں ایسا حکم ہے ہی نہیں تو مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ نہیں میں اس کیلئے شہادت رکھتا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ ہمیں بتایا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہادت لیکر آؤ۔ پھر حضرت محمد بن مسلمیؓ کی شہادت لائی گئی اور انہوں نے کہا کہ ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ دادی کا 1/6 حصہ ہے اور اسی پر حضرت ابو بکر نے حکم فرمایا۔ اسی حوالے سے بڑے بڑے کی بات آپ کو سنانا ہوں۔ حضرت عمرؓ سے بات کر کے تو بندے مصیبت میں پھنس جاتے تھے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے دروازے پر دستک دینے کیلئے گئے۔ کوئی تین دفعہ دستک دی اس کے بعد واپس چلے آئے۔ حضرت عمرؓ باہر نکلے اور اسے گریبان سے پکڑ لیا کہ تو چلا کیوں گیا تھا۔ تین دفعہ دستک دے کر میرا انتظار کیوں نہ کیا۔ اس نے کہا کہ امیر المؤمنین رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس کے گھر جاؤ تین دفعہ دستک دو اور اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے آؤ۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ نہیں میں تمہیں کوڑے ماروں گا، مجھے ثابت کرو کہ یہ بات ہوئی ہے۔ اصحاب جرح و تعدیل کرتے تھے تو حضرت ابو موسیٰ بڑے گھبرائے اس لئے کہ ضرب عمری سے بچنا بڑا مشکل ہوتا تھا۔ مسجد میں آ کر بڑا روئے پیٹے کہ ہے کوئی میری گواہی دینے والا..... آخر مسجد میں سے ایک صحابی نے کہا کہ آپ ٹھیک کہتے ہو۔ میں اس وقت حاضر تھا جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کہی۔ آپ نے نگاہ شکر پر اٹھا اور انہیں لے کر حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے اور تب یہ بات حدیث اور حکم کا حصہ بنی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوئی بھی بات سننے سے پہلے شہادت لیا کرتے تھے۔ یہ جرح و تعدیل اس وجہ سے آئی کہ قرآن حکیم نے فرمایا کہ جب کوئی منافق یا کوئی فاسق ایسی بات کرے کہ جس سے تم میں فتنہ و فساد کا ڈر ہو اور تمہیں بات سمجھ نہ آئے تو قرآن نے کہا کہ پہلے ان لوگوں کو پیش کرو جو سمجھ دار ہیں، جو جاننے والے ہیں اور پھر وہ تمہیں جو وضاحت کریں اس پر عمل کیا کرو ورنہ ایسا نہ ہو کہ تم فتنہ و آگ کے شکار ہو جاؤ۔ پھر اللہ نے دوبارہ فرمایا کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی خبر آئے تو اسے کم از کم دو گواہوں سے confirm کر لیا کرو۔ یہ جرح و تعدیل ہمارے

ایمان اور حدیث کا حصہ ہیں۔ بڑے بڑے عالمین نے جرح و تعدیل کے اصولوں پر critical laws of religion کو ترجیح دیا ہے اور اسی وجہ سے آپ کو آقا حدیث نصیب ہے۔

اللہ نے کہا کہ جو تمہیں رسول ﷺ دیں، لے لیا کرو اور جس چیز سے رسول ﷺ منع کریں وہ چھوڑ دیا کرو۔ ”وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“ (۵۹:۷۷)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ایک خاتون بڑے غصے میں آئیں اور کہا کہ تم بھنویں منڈوانے کے خلاف فتویٰ دیتے ہو، تم انہیں مردود کہتے ہو۔ میں تو تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ تم کس بنیاد پر یہ فتویٰ دیتے ہو۔ قرآن میں تو یہ نہیں ہے۔ اسی مسعودؓ نے کہا کہ قرآن ہی میں تو ہے۔ یہ جو میں تمہیں فتویٰ دیتا ہوں یہ قرآن ہی میں تو ہے اس نے کہا کہ کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا تمہیں نہیں پتہ کہ ”وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“ (۵۹:۷۷)۔ رسول ﷺ نے کہا ہاں کہ یہ مردود ہے اور جب اللہ نے کہہ دیا کہ جو خدا کا رسول دے وہ لے لو اور جس کام کو چھڑائے اسے چھوڑ دو۔ (بھنویں ترشوا اور چیز ہے میں منڈوانے کی بات کر رہا ہوں یعنی مکمل طور پر صاف کر کے ساخت بدل دینا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ مردود ہے۔ یہ نہیں کہا کہ کفر یا شرک ہے بلکہ یہ کہ اللہ کے نزدیک یہ اچھا فعل نہیں ہے۔ رد کیا ہوا فعل ہے۔)

”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ“ (۸۰:۳) (جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔) کمال کی بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنے آپ کو بعد میں کر لیا اور پہلے رسول ﷺ کی اطاعت کو لے آیا۔ order of precedents تبدیل کر دیا۔ آپ کو علوم ہے کہ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ سے تو واسطہ ہی نہیں پڑتا، نہ کسی direct شرع سے واسطہ پڑتا ہے۔ پہلے تو ہم اس بات کو مانتے ہیں جو اللہ کا رسول ﷺ ہمیں عطا کرتا ہے۔ سب سے پہلے تو رسول ﷺ نے ہمیں بتایا کہ خدا ہے ورنہ ادھر تو جھٹی تھی ساری..... اور بعد میں ہم اسے خیال اور سراب سمجھتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ خدا ہے تو ہم نے کہا کہ خدا ہے۔ ”لا اله الا اللہ“ پھر اس نے کہا کہ وہ ایک ہے۔ ہم نے کہا کہ ایک ہے۔ پھر اس نے کہا کہ قرآن اس کا ہے۔ ہم نے کہا کہ قرآن اس کا ہے۔ پھر کہا کہ میں اس کا رسول ہوں۔ ہم نے مانا کہ آپ اس کے رسول ہوئے۔ اس نے کہا کہ میری بات ماننا بہت ضروری ہے اس لئے اب اللہ کی باری تھی یہ کہنے کی کہ جو رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے مجھو میری اطاعت کی۔ جس نے رسول ﷺ کی

بات مانی اس نے میری بات مانی۔

ایک انگریز کی رائے میں آپ کو سنا چاہتا ہوں۔ Andrew Rippen نے بڑی تحقیق کے بعد قرآن کی آیات نہیں تو اس نے بڑی حیرت کا اظہار کیا۔ اگر آپ آج کے مفکرین اور وضاحت کرنے والے لوگوں کو جانیں گے تو بڑا مسئلہ پڑ جائے گا۔ اس نے کہا کہ Only twenty percent of the Quran is about making law. Eighty percent of the Quran is on making character. عبادات سے deal کرنا ہے۔ چھ سو آیات قرآن عبادات سے متعلق ہیں اور بہت کم آیات قانون سے deal کرتی ہیں۔ عرفیاتی قوانین Quranic law (قرآنی قوانین) پر قائم ہیں اور باقی عام Quranic verses (قرآنی آیات) اخلاقیات کو deal کرتی ہیں۔ ایک مسئلہ یہ درپیش ہے کہ قوانین تو ہزاروں ہیں تو پھر کیا ہونا ہو گا تو وہ کہتا ہے کہ تمام تر قوانین جو built ہوئے ہیں ان کی بنیاد حدیث رسول ﷺ ہے سوائے چند ایک قوانین کے جن میں وراثت اور چند وہ بڑے crimes (جرائم) ہیں جن کی سزا قطع پر، سنگسار اور رجم وغیرہ ہے۔ اس کے علاوہ تمام قوانین حدیث رسول ﷺ پر مبنی ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی معاشرے کی بنیاد میں فیصد قرآن کے قوانین پر ہے اور اتنی فیصد حدیث کے قوانین پر ہے۔ اتنی اہم بنیاد کو چند ایک odd (عجیب) حساس کمتری کے مارے ہوئے مفکرین تنقید پرانے تنقید کے اصول سے کیسے رد کر سکتے ہیں؟ اتنے بڑے کائناتی ڈھانچے کو مذہبی ڈھانچے کو اخلاقی ڈھانچے کو ایک individual اٹھ کر کیسے مٹا کر سکتا ہے؟ یہ بات مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی۔ بات یہ ہے کہ اعلیٰ ترین کتاب، اعلیٰ ترین فہم و فراست پروردگار کسی واحد ذہن، نصف یا کم تعلیم یافتہ، مصنوعی یا خود ساختہ intellectual کے سپرد نہیں کر سکتا۔ بڑے بڑے لوگ جیسے فارابی، سینا اور رازی وغیرہ گزرے۔ یہ سب intellectual ضرور تھے مگر نہ ان میں سے کوئی محدث تھا نہ نقیب۔ تھا، قانون سازی ان کے سپرد نہیں کی جاسکتی۔ فرض کیجئے ایک شخص آرٹ اور خوبصورتی کا بڑا ہی دلدادہ ہے تو ہوا کرے، ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ جتنا چاہے ہوا کرے مگر یہ سمجھ نہیں آتی کہ جملہ انسانوں کیلئے قانون بنانا اس کے سپرد کیسے کیا جاسکتا ہے۔ ایک individual کو تو آزادی حاصل ہے کہ وہ گھر میں بیٹھا ہے، فرض کرو اگر وہ اجازت مانگے کہ مجھے بت تراشی کی اجازت دو پھر تھوڑے عرصے بعد کہے کہ اگر میں محسباً کسی بت کو پوچھ لوں تو مجھے اجازت دے

دو۔ آرٹسٹوں کا کیا ہے..... ایک خط ذہن ہے اور ہر سے ادھر ہو گیا تو پھر قرآن کیا کرے گا؟ حدیث کیا کرے گی؟ ایک شخص ہے جو کچھ زیادہ ہی نرم ہے، ایک خاتون ہے جو مردوں کے بارے میں زیادہ ہی سخت ہے۔ ہر individual اپنی مرضی میں جائے گا کہ یہ قانون نہیں ہونا چاہیے یا یہ حدیث غلط ہے۔ اوپر سے جب سے یورپ میں مہذبانہ دور آیا تو انہوں نے کچھ عرصے کیلئے capital punishment ختم کر دی۔ اور ہمارے مسلمان مفکرین تو فوراً لگتے ہیں اور اگلے ہیں تو انہوں نے فوراً یہ قانون اپنے اندر بھی ڈال لیا اور اعلان کرنے لگے کہ اسلامی سزائیں بڑی سخت ہیں اور یہ کہ ہم بھی یورپ والوں کی طرح جرائم پیشہ لوگوں پر کرم کریں گے، ان پر نوازشات کریں گے، ان کو سنواریں گے، یہ کریں گے، وہ کریں گے، مگر یورپ والوں نے قانون بدل کر دوبارہ capital punishment لاگو کر دی اور یہ مفکرین ابھی پہلے دور مروت سے گزر رہے تھے۔ خواتین و حضرات! اس مثال سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک individual ایک odd مفکر کے سپرد پورے معاشرے کی فلاح و بہبود کیسے کی جاسکتی ہے۔

ایک اور funny (مزاحیہ) بات سنیے! زیادہ تر حدیث کے level (سطح) پر مذہب کے مخالفین جو یورپ میں گزرے ہیں ان میں ایک movement (تحریک) آئی اس کو enlightenment (ترہیب تہذیب) کی تحریک کہتے ہیں۔ اگر آپ اس تحریک میں شامل لوگوں کے کام دیکھیں تو آپ حیران رہ جائیں۔ اس میں لارڈ ہیوم، برکلی، ڈیوئیڈ ہامیٹن اور روسو جیسے بڑے بڑے نام ہیں جو یورپی فلاسفی، ادب اور دنیویں کے کلاسک ہیں اور ہمارے ہاں جناب پرویز شرف، جناب طارق عزیز ایسی تحریکیں چلا رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے فرق.....؟ اور یورپی معاشرے کے بہترین و اعلیٰ ترین دانش ور enlightenment کی تحریک چلا رہے ہیں اور ہمارے ہاں مازنین چلا رہی ہیں، راجہ بنارت صاحب چلا رہے ہیں، چوہدری پرویز الہی تعلیم یافتہ پنجاب پیدا کر رہے ہیں یعنی intellectual capacity (یعنی وسعت) کا یہ حال ہے کہ ایک بڑی movement اور بڑی تحریک کے چلانے کیلئے جو اسباب چاہیے ہوتے ہیں وہ نہیں ہیں۔ I count this is a basic problem of Pakistan's politics and administration. The problems were a little bigger than the capacity of those who wanted to solve them. وہ اس نظام خیال نہیں تھی، وہ قدرت و اخلاق نہیں تھی جس سے اتنے بڑے بڑے

مسائل حل ہو سکتے نتیجہ فسق و بخران۔ incompetency and an absolute psychotic society. (ما اہلیت اور ایک مکمل ذہنی بیمار معاشرہ) اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ تلاش کرنا ہم پر لازم تھا کہ قرآن کی رسول اللہ ﷺ نے کیا وضاحت فرمائی ہے اور ہر تلاشی یہ تلاش کرنا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ نے قرآن کو کیسے سمجھا۔ خواتین و حضرات! یہ بتائیے کہ میں یہ کیوں تلاش کرنا ہوں کہ اصحاب نے قرآن کو کیسے سمجھا؟ میں اس لئے تلاش کرنا ہوں کہ ایک فرد نہیں بلکہ ایک پورا معاشرہ خدا رسیدہ ہو گیا تھا، اپنے اللہ کو پا گیا تھا اور خدا ان کو پا گیا تھا۔ ان کے بارے میں کتاب میں لکھا ہوا آگیا کہ خدا ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ دوبارہ کبھی نہیں ہوا۔ زمین و آسمان میں نہ کوئی ایسی قوم گزری نہ ایسے ہند گانِ خلافت گزرے، نہ کوئی ایسا گروہ عظیم گزرا نہ پھر کوئی اصحاب شجرہ گزرے، نہ کوئی اصحاب ہرگز گزرے اگرچہ یہ مثالیں جزوی طور پر دی جاسکتی ہیں مگر بحیثیت ایک قوم کے کوئی انھو کو خدا رسیدہ نہیں ہوا۔ وہ صرف اصحاب ہوئے تو کیا میرا یہ حق نہیں بنتا کہ بحیثیت مسلمان کے میں یہ جاننے کی کوشش کروں کہ آخر ان لوگوں نے قرآن کیسے سمجھا۔ کیا میرا یہ حق نہیں بنتا کہ میں یہ سوچنے کی کوشش کروں کہ آخر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی کیا بات سنی، کیا انداز دیکھا، کیا طرزِ حیات دیکھی، کیا فہم فہراست دیکھی؟ اب میں دس تیسہ پر تو بھروسہ نہیں کر سکتا۔ میں سنی سنائی باتوں پر اور میاں پر و پر تو بھروسہ نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ میں غلام احمد پر بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ محمد رسول اللہ کی بات سمجھنے والوں نے آخر کیا سمجھا؟ کس طرح سمجھا کہ وہ مسیحا ملائکہ تو نہیں مگر مسیحا و خلافت ہو گئے۔ وہ ہماری تعظیم میں ہماری محبتوں کے مرکز بن گئے۔ آج ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم کسی صحابی کا نام لیں اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ کہیں یا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نہ کہیں۔ ہم یہ دعویٰ بار بار شکر کرتے ہیں تو یہ ضروری تھا کہ ان اقوال کی خدا حفاظت کرنا اور اس انداز کی بھی حفاظت کرنا جس سے پہلے لوگوں نے اپنے رسول ﷺ کی متابعت کی اور ان کی خدمت کی اور اللہ نے ان کو اشرافیہ میں گنا اور ان کی تعلیمات کو آج ہم تک اگر کسی نے حکمت اور انصاف سے پہنچایا ہے تو وہ صرف اور صرف حدیث رسول ﷺ ہے اور اس کے بغیر ہم کسی بھی conduct of life (طریقِ زندگی) میں ادھر سے رہ جاتے ہیں۔

اگر تمام لوگ ہی عالم ہوتے یا وحاشا توں کے قابل ہوتے تو ہذا مسئلہ بنتا، ہر معاشرے میں دس کروڑ بھی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود یہ تو نہیں دیکھا گیا کہ ہر تعلیم یافتہ انھو کو خلاق طبیعت کا مالک ہو جائے۔ ان میں سے بھی کوئی کوئی ہی ایسا ہوتا ہے۔ یہ ایک اصول ہے کہ اتنی ساری

پرہی لکھی جھوٹات میں سے سارے ہی دنیا کو علم و فکر کے اصول نہیں دیتے۔ ذہن ایک مادی وجود ہے اور ذریعہ فکر و ذریعہ تعلیم ہے۔ اگر کتابی علم اور ثابیات سے فہم کا ہونا لازم ہوتا تو میں میں کروڑ لوگ at a time دنیا کو advice کر رہے ہوتے مگر اللہ نے فہم کو آسان نہیں رکھا۔ کتاب کے علم کو عام کیا اور فہم کتاب کو مخصوص کر دیا۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی زائد قرآن ہے۔ ذرا چھپ کر ہمیں بتا دو کہ آپ کو اتنا علم کہاں سے حاصل ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: ”رَبِّ کُوبِ کی قسم ایک زیر و زبر وہی ہے۔ ایک ایک جملہ وہی ہے، ایک ایک فقرہ وہی مگر یہ کہ اللہ نے ہمیں فہم زیادہ عطا کیا ہے۔“ یہ فہم وہ ہے کہ جب دو خبروں میں بھی اختلاف کا حادثہ ہو جائے..... حضرت داؤد اور سلیمان میں بھی جب تھوڑا سا اختلاف پیدا ہو گیا تھا تو اللہ نے حضرت داؤد کی judgement (فیصلہ) پسند نہیں فرمائی اور حضرت سلیمان کی judgement پسند فرمائی اور ایک ہلکا سا comment (رائے) بھی ساتھ دے دیا: ”فَقَعْنَاهَا مِثْلَ بِنْتٍ“ (۷۹:۲۱) (ہم نے سلیمان کو فہم عطا کیا تھا) پڑھائی لکھائی، intellectualism کے علاوہ بھی ایک چیز ہوتی ہے جسے فہم قرآن کہتے ہیں، فہم کتاب کہتے ہیں، فہم ادب کہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا، اگر فہم و فراست خدا کی دین نہ ہوتے، اگر intuition اور الہام علم خدا کا نہ ہوتا تو آپ کو آج تاریخ علم و ادب و سائنس میں لے دے کے چننا م ہی کیوں ملتے..... تاریخ ساز نام تو چند ہیں۔ ڈیڑھ سو سال پہلے آئن سٹائن ہے کہیں ویکٹورین ہے اور یہ صدی رسل کھام ہے۔ کسی ادیب کھام ہے۔ ہر میدان میں بس ایک ایک نام ہے۔ بہت تھوڑے سے لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کے علم و ادب و معرفت اور اخلاق کو سنوارا ہوتا ہے۔ یہ اس فہم کی بات ہے جو بہت سے راویان حدیث کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔

حدیث کیا ہے.....؟ حدیث کا مطلب ہے reporting کہی ہوئی بات..... مگر ہر رواد..... مگر ہمارے ہاں یہ حدیث نہیں کہلاتی۔ اصطلاح شریعت میں حدیث دہرائی ہوئی بات ہے۔ لفظ حدیث میں دہرانا نہیں آتا مگر ہماری اصطلاحات میں: ”حدیث دہرائی ہوئی بات ہے وہ بات جو رسول اللہ ﷺ نے کہی اور جب حدیث میں دہرائی جائے تو ہم اسے جانتے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔“

اب تک کی تمام گفتگو میں میں نے حدیث کی ضرورت بیان کی ہے۔

حدیث کے معاملات پر discuss (بحث) کرتے ہوئے حافظے اور وقت کا بڑا بحران پڑ جاتا ہے۔ جب ترجمے آتے ہیں تو تراجم میں فرق پڑ جاتا ہے۔ ایک زبان میں exactly (اصلاً) شاید وہ الفاظ translate (ترجمہ) نہیں ہو سکتے اس لئے تھوڑا سا فرق پڑ جاتا ہے۔ انداز گفتگو میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ عرب اس لہجے میں گفتگو نہیں کرتے کہ جیسے ہم کرتے ہیں۔ وہ تو قسم بھی عجیب اور انوکھی ہی کھاتے ہیں کہ رُپ کعبہ کی قسم!..... ہم تو ایسے قسم نہیں کھاتے۔ ہم تو سیدھی سادی اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ”قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔“ ہم تو اتنے لفظ ہی نہیں استعمال کرتے۔ ان کا ایک انداز ہے، ایک dramatic excellence (تمثیلی رتبہ) ہے، ایک معاشرت اور ایک style ہے۔ اس لئے کوئی بھی بندہ جو حدیث پر گفتگو کرے گا اس کے لئے بہت لازم ہے کہ وہ اعراب کے اس طرز معاشرت کا بڑے غور سے مطالعہ کرے، وہ مغازی کا مطالعہ کرے، وہ سبوء معلقہ کا مطالعہ کرے۔ ان لوگوں کے طرز زندگی کا مطالعہ کرے تاکہ وہ حدیث کے محاوروں کی گڑبڑ کا شکار نہ ہو جائے کہ آج ہمارے بہت سارے جو حدیث کے معززین فساد ہیں وہ معمولی سی بات پر بیخ پا ہو جاتے ہیں جو اعراب کے نزدیک بڑی معمولی سی بات ہوتی تھی۔ جب حدیث پر اعتراضات شروع ہوئے تو بعد میں بڑے intellectual گروہ آئے۔ ان میں معتزلہ، قدریہ، جبریہ، اخوان صفہ، جیشی گروہ، اموی، عباسی، اہل بیت کے حمایتی سارے کے سارے اپنے اپنے مقاصد کی امداد حدیث تلاش کرنے لگے۔ ایک دفعہ ایک حدیث کو وضع کرنے والے سے پوچھا گیا کہ تم رسول اللہ پر اتنا جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ تمہیں پتہ بھی ہے کہ اسکا عذاب کتنا ہے، تو اس نے کہا کہ ”نہیں ہم تو اللہ کے رسول پر جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم تو ان کیلئے بولتے ہیں۔“ امام مسلم بن حجاج کا ارشاد ہے کہ ”اہل خیر جھوٹ بڑا بولتے ہیں۔“ اہل خیر سے مراد صوفی، بزرگ، اللہ کے نیک بندے، بہت جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ میرا کہنا نہیں ہے، مجھے ائرام مت دیکھئے گا۔ یہ ایک بہت بڑے محدث حضرت امام مسلم بن حجاج کا قول ہے کہ اہل خیر جھوٹ بڑا بولتے ہیں۔

عبداللہ بن مبارکؓ بہت بڑے جرح و تعدیل کے ماہرین میں سے ہیں۔ بہت بڑے محدث ہیں۔ ماشاء اللہ اعمال اور اخلاق میں ان کی مثال ایک سورج کی سی ہے۔ اتنے بڑے محدث کم پیدا ہوتے ہیں۔ آپ نے اسناد کے بارے میں فرمایا:

”اگر اسناد کا علم نہ ہوتا تو جو جس کی مرضی ہے دین میں شامل

کر لیتا۔“

یعنی محدثین نے سند سے سند کو علیحدہ کیا، فرد کو فرد سے علیحدہ کیا، کلام کو کلام سے علیحدہ کیا، لفظ کو لفظ سے جدا کیا، عمر کو عمر سے جدا کیا، خاندان کو خاندان سے جدا کیا، بیٹے کو باپ سے جدا کیا، ایک ایک شخص سے ایسی برقی کڑیاں لگائی گئیں کہ گمراہی کو بچ گئے۔ کئی موقع نہ ملا اور پھر حدیث مرتب کی کیونکہ اس مبارک کہتے ہیں کہ:

”اسنادِ علم کا حصہ نہیں، دین کا حصہ ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو پھر لوگ جو چاہتے کرتے۔“
جیسے آج ہو رہا ہے۔ آج کیوں ہو رہا ہے اس لئے کہ لوگوں کو پتہ ہی نہیں کہ حدیث کیا ہے، کس طرح collect ہوئی ہے۔ اس کے standards کیا ہیں۔ اس سیرین کی ایک advice آپ کو دیتا چلوں امام ابن سیرین نے فرمایا کہ:

”دین بہت اہم ہے اس کو کم تر چیز نہ سمجھو۔“

یہ بڑی important چیز ہے۔ خوب اچھی طرح دیکھ لیا کرو کہ کس سے لے رہے ہو اس کو مذاق نہ سمجھنا۔ یہ بہت بڑے ماہرین کی بات ہے۔ ہر راہ چلتے سے دین قبول نہ کیا کرو۔ جن کی شناخت نہ ہو ان سے دین قبول نہ کیا کرو۔ یہ بڑے صاحبانِ علم کی بات ہے۔ راہ چلتے ہوئے دین کو قبول کرنے کا نقصان آج ہمیں یہ ہوا ہے کہ ہم قریباً قریباً ہزار فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ آج جو ہم نے دین کی localize interpretation (مقامی وضاحت) حاصل کی ہے اسکی وجہ سے یہ ہمارے سارے نقصان ہیں۔

حدیث کو بنیادی طور پر روایت کے لحاظ سے چار مختلف انداز میں بانٹا گیا ہے۔ حدیث جب بیان کی جاتی ہے تو اس کو مختلف لوگوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے حدیثِ قدسی ہے۔ حدیثِ قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جو خود خدا سے روایت کی جائے، قرآن کے علاوہ جب اللہ اپنے رسول ﷺ سے بات کرنا ہے تو اس کو ہم ”حدیثِ قدسی“ کہتے ہیں۔ حدیثِ قدسی کی مثال یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جسے اپنا علم دینا چاہتا ہے اس کی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ mention (بیان) کر رہے ہیں کہ خدا نے یہ کہا ہے، یہ خدا کی بات ہے۔

جو حدیث رسول اللہ ﷺ تک پہنچے اسے مرفوع کہتے ہیں۔ چلتے چلتے فلاں نے کہا، فلاں نے روایت کی، فلاں نے کہی، تاہم انہوں نے روایت کی، اصحاب نے روایت کی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اس کو مرفوع کہتے ہیں۔ خواہ متصل ہو، خواہ غیر متصل ہو۔ یعنی سند ملے یا نہ ملے، تو لے لیا نہ تو لے۔
اس کے بعد دوسرے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صحابی تک رہ جائے اسے موقوف کہتے ہیں۔ لفظ
موقوف میں وقف ہے اس لئے کہ یہ براہ راست رسول ﷺ تک نہیں پہنچی اس لئے اس کو موقوف
کہتے ہیں۔

تیسرے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صحابی تک نہیں پہنچی اور رسول ﷺ تک نہیں پہنچی جو صرف تابعین
تک پہنچی ہے۔ اس کو مقطوع کہتے ہیں۔ یہ اصحاب سے اور رسول اللہ ﷺ سے منقطع ہو جاتی
ہے مگر تابعین تک بالکل مسلسل اور متواتر ہے۔ ایسی حدیث کو مقطوع کہتے ہیں۔

آپ نے اکثر سنا ہوگا، صحیح حدیث..... جو اٹھتا ہے بولتا ہے صحیح حدیث، صحیح حدیث..... صحیح حدیث
اس سند یا سند یافتہ حدیث کو کہتے ہیں جو حضور ﷺ تک، صحابی تک یا تابعی تک پہنچے۔ یعنی وہ
حدیث جو مقطوع ہو، جو موقوف ہو، جو مرفوع ہو مگر اس کے راوی سچے، عادل، با اختیار اور دیانت
دار ہوں، کوئی علت نہ ہو اور حدیث شاذ نہ ہو۔ (شاذ یہ ہونا ہے کہ کوئی کم درجے کا عالم بڑے عالم
پر زبان درازی کرے، کسی بڑے معتبر، ثقہ آدمی نے بات کی ہے اور بیچ میں سے گزرتا ہو کوئی کہے
کہ نہیں نہیں یہ اس طرح نہیں ہے، میں نے یہ بات اس طرح سنی ہے تو ایسی حدیث کو شاذ کہتے
ہیں۔ اکیلی..... یعنی جب کوئی کمتر درجے کا راوی کسی بڑے درجے کے راوی پر طعن کرنا ہو یا اسکی
بات کے خلاف کرنا ہو تو اسے شاذ کہتے ہیں۔) یعنی صحیح حدیث اس کو کہتے ہیں جو براہ راست تابعی
تک، صحابی تک اور پھر براہ راست رسول اللہ ﷺ تک پہنچے۔ راوی ثقہ ہو، عادل ہو، با اختیار ہو،
اس میں کوئی نقص نہ ہو، کوئی علت نہ ہو اور حدیث شاذ بھی نہ ہو، کسی کمتر درجے کے عالم کی بھی نہ
ہو۔

حسن وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی خفیف لہضب ہو مگر باقی تمام صحیح حدیث والی شرطیں پوری
ہوں۔ محدثین یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی راوی کا مافقہ کمزور ہے تو وہ صحیح کے درجے سے گر جائے گی اور
حسن کے مقام تک آجائے گی۔ اس کا رتبہ کم ہو جائے گا۔ باقی سب شرائط ٹھیک ہیں، حسن قابل
قبول ہے، اچھی حدیث ہے مگر محدثین اور جر حوالے لایک خامی کو بھی نہیں بخشے۔

اس کے بعد خفیف حدیث آ جاتی ہے یعنی کمزور۔ خفیف: خفت والا، شرمسار..... شرمسار حدیث
والا وہی ہو سکتا ہے جو نہ حسن ہو نہ صحیح ہو، جس میں دونوں صفات نہ پائی جاتی ہوں۔ (مثلاً حکم محدود
ہے، خفیف حدیث ہے)

موضوع یا جھوٹی حدیث اسکو کہتے ہیں جس کو کوئی کذاب گھڑ کر حضور ﷺ سے نسبت دے دے۔ ایسی حدیثیں بے شمار ہیں مگر انگوں کو پتہ نہیں، اسی لئے انہوں نے نکال دیں مگر آج کے لوگ یہ طعن نہیں دے سکتے۔ آج کے لوگ کیسے کسی خفیف یا موضوع کو نکال لیں گے یہ تو ان لوگوں کو پتہ ہے جو اس زمانے کے تھے، ان کے راویین کو جانتے تھے کہ خفیف کیا ہے۔

منکر وہ حدیث ہے جس کو فاجر و فاسق، غافل اور ملعون روایت کرے جس پر درایت کے سارے قوانین negative (منفی) چلتے ہیں۔

معلق اس کو کہتے ہیں جس کی بالائی یا اوپر والی سند نہ ہو۔ باقی نیچے سے سند کے سارے سلسلے چل رہے ہوں اسے مطلق حدیث کہتے ہیں۔

معدّل حدیث اس کو کہتے ہیں جس کے دہا دو سے زیادہ راوی حذف ہو جائیں۔ جب دہا دو سے زیادہ راوی نہ ہوں گے تو ظاہر ہے کہ وہ مشکوک ہو جائے گی۔ اس لئے اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

مرسل وہ حدیث ہے جسے ارسال کرنے والا سند چھوڑ کر بیان کرے۔ اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ مدلس وہ حدیث ہے کہ جس سے سنی ہے مگر اس سے روایت نہیں کرنا اور جسکے سامنے بیان کر رہا ہے انکلام لے دیتا ہے اس حدیث پر بھی اعتبار نہیں کیا جاتا۔

اب آگے حدیث کی بروایت قسمیں ہیں کہ کون سی حدیث کس رتبے پر ہے۔ سب سے بڑی حدیث لمحاظ روایت جو ہے اسے متواتر کہتے ہیں جو بے شمار اصحاب نے روایت کی ہو اور مسلسل روایت کی ہو اور ایک ہی متن سے روایت کی ہو تو اسے متواتر کہتے ہیں اور متواتر پر تمام قوانین ویں گتے ہیں جو میں پیچھے بیان کر آیا ہوں۔ یہ اتنی مرتبہ بیان کی گئی ہوتی ہے کہ اس پر کسی قسم کی غلطی کا شبہ نہیں پڑتا۔

متواتر کے بعد ایک حدیث ہے جسے زیادہ لوگ روایت نہیں کرتے اسے احاد کہتے ہیں۔ احاد کی تمن قسمیں ہیں: مشہور، غریب اور عزیز۔

غریب وہ حدیث ہے جو بہت کم کسی نے بیان کی ہوئی ہے، بہت ڈھونڈنے سے کہیں ملتی ہے جیسے غریب ہوتا ہے اور عزیز وہ حدیث ہے جسکی روایت کم ہو۔ غریب وہ ہے جو کم اور اکیلی ہو جیسے ”انما الاعمال بالنیات“ مشہور حدیث ہے مگر روایت صرف حضرت عمر فاروقؓ نے کی ہے۔ اس حدیث پر کوئی گمان نہیں کہ غلط ہے مگر چونکہ ایک بندے کی روایت ہے اسی کی روایت

سے درج ہے اسی لئے غریب ہے مگر مکمل باعتبار حدیث ہے۔ ان احادیث پر جب ہم اصول لگاتے ہیں تو ان کو ہم مقررین کے لحاظ سے finality (حتمیت) دیتے ہیں جیسے عمرؓ نے کبھی اس لئے بات ختم..... اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اصحاب پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے تمام اصحاب عادل تھے، ایماندار تھے اور سچائی والے تھے۔

زیادہ ثقہ: جب کوئی حدیث کسی اور حدیث کی وجہ سے مزید مضبوط ہو جائے تو اس کو زیادہ ثقہ کہتے ہیں۔ یعنی ثقہ معتبر حدیث کو زیادہ اعتبار مل گیا۔ منکر حدیث وہ ہے جس کا واضح انکار کیا جائے۔

مدرج: غیر معتبر روایت کا حدیث میں درج ہو جانا۔ ایسی بات لکھتا جو حدیث کا حصہ نہ ہو۔ ایک دفعہ ابو ہریرہؓ حدیث درج کروا رہے تھے جب حدیث رکی تو آپؐ نے کہا کہ ”جو راتوں کو تہجد میں اٹھتے ہیں ان کے چہرے دن میں روشن ہوتے ہیں۔“ جب حدیث پر حسی گئی تو اس میں یہ لفظ بھی درج ہو گئے حالانکہ یہ حدیث کے الفاظ نہیں تھے۔ ہوا یہ کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ نے کتابت ختم کر دائی تو اس شخص کا چہرہ دیکھ کر کہا کہ جو راتوں کو زیادہ عبادت کرتے ہیں ان کے چہرے دن میں چمکتے ہیں۔ جب یہ کہا تو اس لکھنے والے نے یہ بات بھی لکھ دی۔ ایسی حدیث کو مدرج حدیث کہتے ہیں کہ جس میں چیزیں درج ہو جاتی ہیں..... (اتفاقاً مجھے اپنے کالج کا زمانہ یاد آ گیا کہ جب لڑکے لڑکیاں نوٹس لکھتے تھے تو اگر میں نے کہا ہونا کہ please wait تو جب نوٹس لکھے ہوئے میرے پاس آتے تو لکھا ہونا پلیز wait یا اگر کبھی میں نے کہا کہ چھوڑ دیا اس بات کو تو وہ اتنی غلصت سے نکال پاتی کرتے تھے کہ جب میں نوٹس چیک کرنا تو بیچ میں لکھا ہونا کہ چھوڑ دیا اس بات کو.....) اسی طرح حدیث کی روایت میں بعض ایسی چیزیں آ جاتی ہیں کہ جو لوگوں نے کہا ہونا ہے وہ اسی طرح حدیث کا حصہ بن جاتا ہے۔ ایسی حدیث کو ہم مدرج حدیث کہتے ہیں۔

English standard of criticism is based upon two things: external criticism and internal criticism.

(انگریزی میں تنقید کا معیار دو چیزوں پر بنیاد ہے بیرونی تنقید اور اندرونی تنقید) ان کے قوانین (laws) میں آپ کے سامنے بیان کرنا ہوں۔ وہ اگر آپ کے ذہن میں رہیں گے تو آگے چلتے ہوئے آپ دیکھیں گے کہ جس معیار پر حدیث collect کی گئی ہے وہ مغربی دنیا کے بہترین ادبی معیار کے مقابلے میں ان سے بہتر ہے یا بدتر ہے۔ Internal

criticism یہ کہتا ہے کہ جو واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں اس کا علم اس وقت کے لوگوں سے ہوتا ہے جو علم و فہم اگلی نسلوں تک پہنچاتے ہیں اور روزمرہ کی زندگی اور واقعات شہادتوں سے جانے جاتے ہیں جیسے عدالت میں واقعات کی تصدیق شہادتوں سے ہوتی ہے اور جب تصدیق ہو جائے تو معاملہ شک و شبہ سے بالا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مختصر یہ اصول ہے کہ If the testimony is sufficient and reliable source of un-impeachable, undisputeable knowledge of historical events. (اگر شہادتیں مقرر اور مبہم ہیں تو تاریخی واقعات کا علم بالائے شک و شبہ اور ناقابلِ بحث ہوتا ہے۔) یہ انکا criticism کا اصول ہے۔ اب تاریخ کا کام کیا ہے۔ تاریخ کا کام ہے شہادتوں کے معیار کو پرکھنا۔ کوئی کتاب جب آپ historically (تاریخی طور پر) پرکھنا چاہتے ہیں، نہ صرف کوئی کتاب بلکہ کوئی چیز کا کھڑا، کوئی تحریر، کوئی ٹوٹا ہوا متن، کوئی تصویر، کوئی آثار کوئی شے بھی جب پرکھنا چاہیں تو اصل میں اندرونی ترکیب یہ ہے کہ یہ دیکھنا جاتا ہے کہ اس کی ترسیل یا اس کے ملنے کے دوران یہ کسی شے کی تبدیلی کا شکار تو نہیں ہوئی۔ فرض کیجئے کہ مونیچو داؤد میں ان کو ایک چیز ملی مگر وہ مونیچو داؤد کی تہذیب کی نہیں ہے مثلاً آپ کو ایک لومہ مل گیا۔ (سیاسی لومہ نہیں) وہ آپ نے اٹھایا اور اس کی تحقیق کرنے لگے۔ (سیاسی لوہے میں بھی صفات ہیں۔ یہ ہر زمانے میں ملتا ہے مگر یہاں آپ نے جس لوہے کو اٹھایا ہے) یہ آپ کو مصر کی تہذیب میں جا کر ملے گا۔ جب مصر کی تہذیب کا لومہ مونیچو داؤد میں ملتا ہے تو آپ سوچتے ہو کہ ہوا کیا ہے؟ اس کی ترسیل کیسے ہوئی ہے؟ How did it reach here. یہ کس source سے یہاں آیا؟ کیسے آیا ہے اور اس آمد و رفت کے دوران خراب تو نہیں ہو گیا؟ جیسے ہل آیا تھا۔ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ کیسے آ گیا؟ کون لے کر آیا؟ اچانک عربوں کے دماغ میں ہل کیسے آ گیا؟ پتہ چلا کہ یمن سے ”پالو“ چلا اور ”کرینے“ آیا کرینے سے فونیشیا آیا، وہاں سے مصر آیا۔ وہاں کوئی عرب گیا اور ”پالو“ کو اٹھا کر عرب میں لے آیا۔ فرق یہ ہوا کہ یہاں ”پالو“ ہل بن گیا۔ external اور internal criticism میں ایسے حقائق کو پرکھا جاتا ہے۔

اب witnesses (گواہیوں) کو define کروں گا کہ one needs to determine the origin of the source as well as where it was originally found. (اس تاریخی شے کی کسی مقام پر موجودگی کے علاوہ اس کے

116

آگئی اور اس کی تبدیلیوں سے شناسائی لازم ہے تاکہ بات کو اس کے ماحول کے مطابق جانا جائے، گواہ کی تعلیم، مقام، کردار اور انکی سیاسی رائے کا جاننا بھی لازم ہے۔ اس کی مثال بھی کل کی تاریخ میں ملتی ہے جیسے عالمگیر کے بارے میں 'خانی خان' نے لکھا کہ یہ ظالم تھا، ہندو کش تھا، ستم گر تھا، تو ہمیں اچھی طرح پتہ ہے کہ خانی خان شیعہ تھا اور اس کی سیاسی حمایت دراصل سکھوں کے ساتھ تھی اور چونکہ سکھوں کے ساتھ اورنگزیب کی سخت مخالفت تھی اس لئے وہ کوئی ہمدردانہ رائے اس کے بارے میں نہیں لکھ سکتا۔ جب ہم اورنگزیب کے کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو اورنگزیب کے بارے میں خانی خان کی بہت ساری opinions (آراء) مشکوک ہو جاتی ہیں۔

اگلی بات ہے گواہ کا معنی شاہد ہونا، ایماندار ہونا، فضول گفتگو کا عادی نہ ہونا۔ کیا پتہ ایک حقیقت میں دو باتیں غلط سناوے اور تنقید اور شک کا مالک نہ ہوا۔ یہ تمام میں نے آپ سے تنقید کے western standards (مغربی معیارات) بیان کئے۔ مختصر اب یہ بتانا ہوں کہ حدیث میں جرح و تعدیل کی مسلمانوں نے کیا شرائط رکھیں۔ وہ شرائط جرح چار ہیں۔ راوی عادل اور مستقیم ہو۔ کسی کے خلاف غلط رائے نہ رکھتا ہو، اس کی involvement کوئی نہ ہو۔

وہ ضبط اور یادداشت میں پورا ہو۔

پرہیزگار ہو۔

اور تبدیلی کے ماحول سے اچھی طرح واقف ہو۔

تعدیل کے اصول یہ ہیں کہ ہر روایت کو اچھی طرح یاد رکھتا ہو۔ اس کو جرح کے reasons (اسباب) معلوم ہوں۔ عالم اسباب کے ہر technical (تکنیکی) نقطے اور technology سے آگاہ ہو اور عدالت و امانت میں متواتر ہو، مشہور ہو۔

مندرجہ ذیل چار چیزوں کے التزام ہر راوی پر گتے ہیں۔ جب تک وہ ان سے پاک نہیں ہوتے ان کو سند نہیں دی جاتی۔

کذب: اگر ساری زندگی میں ایک جھوٹ بھی راوی میں نکل آیا تو اس کی روایت نہیں لی جائے گی۔

تہمت: اگر اس پر کسی نے غلط تہمت بھی لگائی ہے تو وہ عادل نہیں رہے گا اس کو کسی صورت count نہیں کیا جائے گا۔

بدعت: اگر وہ مشہور ہے کہ دین کے علاوہ فضول باتوں کی تلقین کرنا۔ جہو اس کی حدیث میں کسی قسم کی بھی شہادت نہیں ہوگی۔

فسق: اگر وہ غیر شرعی حرکات میں شامل ہو تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

جہالت: اگر وہ علم میں کم ہے، ماقص جہو اس کو راوی نہیں بنایا جائے گا۔

اگر وہ زبانی غلط کام رکب ہوتا جہو بھی اس کی روایت نہیں لی جائے گی۔

اگر اس کی یادداشت خراب جہو بھی روایت نہیں لی جائے گی۔

اگر غفلت اور لاپرواہی کا مرکب ہوتا جہو بھی گواہی نہیں لی جائے گی۔

اگر وہ ہم کرنا جہو اپنے خیالات میں جنات اور آسیب کا قائل جہو بھی گواہی نہیں لی جائے گی۔

اگر ذاتی طور پر مخالفت رکھتا ہے اور معزز و شریف لوگوں کی مخالفت کرنا جہو بھی اس کی گواہی نہیں لی جائے گی۔

اب اہم حصے کی طرف آتے ہوئے میں آپ کو بتانا ہوں کہ وہ checks اور

معیارات کیا ہیں۔ جس پر حدیث پرکھی جاتی ہے:

حدیث رقیق نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ایسا خیال نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف

ہو۔ یہ ظاہری رفاقت بھی ہے اور معنوی بھی ہے۔ حضور ﷺ کو افسح العرب کہتے ہیں۔ یعنی

حضور ﷺ کی زبان میں کوئی رقیق لفظ نہیں آ سکتا۔ اگر آئے گا تو وہ حضور ﷺ کا کلام نہیں ہو

سکتا۔ ایسی حدیث ترک کی جاتی ہے۔ اسی طرح معنوی طور پر ایسی بات حضور ﷺ نہیں کر سکتے

جو گھٹیا ہو کمزور ہو، عامیانہ ہو جیسے یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ ”چار کو چار سے شکم سیری نہیں یعنی

چار کا پیٹ چار سے نہیں بھرنا۔ زمین کو بارش سے، عورت کو مرد سے، آنکھ کو دیکھنے سے، عالم کو علم

سے۔۔۔۔۔“ یہ رقیق ہے، اس قسم کی حدیث حضور ﷺ نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے اس حدیث کے اس

معنی کو ترک کیا جاتا ہے۔ اس کو موضوع اور غلط سمجھا جاتا ہے۔ حدیث میں اگر مختلف پیشے اختیار

کرنے کی برائی ہو تو وہ حدیث نہیں ہو سکتی۔ رسول ﷺ نے تمام پیشوں کو عزت بخشی ہے۔ معمولی

سے معمولی کام کو عزت بخشی ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ حضور ﷺ کسی کو اس بات کی تلقین کریں کہ

فلاں پیشہ خراب ہے مثلاً ”جھنڈی جب شکم سیر ہوتا جہو غلط کام کرنا ہے۔ جب بھوکا ہوتا ہے تو چوری

کرنا ہے“ اس قسم کا قول رسول اللہ ﷺ کا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے محدثین ایسی تمام احادیث کو جس

میں اس قسم کی ماقص روایت ہو بیان ہی نہیں ہونے دیتے۔ اگر بڑھکتی اور اونٹ پٹانگ باتیں

ہوں جو حضور ﷺ کی شان سے بچد ہوں تو وہ حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔ مثلاً..... ”دارحی کی لمبائی، انگوٹھی کے نقص اور کنیت سے آدمی کی عقل کا اندازہ کرو۔“ ایسی فضول بات رسول اللہ ﷺ نہیں کر سکتے۔ محدثین کہتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب نہیں ہو سکتیں۔ یہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی انگوٹھی نہیں پہنتے تھے، نہ کسی کو پہننے کی اجازت تھی۔ صرف مہر لگانے کیلئے وہ انگوٹھی استعمال کرتے تھے۔ اب بھی بہت سے لوگ آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس انگوٹھی کا کیا اثر ہوگا، اس انگوٹھی کا کیا اثر ہوگا مگر حضور ﷺ سے اسے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ پیشہ ور لوگ اپنے پیشے کی حمايت کیلئے ایسی بہت سی حدیثیں گھڑ لیتے ہیں۔

یہ بات حضور ﷺ کے prejudice میں بیان کی گئی ہے یعنی کہ عزت رسول ﷺ بڑھانے کیلئے مگر فرق یہ ہے کہ رسول ﷺ پر یہ غلو بات کی گئی ہے جیسے..... ”اللہ نے کہا کہ اے رسول ﷺ اپنے غلین ندامتار سے عرش آپ کے غلین پہن کر آنے سے شرف حاصل کرے گا۔“ یہ عقیدت و محبت میں ایک بہت اچھی بات ہے۔ سب کی خواہش ہوگی کہ ایسا کہا جائے مگر ایسا کہا نہیں گیا۔ محدثین نے اس باب میں کوئی ایسی حدیث recommend نہیں کی ہے۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کی گئی کوئی غلو بات ہو تو اسے راوی قبول نہیں کرتے۔ جیسے اس حدیث کو دیکھئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو انہوں نے political leader (سیاسی رہنما) بنا دیا ہے۔ جیسے ”سب سے ما پسند کلام اللہ کے نزدیک فارسی ہے۔“ اسکے برعکس جو اصل حدیث رسول اللہ ﷺ کی موجود ہے وہ یہ ہے کہ:

”علم اگر اونچا ثریا پر بھی ہوگا تو کوئی عجمی اسے

انار لائے گا۔“

اگر آپ دیکھیں تو بخاری، مسلم اور سارے کے سارے ہی محدثین فارسی النسل ہیں یا ماورائے نہر کے علاقے کے ہیں اور ان پر اگر یہ حدیث چلی جائے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ما پسند کلام فارسی ہے تو پھر ان محدثین کے بارے میں کیا رائے ہوگی۔

اس قسم کی senseless احادیث بھی شامل کی گئی ہیں جیسے ”شیطان کا کلام خوزی (ایک قبیلہ) کا کلام ہے اور دو خوزیوں کا کلام بخاریوں (برہمنی) کا کلام ہے۔“

حدیث محسوس، مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو مثلاً (یہ عورتوں کیلئے دلچسپ بات ہے۔) یہ حدیث مسواک کی حمايت میں مشہور ہے کہ ”مسواک سے فصاحت زیادہ ہوتی ہے۔“ مگر جب مسواک نہ

ہو گئی تو کیا کرو گے.....؟ تو کیا حدیث غلط نہیں ہو جائے گی مگر یہ حدیث نہیں ہے۔ اسے add کیا گیا ہے۔

”عورت کی برکت یہ ہے کہ پہلے لڑکی جنے۔“ اب جس نے لڑکا جنا ہو وہ تو خواہ مخواہ خوار ہو گئی م..... وہ تو بے برکت ہو گئی..... ایسی احادیث Non-functional (بے عمل) ہیں۔ ان کو خواہ مخواہ رسول اللہ ﷺ کے امام لوگوں نے جاری کر دیا اور محدثین نے ایسی حدیثوں کو موضوع قرار دیا۔ اس طرح چھ لاکھ حدیثیں انہوں نے رد کیں۔

اگر حدیث عقل کے خلاف ہو تو محدثین اسے رد کر دیتے ہیں۔ کوئی بھی عام بندہ جسے وہ سنا نہیں گئے تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔ مثلاً یہ حدیث سیئہ ہے:

”حضرت نوحؑ کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف

کیا۔ پھر مقام ابراہیمؑ کے پاس آ کر دو رکعت

نماز پڑھی۔“

یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ بیت اللہ کے قریب آ کر کشتی کے مسافروں نے نماز پڑھی اور چلو یہ بھی ماما جاسکتا ہے کہ وہ کچھ تھوڑا جھک گئی ہوگی تو ایک رکعت ہو گئی مگر یہ کٹھی دور کھینچیں کیسے پڑھ گئی..... یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی.....

حدیث میں شہوات خفا دپایا جائے جیسے یہ کہا گیا کہ ”عورتوں کی شہوت مردوں سے زیادہ ہے۔“ اور جیسے انہوں نے حریرہ کھانے کے ساتھ جنسی کمزوری کا حل نکالا۔ یہ سب ٹیکسوں کی دریافت کردہ ہیں۔ بلکہ دیکھا جائے تو یہ انڈین ٹیکسوں کی دریافت کردہ ہیں۔ ہندوستانی اور قدیم کھانا ماس قسم کا الزام عورتوں اور مردوں پر دیا کرتے تھے اور جنسانی حکم لگایا کرتے تھے۔ انہوں نے کسی کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے ساری باتیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دیں۔ یا منجانی غلط، احمقانہ اور جاہلانہ باتیں ہیں۔

حدیث اگر بنیادی طب کے خلاف ہو اور عام سطح پر جو بات محسوس کی جاتی ہے اگر اس کے خلاف ہو تو آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ اس پر اعتراض کرو مثلاً ”ہینگن میں ہر بیماری کی شفا ہے“ میرا تو یہ خیال ہے کہ ہینگن کا نام ”بے گن“ ہے یعنی اس میں کسی قسم کی کوئی صفت ہی نہیں ہے۔ اب اگر کسی نے ہینگن پیچھے ہوں تو وہ کہے کہ تو نے حضور ﷺ سے نہیں سنا کہ ہینگن میں ہر بیماری کی شفا ہے تو پھر ذرا گڑبڑ ہو جاتی ہے..... اسی طرح حدیث ہے کہ ”اے علی! تمک استعمال

کر داس میں ستر تیار یوں کی شفا ہے۔“ اس میں جزام، برص اور جنوں کا نام بھی لیا گیا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اکرم ﷺ کی دعا موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ ان تیار یوں سے نیچے کیلئے اللہ سے مانگ رہے ہیں۔ وہ دعا ہمارے پاس موجود ہے جو مستند ہے جو بہترین انداز اور بہترین لہجہ ہے کہ:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُونِ وَالْجُدَامِ وَسَيِّئِ الْأَسْقَامِ“

(اے اللہ مجھے پناہ دے برص، پھنسی کی اور دیوانگی سے اور تمام بری بیماریوں سے)

بعض احادیث میں exact ماہ و سال موجود ہیں حالانکہ سورہ روم میں اللہ نے نہیں گنوائے مگر بعض احادیث میں بعض جزیر یا اور رملیہ حضرات نے ایسی احادیث نکالیں جن میں کپے کپے دن رکھ دیئے۔۔۔۔۔ جیسے ”سن ایک سو ساٹھ میں چار چیزیں اجنبی ہو جائیں گی۔ قرآن ظالم کے پیٹ میں، مصحف ایسے لوگوں کے گھروں میں جو تلاوت نہ کریں گے۔ مسجد قوم کی مجلس میں کہ وہ نماز نہ پڑھیں گے اور صالح آدمی برے لوگوں میں اجنبی ہو جائیں گے۔“ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک سو ساٹھ برس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے ادوار آجائیں مگر وقت کے تعین کے حوالے سے یہ حدیث قابل قبول ہے۔ یہ میں آپ کو دراست کے قوانین بتا رہا ہوں۔ یہ قوانین کسی ایک عالم کے بنائے ہوئے نہیں ہیں بلکہ چھبیس جملہ اعلیٰ ترین محدثین نے pick and choose (انتخاب) کے جو قوانین بنائے ہیں وہ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔

چھوٹے کام پر بھاری ثواب آپ کو ملا لوگ تو بہت سناتے ہیں مگر افسوس ہے کہ غلط سناتے ہیں۔ جہاں سے پوچھا جائے کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہو تو کہتے ہیں کہ ہم تو نیکی کے خیال سے کرتے ہیں کہ لوگ ثواب حاصل کریں۔۔۔۔۔ مگر جب ثواب ہی نہیں ہوتا تو نیکی کا بے کی گئی جائیگی۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ

”جس نے جمعہ کے دن طلبِ ثواب کی نیت سے غسل کیا تو اللہ اسکے ہر

بال کے بدلے قیامت کے دن نور لکھے گا۔ ہر قطرے کے بدلے جنت

میں موتی، یا قوت اور زبرد کے درجات بلند کرے گا جس کے ہر دو

درجوں میں دو سو سال کی مسافت ہوگی“

ویسے تو جمعہ کو غسل کر لینا چاہیے مگر اتنے بڑے ریچرچر (مصیبت) کیلئے نہیں۔۔۔۔۔ اس کیلئے پہلے تو

آپ کو ایک اعلیٰ ترین computer پر ثواب calculate (حساب) کرنا چاہیے اور پھر مزید

ثواب کیلئے ہر جمعے کو تین تین غسل کرنے چاہئیں۔۔۔۔۔

ایسی حدیث بھی روکی جائے گی جس میں چھوٹی بات پر بڑی سخت وعید کا مبالغہ ہو۔ بات معمولی سی ہو، اللہ کے نزدیک چھوٹی سی ہو اور شاید وہ بخش ہی دے مگر اس پر سزا ایسی چوڑی سزا دی جائے مثلاً (غور سے سننا بڑی خطرناک بات ہے۔) ”جس نے عشاء کی نماز کے بعد شعر کہا تو اس کی اس رات کی کوئی نماز قبول نہیں ہوگی۔“ اب وہ طالب علم کیا کریں گے جو شاعری پڑھتے ہی عشاء کے بعد ہیں، تو یہ ایک ناقص بیان ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کبھی یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ حالانکہ احادیث میں آیا ہے کہ صحابہ کرام عشاء کی نماز کے بعد کچھ دیر تک بیٹھتے اور زمانہ جاہلیت کے عرب شعراء کی باتیں کرتے تھے۔ وہ حدیث بھی ناقابل قبول ہے جس میں ذاتی مفادات گروہی صحیبت، دین اور مسلک کے خلاف باتیں کی جائیں۔

اس سے پہلے کہ اب میں آخری بات ان اعتراضات کے بارے میں کروں جو بخاری اور مسلم پر ہوئے ہیں۔ احادیث کی کچھ وضاحت technically اور knowledgeably (فنی اور علمی) طور پر کرنا چاہوں گا۔ اس سے پہلے میں یہ بتانا چلوں کہ احادیث پر اعتراضات کرنے والے کون لوگ ہوتے ہیں۔ جو اعتراضات آپ نے سنے ہیں یہ پہلے محدثین روایت اور دراست میں کر چکے ہیں۔ جو کر چکے ہیں اب اس سے زیادہ آپ کے ذہن میں کوئی ایسی چیز نہیں آسکتی کہ جس کی بنیاد پر آپ ان احادیث کو پرکھ سکیں مگر اس کے باوجود ہم نے یہ دیکھا کہ جن نقادان احادیث کو ہم نے پایا ہے ان کی تعلیمات ادھوری اور معیار غیر علمی ہیں۔ نہ وہ کلاسیفائیڈ محدث ہیں، نہ مفکر ہیں، نہ مناسب فہم فراست رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس جو چند ایک مثالیں موجود ہیں وہ گورنمنٹ کے ملازم، بیوروکریٹ فارغ وقت میں تنقیدی آرٹیکل لکھنے والے، چاہے وہ اسلم جاپوری ہوں، چاہے پرویز ہوں، چاہے پرویز شرف ہوں چاہے کوئی اور دانشور ہوں، چاہے وہ سوشلسٹ ہوں، ایک بات یقینی ہے کہ وہ کلاسیفائیڈ عالم نہیں ہوتے۔ ان کی اس علم میں تحصیل Zero (صفر) ہے۔ ان کی کوئی classification نہیں ہوتی۔ جب میں احادیث پر کئے گئے ان کے اعتراضات پر آپ کو جواب دوں گا تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ علم میں کتنے ناقص ہیں۔ یہ سکولر، جدید طرز فکر اور روشن خیال گروہ۔۔۔۔۔ حالانکہ روشن خیالی سے مراد اعلیٰ ترین علمی توجیہات تھیں جبکہ جو ہمیں بتایا گیا اور جس قسم کے ناقص اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ رسول ﷺ کی شان میں کمی کے لئے کئے جاتے ہیں۔ یہ گورنمنٹ کے ملازم، یورپ اور

امریکہ کے خذام، غریب اور مساکین فکر، یہ مظلوک الفہم علماء جو ہیں ان کو آپ آسانی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مذہب کے بارے میں defensive اور apologetic ہیں۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ سب سے معافی مانگتے ہیں کہ یا ربڑی بد قسمتی ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ پلیز قبول کر لو..... کبھی امریکہ میں ڈاکٹر شیریہ صاحبہ کی حرکت کر رہے ہوتے ہیں کہ یا رب فکر نہ کرو میں ساری حدیں غلط قرار دے دوں گا۔ آپ بس مجھے گرین کارڈ دے دو۔ واپس نہ جانے دینا۔ یہ مدافعتی، معذرت خواہانہ اور خوشامدانہ مسلک والے لوگ ہیں۔ ایک صاحب عرفی وی پر آنے کیلئے یہ ساری حرکتیں کئے جا رہے ہیں۔ ایک صاحب گورنمنٹ کا ایک آفس لینے کیلئے حدیث کے خلاف اچھل کود مار رہے ہیں۔ ایک خاتون بہتر مہم حدود کے سبق دے رہی ہیں کیونکہ انہوں نے خوش کرنا ہوتا ہے اپنے آپ کو یا اس طرز حکومت کو جو وہ چاہتے ہیں یا اس انداز فکر کو جو بقول ان کے یورپ اور مغرب میں اعلیٰ ترین سوسائٹی کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ہمیں تو ابھی تک کوئی ایسا مفکر، مفسر اور دانش ور یورپ میں نظر نہیں آیا جو بخاری اور مسلم سے بہتر رائے کی تنقید کر سکے، جو حدیث میں امام ابن حجر عسقلانیؒ یا امام ابن تیمیہؒ جیسا سکار ہو۔ ہمیں جملہ جملہ کچھ اچھی کوشش نظر آتی ہے مگر بغیر کسی مکمل آگہی کے۔ کچھ حدیث پر اعتراضات ذاتی اغراض، احساس کتری اور متقی احساس برتری کا نتیجہ ہیں۔ ”بھئی پندرہ سو برس سے رسول اللہ ﷺ کی تعریف ہو رہی ہے اور میں خواہتاہ jelous (حاسد) ہو جانا ہوں کہ ”یا رب آخر پندرہ سو برس پہلے ایک دانشور کی ایسی تعریف ہوتی جا رہی ہے۔ ہم تو ان سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں۔ ہارورڈ سے آئے ہیں، کیمبرج سے آئے ہیں، ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ ہم تو اپنی ذہانت میں اعلیٰ معیار کے لوگ ہیں اور وہ محمد عربی ﷺ، وہ ہدوؤں کو سبق دینے والے، وہ ہم سے زیادہ معزز ہو گئے“..... Indirectly they don't believe in the honour of the Prophet. یہ جرات نہیں ہوتی کہ اسلام کا انکار کر دیں مگر اندر سے وہ کوشش کر رہے ہوتے ہیں کہ اس یقین، اس اعتماد اور اس محبت کو جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لوگوں کو جاس کو کنزور کر سکیں۔ بعض اعتراضات بالکل لادین عناصر کی طرف سے ہیں جو حدیث، قرآن اور پیغمبر کو سرے سے نہیں مانتے تو وہ instruments ڈھونڈتے ہیں کہ کس پر اعتراض کریں۔ جب وہ حدیث پر اعتراض کرتے ہیں تو وہ پھر قرآن پر بھی چلا جاتا ہے، اللہ پر بھی چلا جاتا ہے۔ رسول ﷺ پر بھی چلا جاتا ہے۔ یہ ان کی ایک technique ہے۔

کچھ سائنسی مفکرین بھی ہیں جن کو سائنس بہت آتی ہے وہ بد قسمتی سے local scientific effects (مقامی سائنسی اثرات) پر تنقید کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ پیغمبر کو سائنسی ایجادات کا نہیں پتہ تھا۔ یہ نہیں پتہ تھا، وہ نہیں پتہ تھا۔ جو حدیث وہ کاپی کرتے ہیں وہ اس نوعیت کی کاپی کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں وہ یہ بتا سکیں کہ دیکھو جی! رسول ﷺ کو سائنس کا ہی نہیں پتہ تھا۔ یہ حدیث ہو ہی نہیں سکتی۔۔۔۔۔ یا حدیث غلط ہے، یا رسول غلط ہے۔۔۔۔۔ دونوں طرف سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کچھ اعتراضات وقت اور مقام سے پیدا ہوئے۔ ان میں تھوڑی سی justification ہے کہ شروع میں کچھ احادیث ایسی تھیں جو بعد میں آ کر improve (تبدیل یا بہتر) ہوئیں۔ جیسے پہلے خطاب لگانا منع تھا پھر جائز ہوا۔ پہلے عذاب قبر کے بارے میں کہا گیا کہ نہیں ہوتا، بعد میں وضاحت آ گئی تو کہا گیا کہ ہوتا ہے تو یہ احادیث زمان و مکان کے لحاظ سے ہیں جو بعد میں یا منسوخ ہوئیں یا بہتر ہوئیں یا مزید وضاحت آئی مگر چونکہ محدثین صاحبِ نسخ نہیں تھے وہ کسی چیز کو از خود منسوخ نہیں کر سکتے تھے اس لئے دونوں حدیثیں رہ گئیں جیسے قرآن میں بھی ہے کہ پہلا شراب کا حکم۔۔۔۔۔ پھر دوسرا شراب کا حکم۔۔۔۔۔ پھر تیسرا ممانعت کا حکم۔۔۔۔۔ اس طرح تھوڑی تھوڑی کر کے جو ہدایات آئی ہیں تو اس کی وجہ سے کبھی لگتا ہے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کے خلاف ہے۔ اصل میں ایسا نہیں ہے۔ یہ احادیث کچھ منسوخ ہوئیں، کچھ بہتر ہوئیں، کسی میں مزید وضاحت آئی اور یہ زمان و مکان کی وجہ سے آئیں۔ اب ہمارے پاس روایت و درایت کے اصول موجود ہیں آج اس زمانے میں ہم اُس زمانے کے محدث کو چیک نہیں کر سکتے جیسے اگر ہم نے ”ہائزلو“ کی جنگ پر بھی جہا ہم نے واقعہ قادسیہ کی جنگ پر بھی جہا (ہوریشو) Hureshu کی جنگ جو ایران کے ساتھ ہوئی وہ پر بھی جہا تو اب ہم اس کی کسی قسم کی تحقیق کے بجائے نہیں ہو سکتے۔ At most we can only discover a man of that age. ہم اسی وقت کے لوگوں کی معلومات پر بھروسہ کریں گے مگر جب اس وقت کے لوگوں کی معلومات پر بھروسہ کریں گے تو ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ کیا وہ بہتر اور سچے راوی ہیں یا غلط راوی ہیں۔ اس کی حفاظت محدثین نے کی ہے۔ historians (تاریخ دانوں) نے نہیں کی اس لئے زیادہ تر تاریخ گپ شپ پر مبنی ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کے محدثین پر اعتراضات کرنے کیلئے ہمارے آج کے دانشور کمترین لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں، راہ گزروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ بہت سے لوگوں

نے کچھ احادیث پر اعتراضات کئے جو آپ کے ذہن میں بھی ہوں گے۔ مثلاً Stanning of monkey (بندر کا رجم) یہ بخاری کی حدیث ہے۔ ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ وہ سفر میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ بندروں کا اجتماع ہے۔ جس میں بندر ایک بندر یا کوسگسار کر رہے تھے۔ تو جب یہ ’سُخ‘ کی آیت آئی کہ ہم نے بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو ان کی مافرائی کی سزا کے طور پر خسیس بندروں میں تبدیل کر دیا یعنی ان کو سُخ کر دیا تھا۔۔۔۔۔ تو ایک صحابی نے اپنا ایک واقعہ سنایا۔ اس واقعے کو حدیث نہیں کہا جاسکتا نہ یہ حدیث ہے۔ اس کا رسول ﷺ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ فرض کرو کہ آپ میں سے کوئی شخص آئے اور آپ کو کوئی مصدقہ بات بتائے تو اس پر غور و فکر تو ہو سکتا ہے۔ اسی طرح رسول ﷺ کی مجلس میں کوئی شخص آیا یہ واقعہ بیان کیا اور یہ بخاری کا حصہ ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ان صحابی سے یہ واقعہ سن کر اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اب اس حدیث کو غلط کہا جاتا ہے۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ غلط کیوں کہا جاتا ہے۔ پوری حدیث یہ ہے کہ ایک صحابی آئے انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ میں ایک جگہ سے گزر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ کچھ بندر ایک بندر یا کوسگسار کر رہے تھے۔ کیا یہ بنی اسرائیل کی انہیں نسلوں میں سے نہ ہوں جن کو سُخ کر دیا گیا تھا۔“ یعنی ان کا مطلب تھا کہ میں نے ایک بندر کو رجم ہوتے دیکھا۔ یہ بات رسول ﷺ نے کسی عالم میں نہیں کہی صرف ایک صحابی نے آپ ﷺ کے سامنے یہ بات کہی۔ اب آپ بتائیے کہ کیا اس پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے؟ اعتراض یہ ہے کہ بخاری نے یہ واقعہ کیوں لکھا۔ مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ جناب پرویز نے اور جناب مذہب صاحب نے اس حدیث پر کیوں اعتراض کیا۔ پتہ نہیں ایسی کتنی ہی باتیں ہوں گی جو حضور ﷺ سے بیان کی جاتی ہوں گی۔ اس پر اعتراض کی کوئی وجہ مجھے سمجھ نہیں آتی۔

جملہ حدیث ہے کہ ”بخاری ایک بچہ جہنم کا شور ہے۔ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔“ مصنف کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ بخاری جہنم سے نہیں ہے۔ ایک معمولی سی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے بخاری کی مثال دی ہے کہ یہ بخاری جہنم کی آگ سے ہے جیسے میں نے آپ سے کہا تھا کہ عرب کا محاورہ اندازہ بیان اور روزمرہ نہ جانتا بھی اعتراضات کا باعث بنا۔ اگر غور کیا جائے تو جہنم میں ہر وقت آگ جلتی ہے اور بخاری کی کیفیت بھی یہ ہے کہ یہ دن کے برصے میں ہوتا ہے۔ ہر حدیث تو زنا جوڑنا ہوا نکل جاتا ہے اور وضاحت گری محسوس ہوتی ہے تو اس میں خلاف عقل کیا بات تھی۔ شاید وہ نفاذ محاورے اور روزمرہ سے اتنے غافل ہیں کہ وہ جہنم کو اسل جہنم سمجھ رہے ہیں۔ وہ

اس کو عقل کا یا روزمرہ کا advantage (فائدہ) نہیں دے رہا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جہنم کی آگ سے ہی بخار ہے۔ اگر یہ واقعی جہنم کی آگ ہوتی تو پھر کچھ بھی نہ بچتا۔ یہ بڑی اہم بات ہے جو حضور ﷺ نے کہی کہ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔ خواتین و حضرات! جب بخار تیز ہو جائے تو آپ کیا کرتے ہیں؟ پانی کی پٹیاں ہی رکھتے ہوں! پہلے پانی کی پٹیاں ہی رکھتے تھے۔ آج بھی آپ اس حدیث پر عمل کر رہے ہو مگر موصوف کو یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ پانی کی ٹیوں سے بخار کیسے ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ A doctor can better answer this question. ڈاکٹر ہی اس سوال کا صحیح جواب دے سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں ہے۔

ایک حدیث ہے کہ ”نکھی اگر دودھ میں گر جائے تو اسکا دوسرا پر بھی ڈبو دو کہ اس میں تریاق ہوتا ہے۔“ اس حدیث پر بھی اس نے اعتراض کیا۔ میرا خیال ہے کہ معترض انتہائی جلد باز تھا۔ تھوڑا انتظار کر لیتا تو تحقیق سامنے آ جاتی اور اسے پتہ چل جاتا کہ نکھی کے دوسرے پر میں anti dote (تریاق) موجود ہے۔ میرے خیال میں معترض نکھی سے کراہت بہت کھانا ہوگا۔ کوئی آسیب ہوگا اس کے ذہن میں جیسے کچھ لوگ مکڑی سے بہت کراہت کھاتے ہیں، کچھ چھپکلی سے کراہت کھاتے ہیں اس لئے ان کی یہ بات تو مانی جاسکتی ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے کراہت بہت آتی ہے مگر اس حدیث میں کوئی غامی نہیں ہے۔ نکھی کے دوسرے پر میں واقعی anti-dote ہوتی ہے۔ and it is most established by the most modern researches بہت سی تحقیقات سے بھی اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سچے تھے اور معترض ذرا کم عقل واقع ہوئے ہیں۔

ایک واقعہ پیش آیا۔ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ان کو چلدی بیماری تھی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اونٹوں کا پیٹاب پیو۔ انہوں نے بیا اور وہ تندرست ہو گئے۔ نقاد کو یہ بات بڑی بری لگی کہ دیکھو جی! اللہ کا رسول یہ بتا رہا ہے کہ اپنے اونٹوں کا پیٹاب پیو۔ اب اگر اس نقاد کی جگہ کوئی عیسائی ہوتا تو کتنا appreciate (قد ر) کرنا..... یعنی آج کے اس دور میں technically جبکہ جو نگیں استعمال ہو رہی ہیں جو کہ ایلو پیتھی میں ایک مستند طریق علاج ہے۔ اسی طرح اب urine (پیٹاب) کو جلد کے علاج کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر آپ تفصیل جانتا چاہیں تو ڈاکٹر جلیل آپ کو بتا دیں گے۔ پیٹاب کے باقاعدہ analysis (تحزیہ) میں یہ

شناخت موجود ہے۔ اگر دیکھو تو urine میں ہے ہی کیا؟ Certain residues which do help a man when there is no water available. لوگوں پر کئی مرتبہ یہ نوبت آئی کہ انہوں نے اپنے urine کو پی کر گزار دیا ہے اور وہ مرے نہیں صرف یہ کہ اس کی بدبو بہت مگوار ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو بیماری ایسی گندی اور غلط تھی جس پر حضور ﷺ نے ان کو ایسا کہا۔ اس کا نتیجہ بھی وہی نکلا کہ وہ ٹھیک ہو گئے۔ جب وہ ٹھیک ہو گئے تو پھر بھلا خداؤں کو کیوں اعتراض ہے.....؟ انکو کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ان کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا کہ طلوع اور غروب آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ شیطان کے (horns) سیگ ہیں۔ موصوف نے اس پر بڑا اعتراض کیا کہ یہ ایک نجیف statement (بیان) ہے۔ جناب! یہ نجیف نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں دو بڑی تہذیبیں سورج کی پرستش میں مبتلا تھیں۔ Egyptians (مصری) اور فرامیسی مصر خداوند 'رع' (Raa) یا Rising Sun god کی پرستش کرتے تھے۔ دوسری طرف زرتشت اور ایرانی آگ اور سورج کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے صبح اور شام کی عبادات کے یہی اوقات تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ شیطان کے دو رخوں سے نکلتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ پہلے ہی سے ان دو حصوں غروب اور طلوع کو شیطان کا حصہ سمجھتے ہیں اس لئے خبردار رہو اور ان دو وقتوں کو تم اپنی عبادت کے لئے ترک کر دینا کہ تمہاری مشابہت ان سے نہ بنے۔

ایک اور اعتراض ہے کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ ہوتا، اگر نہ ہوتا تو کوئی عورت خاوند کو betray نہ کرتی۔ اصولاً یہ ایک بڑا پرانا تاریخی حوالہ ہے کہ حضرت آدم خطا نہ کرتے مگر جب وہ کو شیطان نے بتایا کہ اس میں eternal life (ہمیشہ کی زندگی) ہے اور تمہیں جبراً روکا جا رہا ہے اور تم کسی نہ کسی طریقے سے خاوند کو قائل کر لو..... مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے آدم کو exploit کیا۔ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور کہا کہ میں تو سزا یافتہ ہو گئی میں تو پٹلی اور تم آرام سے رہو جنت میں..... تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔

ہمدیا راں دوزخ ہمہ یاراں جنت

میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں تو خیال کیا جاتا ہے کہ آدم سے پہلے وہ eternal life کے شوق میں trap ہو گئے۔ ہمیشہ کی زندگی کے لالچ میں شیطان نے انہیں بہکایا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو

شاید مرد اور عورت میں کبھی کوئی غلط فہمی پیدا ہی نہ ہوتی۔ (اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔) مگر یہ ایسی کوئی بات نہیں جس کو ہم غلط کہہ سکیں۔

ایک اور حدیث پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ Musa slapped the angel of death (موسیٰ نے فرشتہ اجل کے منہ پر تھپڑ دے مارا) انہوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو ہو نہیں سکتا۔ یہ موسیٰ نے کیا کام کیا؟ خواتین و حضرات! میں یہ imagine (خیال) کرنا ہوں کہ ایک شخص عام لباس میں آئے اور اس صلابت والے پنہرے سے کہے کہ اے موسیٰ میں تجھے لینے آیا ہوں تو موسیٰ آگے سے کیا کرے گا؟ تھپڑ ہی مارے گا..... اگر کوئی مجھے بھی لینے آ جائے اور کہے کہ چلو جی، میں جان لینے آیا ہوں تو میرا آگے سے چارہ ہی کیا ہو گا کہ یا تو بھاگ جاؤں گا یا اسے تھپڑ دے ماروں گا۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ موسیٰ نے بڑا نیچرل کام کیا مگر پرویز صاحب کو یہ بڑا انوکھا کام لگ رہا ہے۔ بعد میں جب موسیٰ کو پتہ چلا تو پھر بڑی مفاہمت اور سلوک پیدا ہو گیا کہ یا مجھے پتہ نہیں تھا۔ I'm sorry! اگر تو چاہے تو مجھے لے جاسکتا ہے۔

ایک اور بڑا دلچسپ اعتراض اس بات پر کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اتنی برس کی عمر میں ختنہ فرمایا بسولہ کے ساتھ..... اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت اس کا رواج نہیں تھا پھر اس کا حکم آیا۔ ویسے حضرت ابراہیمؑ کی عمر بھی تو تین سو برس تھی اور اس میں اتنی برس بچپن ہی ہوا! پھر حضرت ابراہیمؑ نے دین کو قائم کیا۔ سنت ظلیل اللہ قائم ہوئی، دین ابراہیمؑ کو چٹا گیا، process سے گزرے تب اللہ کا حکم ختنہ کا آیا اور ان کے پاس اس وقت کوئی دوسرا تھا بھی نہیں اسلئے ان خود ختنہ فرمایا تو مصنف کو یہ بات بری لگی..... میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مصنف کا اپنا ختنہ نہیں ہوا ہو گا.....

اب میں ایک اور بہت اہم بات کرنے جا رہا ہوں کہ آپ بھی کہتے ہو۔ ہر کوئی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو ہوا تھا۔ معترض نے بھی کہا کہ جادو ہوا تھا۔ ایک بہت بڑا استاد جو ساری دنیا کیلئے معزز تھا، جس کی تعلیمات رہتی دنیا تک قائم رہی تھیں اس سے لوگ بار بار پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ سحر کیا ہے؟ سحر کیسے ہوتا ہے؟ سحر کی تعریف کیا ہے؟ وہ استاد جو امین ہے، وہ استاد جو صادق ہے وہ پھر لوگوں کو کیا بتاتا کہ سحر کیا ہے اور اگر بغیر جانے وہ یہ بتا دیتا تو پھر وہ سچا نہ ہوتا، وہ امین نہ ہوتا۔ اسلئے خواتین و حضرات! اس غلط فہمی کا ازالہ کر لیجئے کہ رسول اللہ ﷺ پر سحر نہیں ہوا بلکہ ان پر سے سحر گزرا گیا۔ ایک بہت بڑے استاد گرامی پر سے سحر اس لئے گزرا گیا کہ جب تک

آپ ﷺ نے اس کیفیت کو دیکھ نہیں لیا، سمجھ نہیں لیا، انہوں نے لوگوں کو بتایا نہیں کہ سحر کیا ہوتا ہے اور جب یہ مسئلہ طے ہوا تو نہ صرف یہ کہ بتایا گیا کہ سحر کیا ہوتا ہے بلکہ اسکا علاج بھی بتایا اور فرمایا کہ عرش کے پائے سے مجھے دو چمکتی ہوئی سورتیں عطا ہوئیں ہیں ”والناس اور فلق“ اس لئے یہ سمجھنے کی غلطی مت کیجئے گا کہ رسول اللہ ﷺ پر سحر ہوا۔ کوئی ان پر سحر نہیں کر سکتا تھا مگر یہ کہ اللہ کی مرضی سے..... ایک ایسے بڑے استاد کو جو بغیر تجربہ کے اپنا علم convey نہیں کر سکتا تھا یہ لازم تھا کہ حضور ﷺ اس کیفیت سحر سے گزرتے اور جانتے کہ سحر کیا ہوتا ہے۔ پھر لوگوں کو بتاتے کہ سحر کیا ہوتا ہے اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ سحر ہوا۔ یہ کہنا درست ہے کہ عمران کے باطن سے گزرا گیا۔

ایک حدیث پر بے تحاشا اعتراضات کئے گئے، مستند اور پختہ حدیث ہے، میرے اور آپ جیسے لوگوں کیلئے روح کی بخشش کا باعث ہے۔ کرم اور عنایت کا باعث ہے۔ حضور ﷺ کا تحفہ امت ہے..... اصحاب رسول ﷺ جمع تھے۔ اصحاب نے فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم کبھی گناہ نہیں کریں گے، حضور ﷺ کا چہرہ غصے سے تھما اٹھا۔ کہا کہ تم ایسی بات کرتے ہو تو اللہ تمہیں زمین سے نیست و نابود کر دے گا اور ایسے لوگ پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے، تو بہ کریں گے اور خدا ان کو بخشے میں زیادہ خوشی محسوس کرے گا۔“ مصدق کو اس حدیث پر بڑا اعتراض ہے۔ پرویز کو بہت اعتراض ہے، تمام عملیات پسندوں کو بہت اعتراض ہے کہ یہ کیسا ظلم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خوش خبری مدت کو سنا دی کہ تمہاری خطا کی کوئی بخشش موجود ہے..... یہ وہ لوگ ہیں جو اصل میں بنیاد پرست (fundamentalist) لوگ ہیں۔ practicalist (عملیات پسند) یہ سمجھتے ہیں کہ تمام زندگی اعمال پر ہے۔ ایک تو جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرنا ہے کہ میں گناہ نہیں کروں گا تو وہ ایک genetic disorder (جین کی بے قاعدگی) کی شکایت کر رہا ہے کیونکہ انسان کے تو gene میں خطا ہے۔ اس کے باپ کے gene میں خطا ہے۔ سب سے پہلا کام جو آدمی نے کیا وہ خطا کی اور پہلا کام جو اللہ نے کیا وہ اسے بخشش عطا کی اور پہلی دعا بھی ہمارے پاس یہی آئی:

”رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ“ (۴: ۲۳)

اسکے سوا میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہ سنگدل لوگ ہیں جو اللہ کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنے بندوں کو بخش دے۔ اجازت یہ لوگ نہیں دیتے، اللہ تو ہمارے لئے بہت کچھ کرنا ہے۔ بڑی مہربان، ہستی ہے، بڑا کریم ہے، وہ اور اس کا رسول ﷺ ہر ممکنہ دو چار حدیثیں بخشش کی ہمیں سنا دیتا ہے مگر یہ معترض فائل نہیں ہوتے۔ قرآن میں بھی اللہ کہتا ہے کہ:

”يَعَاذُ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ (٥٣:٣٩)

باقی سارے گناہ کرنا مگر میری رحمت سے مایوس نہ ہوا۔ میں تمام گناہ بخشا ہوں، ان میں کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ میں غفور الرحیم ہوں۔ وہ بخشش کرنا ہے مگر پرویز نہیں ہونے دیتا۔ وہ نہیں مانتا وہ کہتا ہے No... کوئی گناہ شتاء نہیں بخشنے جانے چاہئیں۔ بہت سارے fundamentalist نہیں مانتے۔ بہت سارے سخت ترین علماء نہیں مانتے۔ وہ بچے کو نہیں بخشتے، بڑے کو نہیں بخشتے۔ یہ ایک گروہ ہے ہمارے اندر کہ جو وہ چاہتے ہیں، جیسا وہ چاہتے ہیں ویسا لوگوں کے اوپر مسلط کر دیتے ہیں۔ یہ اعتدال اور توازن نہیں چاہتے، سختی اور تشدد چاہتے ہیں۔ بعض اوقات یہ لوگ پیغمبر نہیں ہوتے، مگر زور اس بات پر دیتے ہیں کہ پیغمبر ہماری طرح ہیں..... پلو مان لیا کہ پیغمبر تمہاری طرح ہیں مگر تم تو پیغمبر نہیں ہو!.....

جب حضور ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عذاب قبر ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک بری شاخ توڑ کر اس پر لگا دی اور کہا کہ جب تک یہ شاخ بری رہے گی اسکو عذاب نہیں ہوگا۔ مگر موصوف کو یزاعتراض ہے کہ یہ تو یزاعقل ہو گیا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ وہ کتنا شفیق پیغمبر ہے اور اگر ان کے حضور سے کسی کا حقوڑا سا عذاب ملتا ہو تو مجھے نہیں سمجھ آتی کہ ان لوگوں کو کیا اعتراض ہے۔ اگر آپ کو کوئی سمجھ آئی ہے تو مجھے بتائیں کہ ان کو کیا اعتراض ہے؟ وہ اس حدیث میں کس چیز کے خلاف ہیں۔ کیا عذاب قبر کے خلاف ہیں؟ تو ان کو پتہ جو نہیں ہے اور اگر اس بری شاخ کے خلاف ہیں جو لگائی گئی تو They don't think like prophet and they don't give the right to the prophet. to act like a prophet. اور وہ پیغمبر کو پیغمبر کی طرح عمل کرنے کا حق نہیں دیتے وہ چاہتے ہیں کہ اگر پیغمبر وہاں سے گزرتے تو کہتے کہ اس کو آگ لگا دو یہ تو پہلے ہی عذاب میں جل رہا ہے۔ اس قسم کے ان کے تصورات ہیں۔

ایک اور حدیث پر بڑا سخت اعتراض ہے جو عورتوں کے بارے میں ہے۔ اصل میں حضور ﷺ سمجھتے تھے کہ عورتیں شاید ڈرا اور خوف سے بہتر سمجھیں۔ یہ حدیث بڑی مختصر سی ہے اور بہت سی عورتیں اس بات کو تسلیم کریں گی۔ فرمایا کہ میں تم میں سے بہت سوں کو جہنم میں دیکھتا ہوں تو عورتیں بچاری روپڑیں کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارا کیا قصور ہے۔ کہا کہ تم غیبت بہت کرتی ہو، خاوند کی ناشکرگزاری بہت کرتی ہو۔ وہ بچارہ مدتوں آپ کی فکر کرنا ہے۔ ایک دن اس سے غلطی ہو جائے

تو تم کہتی ہو کہ تم ساری عمر عیسیٰ کرتے رہے ہو۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کا حل کیا ہے۔ کہا کہ صدقات دیا کرو تو اسی وقت عورتوں نے زیورانا کر کر رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ ہماری طرف سے صدقات ہیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہاں مرد اور عورتیں دونوں موجود ہیں۔ آپس کے رویوں کا بھی علم ہے اور جو حضور ﷺ نے بات کی اس کا بھی علم ہے۔ جو عورتیں ایسی نہیں اللہ ان پر رحم کرے اور جو ایسی ہیں، اللہ ان پر بھی رحم کرے اور حضور ﷺ نے کوئی غلط point out (نشان دہی) نہیں کیا تھا مگر یہ نہیں کہا کہ صدقات دینے کے بعد بھی وہ غلط رہیں گی۔ دراصل اللہ نے ان کو خیرات و صدقات کی زیادہ تلقین کی ہے۔ اگلی ساری رسول اللہ ﷺ سے عقیدت و محبت کے بارے میں احادیث ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا پانی گرنا تو صحابہ کرام اٹھالیتے۔ تھوک نکلتی تو اسے منہ پر مل لیتے مگر اسکو بڑا برا لگتا ہے کہ میرا کیوں نہیں ایسا ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ This is impossible یہ نہیں ہو سکتا، یہ غلط ہے مگر یاد رکھئے کہ پیغمبر deliberately (دانتہ) ایسا نہیں کرتا۔ جن لوگوں کو پیغمبر کا پتہ ہے کہ یہ پیغمبر جان کو پتہ ہے کہ وہ ”مستم المرسلین“ کے ساتھ ہیں۔ جن کو پتہ ہے کہ ہم اللہ کے آخری رسول کی صحبت میں ہیں وہ بھلا ان کا بال کیسے ضائع ہونے دیں گے۔ ان کے پانی کا ایک قطرہ کیسے ضائع ہونے دیں گے۔ ایک پورا وجود جو برکت اور خیر والا ہے اسکی ہر چیز برکت اور خیر والی ہے وہ کیسے اس چیز کو ضائع ہونے دیں گے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میں انہیں احمق سمجھتا مگر وہ اصحاب وقت تھے صاحب خیر تھے۔ ان کو پتہ تھا کہ prophet کی اہمیت کیا ہے اور ان کو پتہ تھا کہ اس نبوت عالی مقام کی ہر چیز کیا قدر و قیمت رکھتی ہے۔ غالباً معترض کے علم میں یہ سب نہیں جاس لئے وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

بے شمار اور ایسی احادیث ہیں، جو شاید سوال و جواب میں بھی نکلیں میں نے اس سارے پیکچر میں کوئی لحاظ نہیں کی، کوئی لفظ اپنی طرف سے add نہیں کیا اور یہ کوشش کی ہے کہ آپ کو مقام حدیث اور حقائق کے بارے میں بتاؤں۔

سوال و جواب

سوال: جوگوں سے علاج کو medically بیان کریں؟

جواب: (ڈاکٹر عبد الجلیل) Leeches (جوگوں) سے علاج ہو رہا ہے۔ leeches کا فائدہ grow (پرورش) کی جاتی ہیں اور بعض جگہوں پر veins (وریدوں) میں جہاں خون accumulate (جم) ہو جاتا ہے وہاں جوگیں لگائی جاتی ہیں اور ان کی مدد سے وہاں سے خون نکال لیا جاتا ہے۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے دانت اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جب یہ ان سے کٹ لگتی ہیں تو ان کا زخم بڑی جلدی heal (منہل) ہو جاتا ہے اور بعد میں وہاں cottling (خون چھنے) کو بھی stimulate (متحرک) کرتی ہیں۔ یہ ایک established method ہے۔

میں اس سلسلے میں آپ کو یہ بتانا چلوں کہ طب کے حوالے سے کچھ احادیث ایسی ہیں کہ ان پر جلد بازی کے بجائے صبر سے کام لینا چاہیے۔ آج سے پچاس سال پہلے جب جوگیں out of fashion ہو گئیں اور سائنس نئی نئی جوان ہوئی اور طب اپنی طفولیت میں تھی اور بڑے مازخروے میں تھی تو وہ leeches کا مذاق اڑا رہی تھی مگر آج ان کی اہمیت مسلم ہو چکی ہے اور اس سے متعلقہ حدیث پر اعتراض کرنے والوں کو سوچنا چاہیے۔ اس کے علاوہ بھی کئی ایسے طریقے علاج ہیں جو آج سے تیس سال پہلے بڑے established طریقے علاج تھے جیسے prostate کے کچھ طریقے علاج good standard سمجھے جاتے تھے مگر آج وہ طریقے sub-standard سمجھے جاتے ہیں اور اس سے بہتر techniques نکل آئی ہیں۔ less invasive techniques نکل آئی ہیں یعنی سائنس ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ اگر آقا و رسول ﷺ نے طب کے حوالے سے کوئی بات فرمائی اور ہماری سمجھ میں نہیں آئی تو آپ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ہم سے 20 سال بعد آنے والے ہمارے استعمال کئے گئے طریقے علاج پر تھوڑا سا ضرور مسکرائیں گے تو ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے۔ Maggots بھی طریقے علاج میں استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ مکیوں کی ایک development stage ہے۔ انہیں ایسے زخموں پر چھوڑا جاتا ہے جو بھرتے نہیں ہیں۔

سوال: کیا کبیرہ گناہوں کا مرتکب انسان جنت میں جائے گا؟

جواب: جیسے اللہ تعالیٰ ممانعت کی باتیں آگے بڑھاتا ہے اسی طرح صغیرہ اور کبیرہ کو بھی بولے

ہو لے جا کر کھولنا رہتا ہے مثال کے طور پر خدا نے کہا:

”إِنْ تَجْنِبُوا أَكْبَارَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ تُكْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ“ (۳۱:۴)

اگر تم بڑے گناہوں اور فواحش سے پرہیز کرو تو چھوٹے چھوٹے تو تم سے ہوں گے ہی۔۔۔ اور ہم انہیں معاف کریں گے۔ اس کے بعد دوبارہ جب موقع آیا اور کسی بڑے گناہ کا ذکر آیا تو خداوند کریم نے ایک طریق معافی دکھا دیا۔ جیسے میرا خیال کہتا ہے آپ تصدیق کریں یا نہ کریں کہ حضرت آدم سے جو خطا ہوئی وہ بظاہر چھوٹی تھی مگر اگر ماحول کو دیکھا جائے جس میں وہ موجود تھے تو وہ خطا بہت بڑی تھی ورنہ ہمیں اتنے بڑے کاروبار حیات کو سینے کا خطرہ درپیش نہ ہوتا۔ جیسے اقبال نے کہا:

باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں

کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

اگر اوصوفہ دیکھا جائے تو شیطان کو بھی زندگی بھر کا عذاب اور سزا اس لئے ملی کہ جب اللہ نے اسے کہا کہ میرے ہوتے ہوئے جب میں نے تجھے حکم سنا دیا تھا تو پھر تجھے کیسے انکار کی جال ہوئی۔ اگر دوسری طرف سے دیکھا جائے تو حضرت آدم سے بھی خطا اللہ کے سامنے ہوئی۔ That is very difficult to imagine even. (اس بات کو خیال کی گرفت میں لانا بہت مشکل ہے۔) جس کی وجہ سے آج ہم یہاں ہیں یعنی اس خطا کی وجہ سے۔۔۔۔۔ اس کی اگر duration دیکھئے، مائٹ دیکھئے، حکمت الہی دیکھئے تو محسوس ایسے ہوتا ہے کہ سزا بھی جاری ہے۔ جیسے کچھ christians کا خیال ہے مگر اللہ جب یہ کہتا ہے کہ ”فَسَلَفِي آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَتٍ“ (۳۷:۲) (ہم نے اہماء کے آدم کے دل پر توبہ کے کلمات اور ہم بخشنے والے تھے) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے عذاب کا ایک بہت بڑا venom ختم کر دیا۔ واپسی ensure (یعنی) کر دی، بخشش grant کر دی اور اللہ نے کہا کہ میں نے اسے بخش دیا ہے اور جب زمین پر آنا مقدر ہوا تو اس نے زمین کو سزا کے طور پر نہیں چنا جیسے christians کہتے ہیں، بلکہ اللہ نے کہا: ”مُسْتَقَرٌّ وَمَنْعُ إِلَى حِينٍ“۔۔۔۔۔ (۳۶:۲) اب تم یہاں ٹھہرو۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ تمہیں ملی ہوئی جنت اس نہیں آئی۔ اب جا کر کماؤ۔۔۔۔۔ تو اب اتنی بڑی خطا کے عوض میں جو مشقت ہے وہ ہمیں جنت کمانے کے عوض عطا ہوئی ہے۔ کیونکہ اس سے بڑی خطا ہو نہیں سکتی تھی جتنا نتیجہ Billion years (کروڑوں سالوں) میں اب ہم تک پہنچ رہا ہے اور اس

سے بڑی بخشش بھی نہیں ہو سکتی تھی جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے۔ اللہ نے اسے قدرتی طور پر sum up (مختصر بیان) کر دیا: ”قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِينَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ“ کہہ دو میرے بندوں سے جنہوں نے بڑی زیادتی کی، بڑے ظلم و جبر کئے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوا۔ آگے اللہ نے ایک قانون دیا ہے۔ جس میں صغیرہ اور کبیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے وہ کہتا ہے: ”اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا“ (بے شک تمہارا رب وہ ہے جو تمام گناہ معاف کرنا ہے۔) اس میں خدا نے صغیرہ اور کبیرہ کی کوئی تخصیص نہیں چھوڑی۔ یہی حدیث رسول ﷺ ابو ذرؓ معاذ بن جبلؓ اور ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کنوئیں میں پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جس نے دل سے لا الہ الا اللہ کہا اللہ اس کے تمام گناہ معاف کر دے گا تو ایک صحابی نے پوچھا: ”چاہے وہ کبیرہ ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”چاہے وہ کبیرہ ہوں“ پھر پوچھا: ”چاہے وہ کبیرہ ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”چاہے وہ کبیرہ ہوں۔“ جب تیسری مرتبہ صحابی نے یہی بات پوچھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیری ناک ناک آلود ہو، چاہے وہ کبیرہ ہوں۔“ یہ حدیث تھوڑے عرصے میں رسول ﷺ نے بتائی ہے۔ It's gift of prophet to Ummah. انعام و بخشش ہے۔ جو نہیں لیتا نہ لے..... ہمارے بخیل لیتے تو کچھ نہیں مگر دیتے بھی کچھ نہیں۔ یہ جو ملائے نکل ہیں ان کا دل چاہے تو یہ کسی کی بخشش ہی نہ ہونے دیں۔ ان کا کاروبار ہی گناہ اور ثواب سے چلتا ہے۔ بخشش تو ان کے کام ختم کر دیتی ہے مگر اللہ نے ایک چیز پر بخشش نہیں رکھی: جس کی رجعت نہیں ہے، جس کے پاس بخشنے والے کی اتھارٹی نہیں ہے، جسکو خدا کے غفور الزیم ہونے کا احساس نہیں ہے اس کی کوئی بخشش نہیں ہے۔ جب آپ کی رجعت ہے تو آپ واپس پلٹ سکتے ہو۔ جب آپ لا الہ الا انتؑ مُبْعَدُكَ اِنِّیْ تُکْثُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کہہ سکتے ہو تو آپ بخشے جانے کا حق بھی رکھتے ہو۔

سوال: حدیث قدسی اگر کلام خدا ہے تو یہ قرآن پاک میں کیوں نہیں ہے؟

جواب: بڑی موزوں بات ہے۔ مگر قرآن میں ایک آیت ہے کہ ہم نے جو بندوں کو بخشا ہے اس کی ایک ایک آیت کا وزن کیا ہے، گئی ہے اور زمان و مکان کے حساب سے پرکھی ہے۔ ”الْوَدَّ اَنْ یَّکُوْنَ اَحَدُکُمْ اَبْنُ اَخٍ فُیَصْلَحَ مِنْ لَدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ“ (حدود ۱۱۱) (ال راہی کتاب ہے جس کی آیات جانچی گئی ہیں پھر حکمت والے خدا کی طرف سے کھول کر بیان کی گئی ہیں۔) اس نے قیامت تک جانا چھوڑا جو اقوال خدا رسول ﷺ نے quote کئے ہیں یہ personal

level (ذاتی نوعیت) کے ہیں اور انفرادی نوعیت کے ہیں۔ یہ پیغمبر سے بات چیت ہے۔ ان کی حیثیت اس law یا قانون کی نہیں ہے جس نے قیامت تک جانا ہے اس لئے حدیث قدسی وہ حدیث ہے کہ جو خدا نے personal level پر بات کی، تمام انسانوں کے level پر وہ بات نہیں ہے بلکہ یہی حدیث دیکھ لیں جو میں نے quote کی ہے کہ خدا جب کسی کو اپنا علم اور آگہی دینا چاہتا ہے تو اس کی نظر اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس حدیث کے مصداق کچھ کم اور بہت مخصوص لوگ ہوں گے اور یہ ایک مخصوص گروہ کیلئے ہے جو بڑے خصائص اور حکمت کے ساتھ خدا کو یاد دہانا چاہتا ہے۔ اگر قرآن میں یہ حدیث آجائی تو یہ عمومی اور تمام جملہ انسانیت کیلئے ہونا چاہیے تھی مگر ایسا ممکن تھا اس لئے یہ بات قرآن میں نہیں آئی۔ قرآن میں جو آیات آئی ہیں یہ جملہ انسانیت کیلئے ہیں، تمام لوگوں کیلئے ہیں اور خوب پرکھی گئی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے متواتر اور مشہور آیات میں ڈھالا ہے۔ اور حدیث قدسی privacy of talks ہیں۔ اللہ اپنے پیغمبروں سے باتیں کرنا ہے، اپنے بندوں سے باتیں کرنا ہے۔ اللہ والہام سے باتیں کرنا ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو خدا کی اپنی ہیں، وہ کبھی کبھی دلوں پر الہام اتارنا ہے۔ اللہ کی طرف سے ہی سارے الہام ہیں جو کتاب کا حصہ نہیں ہیں۔ کتاب کا حصہ ایک جملہ بنے گا۔ ”فَالْتَمِمْهَا فُجُورَ هَآؤُتَقْوَاهَا“ (۸: ۹۱) باقی باتیں شاید اس کا حصہ نہ بنیں۔ یہ ایک totality کے rule کی کتاب ہے جس میں بعض personal باتیں اللہ نے اپنے پیغمبروں سے کی ہیں اور بہت کی ہیں جو شاید قرآن میں آتی نہیں ہیں مگر زبور اور تورات کو دیکھیں تو بہت سی ایسی ذاتی نوعیت کی باتیں اس میں موجود ہیں جو دوبارہ بیان نہیں ہوئیں مگر اگر rule (اصول) دیکھیں تو دوبارہ قرآن میں mention (تحریر) ہے جیسے قانون قصاص ہے یا جیسے Ten commandments ہیں:

”وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ“ (۲: ۸۳)

(اور جب لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے کہ نہ تم عبادت کرو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کیلئے اچھی بات کہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر پھر گئے تم مگر بہت قہوڑے تم میں سے اور تم اعراض برتنے والے

(منہ پھرنے والے لہو) ایسے قوانین تو قرآن میں موجود ہیں مگر جو personal (ذاتی) باتیں ہوتی ہیں وہ موجود نہیں ہیں۔

سوال: حدیث ہے کہ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے۔ علم و حکمت کا منبع ہرگز تو مدینہ تھا پھر چین کی طرف اشارہ کیوں ہے؟

جواب: اس حدیث سے بالکل مراد یہ نہیں ہے۔ وحی اور کتاب تو موجود تھی مگر یہ اس نکلن اور اس طلب کی طرف اشارہ ہے کہ علم حاصل کرنے والے اونچے تریا سے بھی اسے اتار لائیں جیسے میں نے حدیث پر اسی تھی کہ ”علم اگر اونچے تریا پر بھی ہو تو کوئی نہ کوئی عجی اسے اتار لائے گا“۔ یعنی اس کیلئے آپ کو چاہے کتنی ہی دور جانا پڑے۔۔۔۔۔ اس کی مثال حضرت سلمان فارسی کی زندگی سے ملتی ہے کہ کہاں سے نکلے۔۔۔۔۔ معبد شمس کے پجاری تھے۔ مدتوں زرتشت کے مذہب میں گزاریں۔ پھر یہودی ہوئے۔ حقیقت کی تلاش میں مدتوں اہل یہود میں رہے پھر عیسائی ہوئے۔ علم اور آشتی کی تلاش میں مدتوں کیساؤں کے راہیوں میں رہے۔ جب وقت آخرا آیا تو پھر اسی شناخت اور اہلیت کی تلاش رہی تو آغوشِ رسول ﷺ تک پہنچے اور سلمان فارسیؓ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ علم غرض و غایت اور تلاش میں کوئی تخصیص نہیں رکھتا۔ یہ خدائی علم کی بات نہیں ہے بلکہ بعض اوقات بہت سارے علوم مل کر آگئی کا ایک level (سطح) پیدا کرتے ہیں جیسے کوئی matriculate (میٹرک پاس) جب تک کالج میں نہ جائے اس آگئی کو نہیں پانا جو کالج کے ایک sector of education (حصہء تعلیم) کی ہوتی ہے۔ ایک گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ کو نہیں سمجھتا۔ کسی وقت تحصیل علم کیلئے فابیان اور چینی سیاح ٹیکسلا کی یونیورسٹیوں کے دورے لگاتے تھے جیسے آج کے ہمارے لوگ بارورڈ اور کیمبرج کے چکر لگا رہے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ہی ملائے مغرب Cardoba (قرطبہ) کے چکر لگایا کرتے تھے۔ بغداد کی یونیورسٹیوں سے علم لیتے تھے اور قسطنطنیہ جایا کرتے تھے۔

سوال: یاد کرو جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں دوں کتاب اور حکمت۔۔۔۔۔ پھر آئے تمہارے پاس عظمت والا رسول اس چیز کی تصدیق کرتے ہوئے جو تمہارے پاس ہے تو تم کو ضرور اس پر ایمان لانا ہو گا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی تو سب نے عہد کیا کہ ہم اقرار کرتے ہیں تو اللہ نے فرمایا: ”گواہ رہو، میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں“۔ یہ بیٹاق کہاں ہوا؟ بیٹاق کی نوعیت کیا ہے؟ خصوصی طور پر مدد کے لفظ سے کیا مراد ہے؟ تفصیلی جواب دیں۔

جواب: یہ بڑی سادہ سی بات ہے۔ جب ”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کا حکم ہوا تو بہت سارے لوگوں نے بہت آگے بڑھ کر سب سے پہلے عہد کیا۔ مشہور ہے کہ جن لوگوں نے بکھل کی وہ انبیاء پختے گئے پھر دوسرے درجے والے آئے، پھر تیسرے درجے والے آئے، پھر اولیاء اللہ تعالیٰ آئے۔ مجھے یقین ہے کہ ایک آدھ آخری صف میں ہم لوگ بھی ہوں گے۔ (میں کالج میں ہمیشہ کچھلی سیٹ پر بیٹھا کرتا تھا) تو ہم back benchers ہی تھے۔ ویسے مائٹ کے لحاظ سے بھی ہم back benchers ہیں: (کچھلی صفوں میں بیٹھنے والے) اُس وقت جب ”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کا پہلا اقرار ہو گیا تو پھر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار لیا گیا۔ میں غلط بھی ہو سکتا ہوں مگر میرا دل کہتا ہے کہ تمام نبوت صدقہ رسول ہے۔ قرآن پہلے بھی اترتا ہے قرآن بعد میں بھی اترتا اور حضور ﷺ پر آ کر ختم ہوا ہے۔ یہ آیت تصدیق کرتی ہے کہ عہد کے مطابق تمام انبیاء نے ایک ایک آیت قرآن کو تھا اور رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا قرآن قوموں ملتوں اور نسل انسان پر اترا، پورا قرآن ایک فرد (individual) کے تمام حالات پر بھی پورا اترتا ہے اور پوری نسل انسان پر بھی پورا اترتا ہے۔ جب نسل انسان پر پورا اتر رہا تھا تو انبیاء کی ضرورت پڑی تھی جیسے جب بائبل وفاقہ پیش آیا اور بائبل نے بائبل کو قتل کیا تو قرآن کا ایک قانون اللہ نے انہیں اُدھار دیا کہ جس نے فرد واحد کو قتل کیا تو گویا اس نے نسل انسان کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کو بچایا اس نے گویا نسل انسان کو بچایا۔ پھر جب Prince Hamorabi کا زمانہ آیا، حضرت ادرائس کا زمانہ آیا تو ایک دوسرا قانون قرآن کتاب سے نکال کر ان کو اُدھار دیا گیا کہ اے پیغمبر اس سے میرے رسول کی مدد کرو اور اس پیغام کو اپنے لوگوں میں پھیلا۔

”وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔۔۔۔۔ (۴: ۱۷۹)“ اور پھر آیت قصاص آئی۔ ”اَلْقَتْلُ فِی الْقَتْلِ“ یہ آیات The first law giver (قانون بنانے والا پہلا آدمی) Hamorabi کے زمانے میں اتریں مگر بعد میں قرآن میں جمع کر دی گئیں۔ اس بیباق سے مراد یہ ہے کہ پچھلے تمام انبیاء نے قرآن کی ایک ایک اور نصف نصف آیت کو استعمال کرتے ہوئے اپنے معاشروں کو سنوارا۔ جب نوبت maturity کی آئی اور انسان بلوغتِ علم کو پہنچا، بلوغتِ بلاغ اور فہم کو پہنچا تو پوری کتاب ان کا نصیب ہوئی اور خدا نے کہا ”وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي“ (۳: ۵)

سوال: آپ جو تسبیحات دیتے ہیں ان کے اثرات بہت سخت ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو بہت

عی سخت ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔ تسبیح کا اثر کبھی بھی سخت نہیں ہو سکتا۔ ہونا یہ ہے کہ بعض لوگ in born (جنملی یا پیدائشی) تصورات لے کر تسبیح پڑھتے ہیں۔ میں نے آج تک کسی کو یہ نہیں کہا کہ تم concentration (یک سوئی) سے تسبیح پڑھو۔ جو لوگ بھی concentration سے تسبیح پڑھتے ہیں وہ خدا سے کچھ چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں یہ کروں گا، شدت سے کروں گا، محنت کروں گا تو اسکے عوض میں اللہ مجھے کوئی ماکل دے دے گا، کوئی فرشتہ یا کوئی power دے دے گا۔ مجھ سے کچھ ہو جائے گا۔ یہ ”ہو جانے“ کی توقع ان کو بتا کر دیتی ہے۔ سر درد (headaches) لگا دیتی ہے۔ دل دھڑکنا شروع ہو جائے گا۔ تسبیح کرنا کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے۔ تسبیح زمین و آسمان میں ہو رہی ہے، یہاں تسبیح کرتے ہیں، ماچا نہیں شروع کر دیتے۔ ستارے گرنا نہیں شروع کرتے ورنہ ہمیں بھی ساتھ ہی لے جاتے۔

”هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ الْغَيْبُ وَالشَّهَادَةُ ۚ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهِيبُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝“ (۲۳: ۲۲: ۵۹)

(وہ اللہ وہ ذات ہے نہیں کوئی الہ مگر وہی جاننے والا ہے غیب کا اور حاضر کا وہ رحمان ہے اور رحیم ہے۔ وہ اللہ وہ ذات ہے نہیں کوئی الہ مگر وہی۔ بادشاہ بہت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، گنہگار، زبردست، با زور حکم مانڈ کرنے والا، بڑا ہو کر رہنے والا، پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں)

یہ سب اللہ کے اچھے نام ہیں زمین و آسمان سب انہی ناموں کی تسبیح کرتے ہیں۔ جب کسی اور چیز کو تسبیح سے فرق نہیں پڑ رہا، کوئی گائے بکری نہیں بن جاتی۔ کوئی بکری تسبیح سے شیر نہیں بن جاتی۔ معمول کے مطابق زندگی جاری رہتی ہے تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس نے آپ میں یہ غیریت اور یہ سر درد پیدا کیا البتہ آپ کی تو جہات تسبیح کو غلط interpret (تشریح) کرتی ہیں۔ ہمارا libido (نفسِ اسفل) release ہو کر ہمارے psychological effects پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سر درد ہماری In-built forces of mind (یعنی خود ساختہ طاقتوں) کی وجہ سے ہے۔ جتنا آپ اسے زہی سے پڑھو گے تو یہ تسبیح نہ صرف آپ کی ان کیفیات کو لے جائے گی بلکہ آپ کو بالکل نیا، fresh ہونا زہم کر دے گی۔ تسبیح تو کی ہی سائے جاتی ہے کہ شدت تو خیال موجود

کو یا شدت نفسیات کو دور کر کے راوا اعتدال پر گامزن کرے اور اعتدال میں تو سرور نہیں ہوتا۔۔۔۔۔

سوال: موجودہ حالات میں کیا پاکستان تباہی کی طرف نہیں جا رہا؟

جواب: پاکستان کو کچھ بھی نہیں ہونے کا۔۔۔۔۔ یہ بڑا خوبصورت ملک ہے اور جو جتنا خوبصورت ہوگا ظاہر ہے کہ اس کی بد صورتی اتنی ہی زیادہ نمایاں ہو جائے گی یہاں بہت اچھے لوگ ہیں۔ پوری ملت مسلمہ میں سے سب سے اچھے لوگ ہیں۔ اللہ سے انس تو سارے ہی مسلمان رکھتے ہیں مگر رسول ﷺ سے محبت اتنی کوئی نہیں رکھتا جتنا پاکستان کے لوگ رکھتے ہیں تو پھر بھلا اس کو کیسے کچھ ہو گا۔ چھوٹے چھوٹے بولناک، خلاف ذہن، خلاف انسانیت واقعات بعض اوقات اس کی سرسبز چادر کو بد نما کر دیتے ہیں۔ but this all is for a little time۔ اور ساری دنیا بھی اگر مل کر چاہے تمام سفاکان وقت بھی اگر مل کر چاہیں تو ان کا مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہوگا۔ یہ ملک زمانہ آخر تک رہنے کیلئے ہے۔ یہ بٹے گا نہیں اور تقسیم نہیں ہوگا۔ اس نے جو جنگ لڑنی ہے وہ لڑ کر رہے گا۔ اہل ہند کے مسلمان اپنے اخلاص و وفا سے یہ جنگ لڑیں گے اور جب یہ دور انتہا گزر جائے گا تو مخلص، خالص اور خوبصورت مسلمانوں کا وقت آئے گا اور یہ نہیں کہ ان سے خطا نہیں ہوگی مگر وہ ایک معتدل معاشرہ، اسلام کی بنیاد رکھیں گے جہاں لوگ خوشی سے قوانین کی پابندی کریں گے اور اللہ کا قول پورا ہوگا کہ ”تم پلٹ جاؤ گے تو ہم پلٹ جائیں گے“۔ ”تم لوٹ آؤ گے تو ہم لوٹ آئیں گے“۔ اور پھر اس ملک نے عزت و ترقی کا خصوصی مقام حاصل کرنا ہے۔ پھر ”دہ دو دل فری راہ“ ان امان وقت کا انتظار کرنا ہے اور جیسے ابو نعیم بن حمال کی حدیث میں کہا گیا ہے کہ ”اہل ہند کے مسلمان پہلے اہل کفر ہند کو ملیا میت اور مسمار کریں گے اور ان کے امراء اور شرفاء کو قید کریں گے پھر شام میں مریمؑ کے بیٹے کا ساتھ دیں گے“۔ یہی اس ملک کا مقدر ہے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خوف ضرور ہے، بھگت ضرور ہے مگر منزل انشاء اللہ محکم و شاندار ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے ہم اس مازک دور سے گزرنے کے بعد اپنی منزل مراد کو پہنچیں گے۔

سوال: نظر نگینی کیا اہمیت ہے؟ نظر کے اثرات کیا انسان کیلئے خطرناک ہوتے ہیں؟

جواب: جیسے آپ سورج کے بارے میں کہتے ہیں کہ کھلی آنکھ سے نہ دیکھو۔ گرہن میں اس کا اثر آپ کی بصارت پر پڑتا ہے حالانکہ وہ کتنی دور ہوتا ہے پھر بھی آپ کو نیچے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اسی طرح ارتکاز کی نظر جب انسان کے باطن پر پڑتی ہے تو اس کو بیمار اور کمزور کر دیتی ہے اور اس کی مدافعت سلب ہو جاتی ہے اسلئے حسد اور رقابت کی نظر کا اثر ہونا لازم ہے۔ اس کے پیچھے ایک

physical force ہوتی ہے مگر اس کا علاج بھی آسان ہے۔ رسول گرامی مرتبت نے فرمایا کہ جس کو نظر کا یا آسب کا اندیشہ ہو وہ یہ دعا پڑھ لیا کرے۔

”بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَذْهَبْ حَرَّهَا وَبَرِّدْهَا وَوَصِّبَهَا“

(اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ تو اس (نظر زد) کے گرم سر کو اور دکھ درد کو دور کر دے) نظر کبھی غنڈک سے لگتی ہے، کبھی گرمی سے لگتی ہے، کبھی برائی سے لگتی ہے۔ تینوں کیفیتوں کو اس دعا میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر کسی کو بچوں پر ان کی سلامتی کیلئے پڑھنا ہو اور انہیں نظر زد سے محفوظ کرنا ہو تو یہ دعا پڑھی جاسکتی ہے۔

سوال: میں ایک بیوٹیشن ہوں۔ عورتیں میرے پاس بھنویں بنوانے آتی ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے اسے پسند نہیں فرمایا جبکہ میرا یہ پروفیشن اور مجبوری ہے۔ مجھے اس کے بارے میں بتائیں۔

جواب: بھنویں ٹھیک کر دینے اور منڈوانے میں فرق ہے۔ بھنویں کو صاف کر کے pencilling کرنی اور بے مگر اصل میں فرق یہ ہے کہ بھنویں کو مکمل طور پر صاف کر کے دوبارہ استوار کرنا اور بالوں کی مدد نہ لینے کو مردود سمجھا گیا ہے۔ اگر کوئی بیوٹیشن چند بالوں کو ادھر ادھر کر کے ان کی ہیئت برقرار رکھ کر انہیں درستی دے دے تو اس کے اپنے بال ہیں، اس کا اپنا چہرہ ہے مگر تخصیص اس بات کی ہے کہ مکمل طور پر بھنویں منڈوا کر ان کی جگہ فضول قسم کی پھسلیں نہ لگائی جائیں۔

سوال: قرآن نے خواتین کو شرعی پردے کا حکم دیا ہے اور آپ کی مجلس میں خواتین کیا پردے کی خلاف ورزی نہیں کر رہی ہیں۔ چہرے کے پردے کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔

جواب: چہرے کے پردے کا حکم نہیں ہے بلکہ اگر آپ کا احادیث کا مطالعہ ہو تو آپ کو پتہ چلے گا کہ امہات المؤمنین تک بھی میدان جنگ میں جاتی تھیں، مدد کرتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں بلکہ خواتین اور ان مردوں کے درمیان بولنے جانے والے ڈائیلاگز بھی درج ہیں جو کہ ان کے خاوند نہیں تھے۔ جنگ یرموک میں جب تلواریں ٹوٹیں اور خالد پیچھے پلٹے تو ہندہ زوجہ ابو سفیان نے انہیں چیلنج کیا کہ کیسے دلاؤ کہ تمہاری فوج بھاگ رہی ہے۔ یہ سن کر خالد کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور کہنے لگے کہ ”اودھمیں خدا اور رسول ﷺ! پیچھے ہٹ! آج تو میرے ہاتھ سے بچے گا نہیں۔۔۔۔“ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانتیں بھی کرتے تھے اور آپس میں لڑائی جھگڑا بھی کرتے تھے۔ پردے کا حکم مسلمان عورت کی پہچان قائم کرنے کیلئے ہے۔ اس میں سر ڈھانپنا اور گریبان ڈھانپنا ہے۔ اگر آپ غور کرو تو اس سے عورت کا عورت پن ختم نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ پیدا اس لئے ہوا

کہ جب بنو قریظہ کے بازار میں ایک مسلمان خاتون ایک یہودی کی دکان پر گئیں، یہودی نے اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی جس پر ایک صحابی نے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ معاملہ نبی پاک ﷺ کے حضور لایا گیا تو یہودیوں نے ایک اعتراض کیا کہ ہمیں کیسے پتہ چلا کہ یہ مسلمان ہے۔ اس کے بعد اُمّ المؤمنین سودہؓ کا واقعہ پیش آیا کہ جب ام المؤمنین سودہؓ نکلیں تو حضرت عمرؓ جو اچھا نہیں سمجھتے تھے امہات المؤمنین کا باہر جانا تو آواز دے کر کہا کہ اے سودہ میں نے تمہیں پہچان لیا تو پھر اللہ کے رسول کو حضرت عمرؓ نے مشورہ دینے کی کوشش کی کہ آپ انہیں پردے کا حکم دیں، مگر حضور ﷺ خاموش رہے۔ پھر جب آیات اتریں تو اللہ کی طرف سے پردے کا حکم آیا تا کہ یہ مسلمان عورتوں کی حیثیت سے پہچانی جائیں۔ جب میں امریکہ میں تھا تو کچھ خواتین ڈاکٹروں سے میری ملاقات ہوئی۔ ان میں ایک مسلمان بھی تھی اور اس نے مجھ سے بالکل یہی سوال پوچھا کہ یہاں ہم سب لوگ اچھے ہیں۔ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ شریف لوگ ہیں۔ کسی میں کوئی ایسی برائی نہیں ہے تو ہم اگر پردہ نہ کریں تو کیا حرج ہے تو میں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر میں تمہیں دور سے دیکھوں گا تو تم سب کو شریف عورتیں سمجھوں گا۔ مگر میں تمہیں مسلمان شریف عورت نہیں سمجھ سکتا۔ میں یہ بدگمانی نہیں کروں گا کہ یہ بری عورتیں ہیں۔ میں یہ سمجھوں گا کہ یہ امریکن سوسائٹی کی معزز عورتیں ہیں مگر میں تمہیں مسلمان عورتیں نہیں سمجھوں گا البتہ اگر تم نے حجاب لیا ہوا ہے چاہے جیسے بھی لیا ہے۔ چہرے کی اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے اور اگر تمہارے گریبان ڈھانپے ہوئے ہیں تو میں ضرور یہ گمان کروں گا کہ ان میں ایک مسلمان عورت بھی موجود ہے۔ کچھ دنوں بعد امریکہ کے ایک ہوٹل میں ڈاک پڑا۔ جیشیوں نے ڈاک مارا وہاں بہت سارے لوگ موجود تھے ایک عورت حجاب پہنے کھڑی تھی تو ایک ڈاک بولا کہ بہن ایک طرف ہو جاؤ تم مسلمان ہو۔ تو بات یہ ہے کہ پردے سے نہ نسوانیت مرتی ہے نہ اس کی نسوانیت کا خیال مرتا ہے نہ وہ مردوں کیلئے کوئی باعث تہدید ہے مگر ایک بات ضرور ہے کہ یہ پہچان بن جاتی ہے کہ یہ مسلمان عورتیں ہیں اور پہچان ہی مقصود ہے۔

سوال: سنت معاشرے میں بالکل ختم ہوتی جا رہی ہے۔ چند سنتوں کے بارے میں بتا دیجئے تاکہ ہمارے لئے صدقہء جار یہ ہو۔

جواب: ہم میں ظاہرہ سنت کی کمی نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے معاشرے کو دیکھیں تو میں لاکھ اہل تبلیغ بھی نظر آ جائیں گے۔ بچیں چھبیس لاکھ سنتوں بھرے اجتماع میں بھی نظر آ جائیں گے۔ تین سو حیرہ

کی average سے دیکھیں تو ایک آدھ کروڑ مسلمان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہم میں ظاہرہ عبادات کی اب بھی کمی نہیں ہے۔ ہم نمازیں پڑھتے ہیں، اللہ کی عبادت کرتے ہیں مگر جو inner accountability ہے میں دیکھتا ہوں کہ وہ زیرو ہے۔ ہمارا یہ ربانی تعلق ہمیں جھوٹ سے نہیں روکتا۔ ہمارا اللہ ہمیں رشوت سے نہیں روکتا۔ ہمارا اللہ خاندانی تعصب سے نہیں روکتا۔ ہمارا اللہ ہمیں کسی برائی سے نہیں روکتا۔ ایسے اللہ کا فائدہ کیا ہے؟ اگر آپ کو زندہ رہنا ہے۔ اگر آپ کو مذہب زندہ رکھنا ہے تو کہیں نہ کہیں خدا کو شریک حال کیجئے۔ وہ تادور نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں اس کے ذکر کو حرز جان بنائیے۔ اللہ کا قلب بنائیے تاکہ کہیں نہ کہیں اس کا احساس آپ کے آس پاس رہے۔ کہیں آپ رک کر کہیں کہ یہ بے ایمانی ہے۔ اللہ نے اس سے منع کیا ہے۔ کہیں آپ رک کر کہیں کہ میں اپنی بہن کے خلاف اس جائیداد پر قبضہ نہیں کروں گا۔ اس کو اللہ نے یہ حق دیا ہے۔ کہیں آپ یہ کہیں کہ میں اپنے اس دوست کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ یہ خلاف خدا ہے۔ آپ نے اسلام کو نہیں خیال خدا کو زندہ رکھنا ہے۔ اپنے دل میں آپ مرد خدا نہیں پال سکتے۔ جب تک خدا نئے زندہ کا خیال آپ کے دل میں نہیں ہوگا۔ خلاقی عالم کا خیال نہیں ہوگا آپ اس کو جواب دہ نہیں ہوں گے۔ جب تک آپ اس کو جواب دہ نہیں ہوں گے آپ کے مذہب کی کوئی شے کوئی خالص فطرت حاصل نہیں کر سکتی۔ کوشش کیجئے کہ آپ کا تعلق کسی مغرور خدا سے نہ ہو۔ کوشش کیجئے کہ آپ کا خدا زندہ خدا ہو۔ حقیقی خدا ہو۔ وہ مغرور خدا نہیں ہے۔ وہ وہم اور آسپ نہیں ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ آپ جن اور آسپ پر زیادہ یقین رکھتے ہو اور خدائے حقیقت پر اعتبار کم ہوتا ہے۔ آپ جاو پر زیادہ یقین رکھتے ہو۔ اللہ کے اس علاج پر یقین نہیں رکھتے کہ جو جاو کے بارے میں ہے۔ آپ کا اعتماد آپ کا یقین سراب پر زیادہ ہے۔ چشمہ آب حیات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی آپ نہیں دیکھ رہے ہوتے۔ یا ایک غلام مذہب ہے جس پر ہم چل رہے ہیں۔ یہ غلام رخ ہے۔ جب تک خدا کی طرف دھیان نہیں جائے گا۔ جب تک اللہ آپ کے باطن میں حرکت پیدا نہیں کرے گا جب تک اس کے خیال سے آپ کی کنیرت قلب نہیں بدلے گی accountability قائم نہیں ہوگی۔ یا ایک بڑی عجیب سی بات ہے کہ ابوالخارث الحاسبی کی بہن نے امام وقت سے فتویٰ پوچھا کہ کیا میں حکومت کے بجلی کے لیمپوں کی روشنی میں قرآن پڑھ سکتی ہوں یا نہیں تو انہوں نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ تو عجیب و غریب عورت ہے۔ میں تیرے فتوے کا جواب اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تو یہ نہیں بتائے گی کہ تو کون ہے۔ تو پھر اس نے

کہا کہ میں ابوالمہارث الحارثی کی بہن ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تجھے ما جائز ہے۔ تو حکومت کے
 لیمپوں کی روشنی میں قرآن نہیں پڑھ سکتی کہ تو اس شخص کی بہن ہے جس کا قول یہ ہے کہ ہم بات
 کہنے کے بعد رکھتے ہیں اور محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم نے بات ٹھیک کہی ہے یا غلط کہی ہے۔ اللہ کے
 خیال سے کہی ہے یا نفسی اشکال سے کہی ہے۔ مگر اتنا تو ہو۔ غیر معقول سہی۔۔۔۔۔ بہت حد سہی۔۔۔۔۔
 شاید تقرب اور مسابقت کیلئے محبت کیلئے ہم اس کی یاد کے ذریعے اس کو اپنی زندگی کے معمولات
 میں شامل کر سکتے ہیں۔ اللہ کیا کہتا ہے؟ غضب سے یا خوف سے نہیں، حسرت و ماکام کی وجہ سے
 نہیں، شدت اعمال کی وجہ سے نہیں، اللہ کی محبت اس کے وجودِ مافی کی قربت کیلئے، اس کو دیکر عالم
 کا نس کیلئے ہو۔ ”فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ“ مجھ یاد کرو جیسے آباؤ اجداد کو یاد کرتے
 ہونا کہ مجھے پتہ چلے کہ جیسے تم اپنے پیاروں سے محبت کرتے ہو جیسے تم اپنی belongings سے
 عشق کرتے ہو۔ مجھ سے بھی ویسے ہی کرتے ہو۔ ”اَوْ اَللّٰهُ ذِكْرًا“ ذرا زیادہ یاد کرونا کہ مجھے
 یقین ہو کہ تم ہر چیز سے بڑھ کر مجھ سے انس رکھتے ہو۔ خدا آپ سے انس و محبت مانگتا ہے۔ خدا
 آپ سے خوف نہیں مانگتا۔ خدا چاہتا ہے کہ آپ اسے اپنا دوست سمجھو۔ ”وَكُفِّى بِاللّٰهِ وَلِيًّا
 وَكُفِّى بِاللّٰهِ نَصِيرًا“ میں ہی تو دوست ہوں تمہارا۔۔۔۔۔ اے کم عقلو! کم ذہن! کہاں جاتے ہو دل
 کفر کی دوستیوں کیلئے۔۔۔۔۔ کہاں جاتے ہو شتا سانیوں کے ترفع کے لئے۔۔۔۔۔؟ میں ہی تو تمہارا
 دوست ہوں۔۔۔۔۔ میں ہی تو تمہارا مولیٰ ہوں۔۔۔۔۔ میں ہی تو تمہارا مددگار ہوں۔۔۔۔۔ اللہ سے بہتر
 انسان کا کوئی دوست نہیں ہے، کوئی مددگار نہیں ہے۔ کوئی محبت کرنے والا نہیں ہے کوئی
 protector نہیں ہے۔ اگر آپ اس سے تعلق چھوڑو گے تو دنیا بھر کے امراض کا شکار ہو جاؤ
 گے۔ بربادی کا شکار ہو جاؤ گے۔ عبادت تصور کی محتاج ہے جب تک اسے creative
 motive یا دماغ کے order نہیں جاتے وہ روح سے خالی ہے۔ آپ اس motive سے
 بدن کو احکام جاری کرتے ہیں۔ دماغ ہی motive دیتا ہے کہ نماز، اخلاص سے پرہیزی ہے یا نفاق
 سے پرہیزی ہے۔ brain آپ کو بتاتا ہے کہ آپ کی نیاست عمل کیا ہیں اور brain کو
 emotions کا اخلاص دل دیتا ہے۔ دین و عمل جب مرتب ہو جائیں تو عبادات میں رنگ
 آ جاتا ہے۔ یہ بڑا خوبصورت رنگ ہوتا ہے۔ ”صِبْغَةَ اللّٰهِ“ اللہ کا رنگ ”وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ
 صِبْغَةً“ (۱۳۸:۲) اور اللہ کے رنگ سے کونسا رنگ بہتر ہے اور عبادت کرنے والے کو اسی رنگ
 کو چاہئے ہیں۔

فطرتِ انسان

أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ
لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

خواتین و حضرات! کہنے کو تو ہر انسان ”والفطر“ کے مطابق آزاد پیدا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے دانش وروں اور فلاسفوں کا خیال یہ ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوتا ہے مگر ایسا عمداً نہیں ہوتا، اصلاً نہیں ہوتا۔ ہر انسان جو اپنے وجود میں آیا، اپنے ساتھ کم از کم تین اثرات لاتا ہے۔ ایک اسکے genetic influences (جنسی اثرات) ہیں، دوسرے اسکے immediate parental influences (وارثی اثرات) ہیں اور تیسرے اسکے acquired influences (اختیار کردہ اثرات) ہیں لیکن آباؤ اجداد سے چلتی ہوئی جلتوں کا وجود ایک آگاہ اور خفیہ طاقت کی طرح ہر انسان میں سایا رہتا ہے اور انسان بہت سی عبادتوں اور رز کیے کے باوجود ان سے چھٹکارہ نہیں پاسکتا۔ ہل بالٹن یہ کہتے ہیں کہ باوجود تمام عبادتوں کے آخری چیز جو انسان کے سینے سے نکلتی ہے وہ اس آباؤی جبلت کا وجود ہوتا ہے جو اس کے چاہنے یا نہ چاہنے کے باوجود اس کے آباؤ اجداد سے اسے عطا ہوا ہوتا ہے اور جب وہ آگے بڑھتا ہے، ہوش و خرد اور

توانائی کی طرف آتا ہے۔ جب اس کی عمر آگے بڑھتی ہے تو سب سے پہلی عادات کی صحبت جو اسے ملتی ہے اس کے ماں باپ کی ہوتی ہے، اس کے ارد گرد جو بنیادی وجود اور بنیادی عادات ہوتی ہیں وہ immediate parental habits ہوتی ہیں اور کہیں نہ کہیں کوئی بیٹا باپ کی نقل کرتا نظر آتا ہے۔ کہیں نہ کہیں کئی معمولات میں کوئی بیٹا مادہ لکھی میں اپنی ماں کو اپنے شعور میں رکھ کر behave کر رہی ہوتی ہے۔ جب انسان اس سے آگے بڑھتا ہے جب وہ تعلیم پاتا ہے basic intelligence (ابتدائی ذہانت) سے جب وہ intellectual level (اعلیٰ ترین چینی سطح) پر آ رہا ہوتا ہے بنیادی ذہانتوں سے علمی وجاہتوں کو بڑھتا ہے تو اس میں ایک خصلت کا اضافہ ہوتا جاتا ہے سیکھنے، پرکھنے، سمجھنے اور سوچنے کی..... پھر وہ اپنی مختلف عادات کو اختیار کرتا ہے کچھ انداز ترک کرتا ہے کچھ اختیار کرتا ہے۔ یہ اس کے acquired effects (اختیار کردہ اثرات) ہوتے ہیں۔ آپ خود غور کیجیے کہ حضرت معاویہؓ نے جب دربان مقرر کئے اور لوگوں نے جناب امیر المومنینؓ سے ان کی شکایت کی تو عمرؓ نے ان کو مدینے میں بلایا، معاویہؓ حاضر ہوئے تو آپؓ کے ہاتھ میں کوڑا تھا، ان کو دو مارے اور کہا (یہ واقعہ کمال کا قول نہیں تھا بلکہ سب سے پہلے جناب عمرؓ کی زبان سے یہ بات نکلی) ”اے معاویہ! اے بد بخت! لوگوں کی ماؤں نے اپنے بچوں کو آزاد جتنا تھا۔ تو نے کب سے انہیں غلام بنالیا“ سب سے پہلے یہ بات حضرت عمرؓ نے کہی مگر اس آزادی اور اس غلامی کا تعلق انسان کی چینی تربیت سے نہیں تھا۔ وہ ایک ظاہرہ حالت، ایک ظاہرہ condition کہ جہاں ہر انسان جس کے حقوق برابر ہوں اگر اس کے حقوق چاہے وہ شہنوائی کے ہوں، چاہے وہ حکومت کے ہوں جب غصب ہو گئے تو وقت کے امیر المومنین کو اس ظاہرہ حالت پر غصہ آئے گا۔ مگر دراصل اگر دیکھا جائے تو اتنے (طاقتور شخصیات) powerful motives کی وجہ سے جو انسان کو drive دے رہے ہوتے ہیں، اسکو حرکت دے رہے ہوتے ہیں، اس کو سوچنے پر مجبور کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کو جملہ inferiorities (کمتریاں) دے رہے ہوتے ہیں، اس کو Fake sense of superiority (جعلی احساس برتری) دے رہے ہوتے ہیں یہ کبھی بھی کسی انسان کو آزاد نہیں چھوڑتے اس کے برعکس رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے ہر بچے کو دین حنیف پر پیدا کیا۔ اعلیٰ فطرت پر پیدا کیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ چھوٹا بچہ جو اپنے وجود کی آگہی نہیں رکھتا اس میں کوئی ایسی فطرت ہے جو اللہ introduce کر دیتا ہے کہ جس کے بعد ہم یہ دعویٰ کرنے کے قابل ہوتے ہیں کہ انسان کی فطرت واقعی نیک اور اچھی ہے اور

وہا قابل اصلاح نہیں ہے بلکہ اس کی correction ہو سکتی ہے مگر اس کی اصلاح میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس لفظ درستگی کو سمجھنا ہو گا کہ اللہ انسان کے ساتھ کیا کرنا چاہو اس میں کس طرح کی فطرت introduce کرنا ہے، جس کے بعد وہ یہ دعویٰ کرنا ہے کہ میں نے انسان کو وہی حقیقت پر پیدا کیا ہے۔ میرے ایک بڑے اچھے دوست تھے اور کام میں بڑے مشہور تھے، وہ ڈاکٹر تھے۔ میں ان کو متوجہ کر رہا تھا کہ مریض بے اعتدال ہے اور ڈاکٹر صاحب آپ بھی کچھ بے اعتدالی برت رہے ہو اس لئے توجہ فرماؤ تو انہوں نے چڑ کے مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب اعتدال تو صرف اللہ میں ہے، ہم نے تو اچھا اچھا ہوا ہی ہے۔ اگرچہ وہ اس جو چڑے پن میں اتنی گہری اور بڑی باوثوق بات کہہ گئے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق میں اللہ نے جس باریک balance سے کام لیا ہے اس کی مثال وہ خود قرآن حکیم میں دیتا ہے اور بڑے عجیب انداز میں..... نفس انسان کے بارے میں پروردگار عالم جو دعویٰ فرماتے ہیں وہ کسی چھوٹی سی مثال کے ذریعے نہیں فرماتے بلکہ کائنات کی تمام عظمتوں کو حسیان میں رکھتے ہوئے وہ یہ دعویٰ کرنا ہے کہ اس چھوٹے سے انسان میں جو mechanism (طریق کار) رکھا گیا ہے وہ یقیناً میں نے بڑی ہی delications (نزاکت) کے ساتھ سوچا ہے اور اس میں رکھا ہے:

”وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۝ وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا ۝ وَالنَّجَّارُ إِذَا جَلَّهَا ۝ وَلَيْلٍ إِذَا يَغْشَاهَا ۝ وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا ۝ وَالْأَرْضُ وَمَا طَرَاهَا ۝“

(قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جب اس کے پیچھے آئے، اور قسم ہے دن کی جب وہ اس کو روشن کرے اور قسم ہے رات کی جب اس کو ڈھانک لے اور آسمان کی قسم اور اس کی جس نے اسے بنایا اور زمین کی قسم اور اس کی جس نے اسے بچھایا.....)

خداوند کریم نے واضح طور پر ان تمام بڑی بڑی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا: ”وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا.....“ (اور قسم انسان کے نفس کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک کیا) اگر یہ comparisons دیکھے جائیں جو خدا نے کئے ہیں تو ایک طرف سورج کی تخلیق اور اس کی روشنی، ایک طرف زمین کی تخلیق اور اس کی آبادیاں، اس کو سمیٹنا اور بنانا، ان تمام عجیب و غریب اور بڑی تخلیقات کے ساتھ ایک بڑی چھوٹی سی تخلیق کا ذکر کیا کہ ”وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا“ مگر اس کے ساتھ فرمایا: ”فَالْهَمَّهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا“ (پھر اس کی اچھی اور بری دونوں باتیں اس کو بتا

دیں) یعنی اُس پر ہم نے الہام کئے فسق و فجور اور الہام کئے اس پر ہم نے تقویٰ اور طہارت کے خیالات۔ اس آیت کا مطلب بڑی وضاحت سے یہ بنتا ہے کہ انسان سوچتا نہیں ہے۔ انسان inherently (ذاتی طور پر) سوچتا نہیں ہے۔ اگر فسق و فجور اور تقویٰ دونوں خیالات اللہ الہام کر رہا ہے اور انسان خود سوچتا نہیں ہے تو پھر انسان کیا کرتا ہے؟ قرآن میں اللہ کہتا ہے کہ تَتَّبِعُوا آيَاتِ السَّمَاءِ فَسَوْفَ نَسُوبُهَا مَبْعُ مَسْخُوتٍ (پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور اسے ٹھیک سات آسمان بتایا) جہاں بھی لفظ ”مَسْخُوتٌ“ کا اللہ نے استعمال کیا وہاں اس کا فطری اور معنوی مطلب یہ ہے کہ بڑی ہی باریکیوں میں جا کر اس کو درست کرنا اور اس کو balance کرنا۔ کائنات کی تخلیق میں بے انتہا delicacies (نزاکتیں) ہیں۔ quantum (کوانٹم) relativity (اضافہ) اور special relativity (خصوصی اضافہ) کچھ حد تک یہ بتاتی ہے کہ یہ کائنات کیسے balance ہوئی ہے۔ سورج اگر ایک لاکھ میل آگے آ جائے تو زندگی برباد ہو جائے اور چاند بچھ جائے۔۔۔۔۔۔ جتنی delicacies سے اللہ نے کائنات کو balance کیا ہے اتنی ہی نزاکت سے اس نے نفسِ انسان کو متوازن کیا۔ life belt کے بنانے میں، اس زمین کو زندگی اور نمو کی صلاحیت دینے میں خداوند کریم نے جس پیچیدہ scientific عمل سے کام لیا ہے اسی scientific عمل سے نفسِ انسان کو بنایا ہے۔

انسانوں کی معلوم تاریخ میں برف کے زمانے سے آگے، چالیس ہزار سال قبل ہمیں انسان کا پہلا سراغ بحیثیت انسان کے ملا ہے۔ ویسے تو اتنی کروڑ سال پہلے کے primates میں بھی انسان کا سراغ ملا ہے۔ مگر اگر ان primates کو جن کو پہلے انسان سے مشابہہ پہلا تخلیقی انسان کہا گیا ہے اسے اگر آپ دیکھ لو تو مجھے یقین ہے کہ خوف و وحشت سے بچے بھی پاگل ہو جائیں اور بڑے بھی۔۔۔۔۔۔ وہ کم از کم انسان نہیں لگتا مگر خیال یہ ہے کہ وہ primate سے شروع کیا ہوا سفر انسان وہ آج کے ان اچھے چروں میں سمایا ہوا ہے مگر نظر یہ آتا ہے کہ Homo Erectus (سیدھا کھڑا انسان) ہو یا Homo Habilis (چالاک انسان) ہو انسان کی کوئی صورت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوئی جب تک کہ Neolithic age سے آگے ہم اس انسان کو دیکھتے ہیں کہ اس نے اچانک سوچنا شروع کر دیا جسے آپ Homo Sapien (سوچتا ہوا انسان) کہتے ہو۔ ایک قدم آگے جا کے اسے thinking man نے اور ترقی کی اور Homo sapien - sapien (تفکر مند انسان) ہو گیا۔ یعنی اب اس انسان نے مسلسل

سوچنا شروع کر دیا۔ یہ کیا حادثہ پیش آیا کہ انسان نے اچانک سوچنا شروع کر دیا تو شیخ محی الدین ابن عربی ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد پچاس ہزار سال تک اللہ اس پر نظر کرتا رہا، پھر ماگہاں اس پر تجلی فرمائی اور یہ سوچنا ہوا انسان ہو گیا یعنی اس کے بدن، اسکے جسد کو بنا کر پچاس ہزار سال اللہ اس پر نظر کرتا رہا پھر یہاں سوچنا ہوا انسان ہوا۔ Will Durant کہتا ہے کہ ہمیں اس مادے کے کپڑے نہیں جو نسل انسان کے ساتھ پیش آیا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ انسان بڑے بڑے حادثات سے اس لئے بچ نکلا تھا کہ قد کا چھوٹا تھا، معمولی سا تھا، اسکو بڑی جگہ نہیں چاہیے تھی، کسی جہازی کو پکڑ کے کسی چھوٹے سے نیلے پر، کسی سوراخ میں گھس کے اس نے بڑے بڑے حادثات زمین سے تو اپنی جان بچائی مگر ابھی یہ اس قابل کہاں تھا کہ خلافِ ارضی کا مالک ہوتا، نہ ابھی اس قابل تھا کہ سوچنے کے قابل ہوتا۔ پھر ایک حادثہ ہوا۔ اس حادثے کی خبر نہ سائنسدانوں کو ہے نہ اس حادثے کی خبر کسی باشعور فلاسفر کو ہے۔ وہ صرف اتنا جان پائے کہ کہیں باہر سے ایک بہت بڑا برقی چارج اس انسان پر آن پڑا اور انسانی ذہن کی مقدار بڑھ گئی۔ وہ جو اچھے بھلے ساتھ تھے اب نہ رہے۔۔۔۔۔ آج بھی جنیمپزی کلر کرتے ہو گئے کہ ”اچھا بھلا ساتھ تھا ہمارا، ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اچھلتا کودتا پھرتا تھا، یہ کیا حادثہ ہوا جو انسان اچانک ہم سے جدا ہو گیا۔“ کہاں وہ انسان کہ جس کا دماغ 350 کیوبک سینٹی میٹر تھا اور کہاں پیدا کئی طور پر ہی 1000 کیوبک سینٹی میٹر کا دماغ۔۔۔۔۔ دونوں میں کس قدر فرق پڑ گیا۔ ابن عربی اور بعض دوسرے فلاسفروں اور سائنس دانوں کے بقول کہیں سے ایک چارج آیا اور کہیں سے ایک شعلہ، جوالہ آیا، کہیں سے حکمتِ ربانی کا ایک معجزہ ہوا اور ماگہاں یہ سوچنا ہوا انسان ہو گیا۔ سوچتے ہوئے انسان کو ایک دم تو کوئی چیز نہیں آتی۔ اس کو قرآن تو نہیں دیا گیا۔ ابھی دماغ بند تھا، local تھا، پھر خداوند کریم نے ایک ایک آیت دینی شروع کر دی۔ یہ صدقہ، رسول ﷺ ہے۔ میں تو کچھلی تمام نبوتوں کو صدقہ، رسول ﷺ کہتا ہوں کہ قرآن تو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہی حق بنا تھا، کتاب انہی کو دینی چاہیے تھی مگر اس سے پہلے بھی انسان بتاتا تھا، اس سے پہلے انسانوں کی نجات کیلئے یہی قرآنی آیات ایک ایک کر کے دی گئیں۔ کچھ لوگوں کو رسالت بھی عطا کر دی گئی۔ نبوتیں بھی عطا کر دی گئیں، کچھ انسانوں کی باعث نجات بھی یہی آیات بن گئیں حتیٰ کہ جو پہلی آیت تھی حضرت آدم کو قرآن میں سے ہی نکال کے دی گئی کہ جس نے ایک انسان کو قتل کیا گویا اس نے نسل انسان کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کو بچایا اس نے گویا نسل انسان کو بچایا۔

اگر انسان اُسی چلت پر چلتا جس پر Homo Habilis تھا، اسی فطرت پر چلتا جس پر Homo Erectus تھا اور اسی طرزِ عمل پر چلتا جس پر باقی سارے جانور چل رہے تھے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ نسل extinct (مابعد) ہو گئی ہوگی، نسلِ انسان زمین سے صاف ہو گئی ہوگی مگر ایک طرف ایک بہت بڑا الہیاتی ڈرامہ آسمانوں پر منعقد ہو رہا تھا کہ چانک اس جانور نما انسان کو جو بظاہر کسی بھی اچھی فطرت کا مالک نہ تھا، بظاہر لگتا تھا کہ تختہ و فساد کا گھر تھا، لگتا تھا کہ قتل و غارت پر آمادہ، کھانا سر پر رکھے ہوئے گھوم رہا ہے، ہاتھیوں کا شکار ہو رہا ہے، جانوروں کو قتل کر رہا ہے، جس میں کوئی شعوری گرفت نہیں، جس کا کوئی گھر نہیں تھا، کوئی مقام نہیں تھا، غاروں میں رہنے والا یہ انسان جو قطعاً اس قابل نہیں تھا کہ اس کو اتنا بڑا اعزاز بخش دیا جاتا۔ اگرچہ وہ مالک و کریم و پروردگار جو بڑی اچھی طرح جاننے والا ہے کہ کوئی کیا جاوے اور کیا نہیں ہے۔ اس کو بھی ایک problem درپیش تھا۔ بے شمار مخلوقات، آسمانی و زمینی تخلیقات کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھا۔ اسکو پتا تھا کہ ٹکنا میری تابعداری ہو رہی ہے، تمام اطاعت ٹکنا ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ اس نے زمین و آسمان سے کہا کہ تجھ پر میں نے یہ کام ڈال دیا، آتے ہو کہ نہیں آتے ہو، بڑا جابرانہ سا حکم تھا۔ ان کی کیا مجال تھی بھلا۔۔۔۔۔ سب نے کہا: ”اے پروردگار عالم! ہم اپنی خوشی سے تیری اطاعت کر رہے ہیں۔“ ملائکہ میں کیا sense تھی؟ سوائے اس کے کہ جو اس نے feed کر دیا اتنی بے شمار حقوق کو جو طرزِ زندگی پروردگار عالم دے رہے تھے اس میں کوئی گنجائش اختیار نہیں تھی اور جب کوئی گنجائش اختیار ہی نہیں تھی تو پھر تعجب پروردگار کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟

منا ہے عالم بالا میں کوئی کیا کرے گا

منا تھی جس کی خاک پاکی بڑھ کر ساغر جم سے

تب اس نے ایک فیصلہ کیا کہ میں ان تمام مخلوقات میں سے ایک حقوق کو artificial intelligence (مصنوعی ذہانت) دوں گا۔ ان کو اختیار ذات اور نفس دونوں دوں گا۔ ان کو اچھا برا برابر کر کے دوں گا اور ایک choice دوں گا: ”قُلْ لَّيْسَ بِهَا فَجُورٌ كَمَا وَتَقُولُهَا“ ان کے اوپر میں فسق و فجور بھی الہام کروں گا جیسے دل میں دو لائنیں چلتی ہیں اسی طرح دماغ میں بھی ترسیل پیغامات کی دو لائنیں چلتی ہیں۔ ایک اچھے خیال کی اور دوسری برے خیال کی۔۔۔۔۔ یہ جو thesis میں آپ کو دے رہا ہوں ابھی تک science اس کی ابتدا تک نہیں پہنچی۔ یہ Quranic concept ہے۔ وہ لوگ جو شدید مانے ذہن کے مالک ہیں وہ یہ بات ماننے سے بالکل غاصر

ہو گئے کہ انسان نہیں سوچتا۔ عمومی خیال اور تصور یہ ہے کہ انسان سوچتا ہے مگر قرآن کی متعدد آیات یہ بتاتی ہیں کہ Mind is a collector of opinions اس پر مسلسل دو سلسلے بروقت چلتے ہیں۔ ایک خدا کی طرف سے اور ایک دنیا کی طرف سے۔ ایک خیر کے اور دوسرے شر کے۔ اس میں انسان کو کوئی تاہم نہیں ہے کہ وہ کون سی سوچ سوچے، کون سی سوچ نہ سوچے۔ سینکڑوں بلکہ لاکھوں لوگ اگر ایک مرتبہ اپنے خیالات کا جائزہ لے لیں تو ان کو محسوس ہوگا کہ ہم اکثر وہ بات سوچتے ہیں جو سوچنا ہی نہیں چاہتے..... کیوں؟ اس لئے کہ ہم متقی ہیں، پرہیزگار ہیں، ہم شوقِ عبادت رکھتے ہیں، ہم خدا کے رنگ میں رنگ جانا چاہتے ہیں مگر ہم پر ترغیباتِ نفس گزر رہے ہیں، ہم پر بدترین شہوات گزر رہی ہیں۔ آخر ایک وہ بیچارہ شخص جو زندگی گزار کے، عبادات کے شعور سے اپنے انجام کے قریب جا رہا ہے وہ کیسے یہ سوچ سکتا ہے؟ ساری عمر گزارنے کے باوجود بھی morbidity اس پر حملہ آور ہو رہی ہیں اور وہ سوچتا ہے کہ میں نے کیا ایسا کام کیا ہے؟ میں کیوں ایسا سوچ رہا ہوں؟ تو خواتین و حضرات عمر اور وقت کے ساتھ ہونا ویسی ہے جو پروردگار عالم کا ارشاد ہے: ”وَمَا تَشَاءُ وَاِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ“ تم نہیں سوچ سکتے ہو، تمہارے پاس ایسی کوئی کیفیت نہیں ہے یہ تمہارا دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے۔ میں نے تمہیں تمام intelligence اس لئے دی ہے کہ بنیادی طور پر تم ایک فطری فیصلہ کرو۔ اس نے سورۃ دھر میں ارشاد فرمایا: ”كُلُّ اَنْفِىْ عَلٰى الْاِنْسَانِ حَيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْءًا مَّذْكُوْرًا“ You were nothing, not mentionable existence. تم کیا بنے ہو، تم کیا چاہتے ہو، تم کس انداز سے اپنی عزت کے رخ موڑتے ہو؟ خواتین و حضرات! جب کوئی ہمارے ساتھ پلا ہو اور اچانک وہ بڑا دعویٰ کر بیٹھے تو آپ ضرور یہ remark دیتے ہیں کہ میں اسے بڑی اچھی طرح جانتا ہوں، میرے ساتھ ہی گلی محلے میں کھیلا ہوا ہے۔ How does he claim to be so different and so big? یہی بات وہ کہہ رہا ہے جو بہت بہتر جاننے والا ہے۔ ہم تو شاید جیلسی سے کہتے ہوں مگر اللہ حقیقتِ حال سے مطلع ہو کے یہ کہتا ہے ”فَلَا تُكْذِبُوْا اَنْفُسَكُمْ“ مت اپنے آپ کو پا کباز کہو، تم کہاں کے پا کباز ہو؟ یہ کیا دعویٰ، پا کبازی ہے؟ کیا تم نے اپنے اوپر حیران کن پردے سیٹے ہوئے ہیں؟ لہادوں میں سٹے ہوئے ہو، بڑی بڑی ولایتِ عالیہ کے دعوے کر رہے ہو اور کہتے ہو کہ ہم روزہ، ماہِ سال رکھے پھرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہم خدا کے حضور حاضر ہوتے ہیں کعبہ میں۔ کوئی کہتا ہے کہ نماز کی کیا ضرورت

ہے؟ ہم تو جب چاہیں وجود سے نکل کے کعب میں نماز پڑھ کے واپس آ جاتے ہیں۔ خدا کہتا ہے: "فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ" (معاپنے آپ کو پاک نہ کرو) میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنے متقی ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے عبادات نہیں گنوائیں، جب اس نے کہا کہ میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں تو اس نے کہا کہ میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب میں نے تمہیں زمین کے دامن میں رکھا تھا۔ اس نے ایک biological creative end کی نظامہ ہی کی اور کہا کہ میں تمہیں اُس دن سے جانتا ہوں جب سے میں نے تمہیں زمین کے دامن میں رکھا تھا اور میں تمہیں اس وقت سے بھی جانتا ہوں جب میں نے تمہیں طہر مادر میں رکھا تھا۔ اللہ پاک تو ہمیں یہ احساس دینا چاہتے ہیں کہ تم وہ وقت کیوں بھول گئے جب تم کوئی قابل ذکر شے نہ تھے۔ کوئی کائی تھے۔ کہیں ایک ایسے جراثیم، حیات کی صورت میں تھے جس میں کوئی multiplication (بڑھاؤ) نہیں تھی۔ اجراء حیات ہی نہیں تھا۔ تم کیسے دعویٰ کرتے ہو پاکبازی کا..... ذرا دیکھو تو کہ تمہاری زندگی کی ابتداء کیسے ہوئی۔ بادل بر سے، آسمانوں سے گھٹائیں اتریں، زمینوں نے پانی کھولے۔ تمام زمین کچھ بن گئی، پھر زمین سوکھی، کچھ کالا ہوا، غلغلہ اور بدبودار، پھر اس پر چڑی جی اور یہ شیشے کی طرح ٹھٹھکا ہوا گارا ہو گیا۔ پھر اس کے نیچے زندگی کا ایک cell پیدا ہوا۔ یہ biological origin ہوا، زندگی کا ایک cell پیدا ہوا۔ پھر اس cell کی dimensions change ہوئیں، آگے بڑھتے ہوئے یہ کبھی Amoeba ہوا، اور کبھی paramecia پھر مزید آگے بڑھتے ہوئے بالآخر ایک وجود نے نسل انسان کا رتبہ پایا۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ اس کے بعد ہم نے اسے نطفہ محفوظ میں بدل دیا: "اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْسَاجٍ" اسے دہرا کیا، double cell میں تبدیل کر دیا یعنی پہلے single cellular تھا پھر double cellular کر دیا۔ مگر کیا ابھی اس قابل تھا کہ یہ اپنے آپ کو انسان کہے، آدم کہے، اشرف المخلوقات کہے، دعویٰ بزرگی اور عزت فرمائے؟ بالکل نہیں..... not at all پھر ہم نے چاہا کہ اسے آزمائیں تو ہم نے پھر اس کو انتہائی ترقی یافتہ نظام سماعت و بصارت دیئے۔ پہلے حیات پیچیدہ سے پیچیدہ ہوتی گئی۔ "بِنَسْلِهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا" سماعت بخشی، پھر بصارت بخشی، وجود مکمل ہو گیا۔ مگر ابھی تک بھی یہ اس قابل نہیں تھا کہ ہم اسے کوئی فطرتی ہنر عطا کرتے۔ یعنی یہ انسان اس قابل نہیں ہوا تھا کہ اس پر کوئی آزمائش کا cadre مقرر کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ شرع کے مطابق بارہ یا حیرہ سال کے بچے پر آزمائش کا کوئی cadre نہیں ہے کیونکہ ابھی

sensibilities پوری نہیں ہیں۔ judgement balance خیال ٹھیک نہیں ہے۔ emotional existence (جذباتی وجود) ہے کوئی logic (عقل و شعور) نہیں ہے۔ کوئی پڑھائی لکھائی نہیں ہے، ہندوؤں کے مطابق تو ابھی وہ بھرم چری آشرم سے ہی نہیں نکلا۔ ہندوؤں نے اپنی زندگی کو کم از کم چار آشرم میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ”بھرم چری آشرم“ (بچپن برس) سیکھنے پڑھنے کا زمانہ ہے۔ آگے بڑھ کے ”گرہست آشرم“ شادی، بیوی بچوں کا زمانہ ہے۔ اس سے آگے ”گرب آشرم“ عزتیں ڈھونڈنے کا زمانہ ہے اور جب یہ زمانے گزر گئے تو پھر آخری زمانہ آگیا، اب یہ ”رشی منی آشرم“ ہے۔ سوچنے کا، وجدان کا، الہیات اور ترک دنیا کا وقت آگیا۔ بھلا پچھتر سال کی عمر میں کس انسان میں اتنی بہت رہتی ہے کہ اب خدا کا سوچے Sans taste, Sans eyes, Sans every thing. آنکھوں میں موتیاں آئے، زبان میں لکھ آگئی، فالج ہو گیا، اب موصوف چلے ہیں خدا کی طرف، کیا خدا کو حقیر سمجھا ہے؟ کیا خدا کی کم وقعتی ہے کہ زندگی کا بہترین وقت دنیا کو دیا ہے اس عالم اسفال کو دیا ہے۔ اس چیز کو دیا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (جب تیوک کے سفر کو چار ہے تھے تو ایک مرد بکری کو دیکھا جس سے غنوت اٹھ رہی تھی۔) ”غور کرو تو دنیا ایسی حقیر ہے۔ اگر دنیا کی وقعت اس سے بھی کمتر نہ ہوتی تو خدا تمہیں بہت دیتا۔“ مگر اللہ کے نزدیک تو دنیا کی وقعت اس سے بھی کمتر ہے۔ غنوت سے بھی کمتر۔۔۔۔۔

خواتین و حضرات! پورے جوش و جذبے سے ہم نے اس دنیا کو تلاش کیا ہے، پچاس بچپن نوکریاں کیں، وہاں تیس طلب کیں، انداز بیان اختیار کئے، غرور و جھمکت کے اسباب اکٹھے کئے، جب وجود سلامت نہ رہا تو ہم نے خدا سے مذاق کیا، کائنات کی سب سے بڑی سچائی، سب سے بڑی فطری حقیقت کو اس وقت آئے جب نہ دماغ کام کرتا تھا، نہ ہاتھ کام کرتے تھے۔ اس سے بڑی مانصافی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ unnatural act اور کیا ہو سکتا ہے کہ بہترین صلاحیتوں کا وقت بدترین اشیاء کو دے دیا اور بہترین چیز کیلئے بدترین وقت چنا۔ اللہ کہتا ہے کہ اے غلت پسند انسان تم اپنی بہترین چیزوں سے ایسے چٹے ہوئے ہو کہ تمہیں ان سے عشق ہے، ان کا کھوجا تمہارے لئے آسب ہے۔ تم possessive ہو گئے ہو تو کم از کم مجھے درمیانی چیز تو دوا، میری insult تو نہ کرو۔ مجھ سے مذاق تو نہ کرو۔ مگر وہ پروردگار عالم اپنی ربوبیت میں شاید یہ عہد کر چکا ہے اور آپ نے دیکھا کہ سب سے پہلی صفت جو قرآن میں mention

ہو رہا ہو بیت کی ہے، یہ وہ واحد صفت ہے جس میں خدا تعالیٰ نے کسی قسم کی کوئی condition نہیں رکھی ”نہ ماننے کی“ نہ ”نہ ماننے کی“ نہ گستاخی، خیال کی، نہ انکار ذات کی، جو مرضی کرتے رہو۔ یہ وہ واحد صفت ہے جو ہر condition (شرط) سے آزاد ہے اور جملہ کائنات کو اس کے اثرات پہنچتے ہیں چاہے آپ اللہ کو مانو چاہے نہ مانو۔ اب دوبارہ اسی بات کی طرف آتے ہیں کہ وہ انسانی وجود جب تیار ہو گیا تو ابھی تک اس میں عقل و شعور کی کمی تھی۔ اب خدا نے یہ سوچا کہ یہ جنگلی اور وحشی انسان اب اس قابل ہو گیا ہے کہ میں اس پر کچھ ذمہ داری ڈالوں، میں نے اب اس کو artificial intelligence دے دی اور مقصد صرف ایک بتایا: ”إِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ إِنَّمَا جَاءَكُمْ وَأَنَّمَا تُكْفُرُوا“ میں نے تمہیں عقل و شعور بخش دیا، رستہ دے دیا بتا نہ دی کر دی، وہ ذہن دے دیا جو رستے کو detect کر سکتا تھا کیا بڑا استاد ہے، کیا عظیم المرتبت استاد ہے کہ کوئی تختی نہیں کی، کوئی گناہ نہیں۔ چاہو تو مانو، چاہو تو نہ مانو۔ اس کو اعتبار ہے کہ فطرت انسان میں تسلیم ہے۔ اس کو انسان پر پورا پورا اعتبار ہے کیونکہ انسان کی اس صفت کا اظہار فرشتوں کے سامنے اس وقت ہو گیا تھا جب دونوں کے درمیان ایک علمی مقابلہ درپیش ہوا تھا۔ کائنات میں سب سے پہلا بڑا استاد ”اللہ“ ہے جہاں اُس نے شاگردوں کو شاگردی کی نعمت عطا کی ہے وہاں اس نے استادوں کو طریق استاد بھی سکھایا ہے۔ جب اس نے انسانوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ ”وَإِذْ قُلْنَا رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً“ کہ میں اس انسان کو نائب السلطنت مقرر کر رہا ہوں مگر فرشتے تو اتنی کروڑ سال سے انسان کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے کہ یہ تو جھڑالو، فسادی قتل و غارت کرنے والا انسان ہے، یہ اللہ میاں کیا فرما رہے ہیں کہ میں اس کو خلافت دوں گا، اس لئے انہوں نے بڑا جائز اعتراض کیا، بلکہ اعتراض تو نہیں وضاحت طلب کی کہ ہم بڑے حیران ہیں، ہم اس بات کو سمجھ نہیں سکتے: ”قَالُوا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ“ کہ ایک طرف ہم ہیں جنہیں عبادت کے سوا کوئی اور شعور ہی نہیں، کوئی اور عادت ہی نہیں اور ایک طرف ”یہ“ ہے جو سراسر فتنہ و فساد کا گھر ہے، قتل و غارت میں پڑا ہوا ہے، بھائی بھائی کو مار رہا ہے اور تو اسے خلافت ارضی دے رہا ہے۔ اللہ نے کہا کہ تم نے ٹھیک کہا ہے، تم نے یہ سوال پوچھ کر گستاخی نہیں کی، تم اس بات میں شک کر سکتے ہو۔ تم نے بڑا جائز اور اچھا سوال پوچھا ہے۔ ”وَعَلَّمَ الْاٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ“ اب اللہ نے آدم اور فرشتوں کو کچھ اسماء دے دیئے اور

انہیں کہا کہ تم دونوں جاؤ میں نے تمہیں ایک انفرادیت بخشی ہے۔ اب تم دونوں کے دعویٰ، علمی
 کا امتحان کا وقت ہے۔ اللہ نے کچھ اسماء کی تختی دونوں کو دے دی اور ساتھ ایک لمبا وقت بھی دے
 دیا۔ یہ نہیں کہ صبح دی اور شام کو لے لی، language کی development میں میں ہزار
 سال گزر گئے۔ ایک لمبا جھڈ، حالات گزرا جس کے بعد دونوں کو واپس بلایا اور پوچھا What
 did you do with your brain? میں نے تمہیں جو صلاحیت بخشی تھی اس سے تم نے
 کیا فائدہ اٹھایا.....؟ اب ذرا فرشتوں کا اعتراض کیجئے، اس سے ان کی حقیقت کتنی واضح ہو جاتی
 ہے۔ انہوں نے کہا: ”قَالُوا سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ
 الْحَكِيمُ“ ہم تو وہ چیزیں ہیں کہ حیرے دینے ہوئے data کے سوا ہمارے ذہن میں کوئی تصویر آ
 ہی نہیں سکتا، ہم تو computers ہیں، ہمیں تو جو ٹو نے بتایا اس کے سوا نہ ہماری کوئی
 association ہے نہ ہماری کوئی progeny، نہ ہماری posterity ہے، ہمارا تو کچھ
 بھی نہیں ہے۔ اللہ میاں ہمیں تو ٹو نے جو feed کیا بس اتنا ہی علم ہے۔ اس نے کہا: اچھا! تم نے
 بالکل ٹھیک کہا۔ اب اللہ نے آدم سے پوچھا: اے آدم! تو نے کیا کیا ان کے ساتھ..... اللہ جانتا
 تھا کہ آدم نے کیا کیا مگر اس کا یہ پوچھنا کہ تجاہل عارفانہ ہے، ماز پروردگی ہے، ایک تخلیقی عمل پر
 ماز ہے۔ اپنی مہارت علیہ کا ماز ہے۔ بھلا اس کو نہیں پتا تھا کہ آدم نے کیا کیا؟ آدم سے پوچھنے کی
 دیر تھی اس نے تو فرشتوں کو شروع کر دیا۔ لہٰذا لگا دیں، لفظ سے لفظ بتایا، فقرہ بتایا، وضاحتیں کیں،
 اس نے ہر چیز کے تمام رکھ دیئے تھے، اتنی strong صلاحیت ذہن کا اس نے مظاہرہ کیا کہ تمام
 مخلوقات عالم دنگ رہ گئیں۔ ملائکہ حیران رہ گئے کہ اس جاہل مطلق، فسادی اور شر پسند نے یہ کیا
 کمال کر دیا۔ تب اللہ نے فرمایا کہ دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور
 جو تم چھپاتے ہو اور یہ کہ میں زمین و آسمان کے سب غیب پر مطلع ہوں۔ تمہارا اعتراض جائز تھا
 لیکن میں بھی تو اپنی تخلیق کے تمام calibre سے آگاہ ہوں۔ فرشتوں پر فضیلت آدم ثابت ہو
 جانے کے بعد پروردگار نے فرشتوں کو حکم دیا کہ انھو اور اس بھائی کی بزرگی اور شرف کو تسلیم کرو۔
 اسے سجدہ کرو اور یہ سجدہ، تعظیمی جو فرشتوں نے انسان کو کیا صرف اس صلاحیت علیہ کی وجہ سے
 پیش آیا۔ اس کی وہ بنیادی فطرت جو اسے فرشتوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کی curiosity
 (تجسس) ہے کہ یہ اعتراض کرے گا۔ جاننے کی کوشش کرے گا۔ جب وہ جاننے کی کوشش کرے گا
 تو پھر وہ جرتی کرے گا، شواہد طلب کرے گا، فطرت پروردگار پر جائے گا، غور و فکر سے خدا کو پہچاننے

”إِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ إِنَّمَا شَاكَرُوا وَإِنَّمَا كَفَرُوا“ اور جیسے اللہ علم والا ہے اور جیسے خدا علم کو عزت و بزرگی کا واحد ذریعہ قرار دیتا ہے، جیسے اللہ فرماتے ہیں کہ میں انسانوں کی ترقی اور عزت کے مدارج ان کی بنیادی عبادات پر نہیں رکھتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان عبادات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہم ان عبادات کو نظر انداز نہیں کر سکتے، مگر درجہ انسان basics پر نہیں ہو سکتے۔ درجہ انسان اس فکرم پر ہیں، اس intelligence پر جو اللہ نے انسانوں کو عطا کی کہ پڑھنے لکھنے، غور و فکر اور شعور کو استعمال کرنے کا واحد انجام اللہ ہے۔ اگر آپ کو اس غور و فکر کے باوجود اللہ نصیب نہیں ہو رہا تو واپس پلٹ کے آئیے کہ آپ کی approach کہاں خراب ہو گئی ہے کہاں غلطی ہو گئی ہے کہیں آپ کا اخلاص تو کم نہیں ہو گیا۔ کہیں آپ خدا کے یہاں دنیا ہی کی کسی (عالم اسفال کی) چیز کو تو نہیں پسند کر رہے ہو۔ آپ کو اس پر غور کرنا پڑے گا ورنہ انسان کا انجام خدا کو جانا ہے۔ یہی وہ بنیادی فطرت ہے جو سیدہ انسان میں اللہ نے رکھی ہے اور یہ جہلت نہیں ہے یہ نفس انسانی کی خصلت نہیں ہے بلکہ یہ وہ nature ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ خمس لے کے اٹھتا ہے، وہ اپنا choice لے کے اٹھتا ہے، ہماری طرح نہیں ہے کہ آباؤ اجداد کے دین پر ہم برسوں سے قائم ہیں، ہم نے کبھی ذاتی غور و فکر نہیں کیا اپنے دین کے اوپر، کبھی سوچا نہیں ہے ہمارے چناؤ schools پر ہوتے ہیں۔ اللہ کیلئے نہیں ہوتے۔

آدم سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک دین کی شریعتیں بدلتی رہیں۔ کسی کو کوئی چیز حلال، کسی کو کوئی حرام رہی۔ وقت اور ضروریات کے مطابق چیزیں بدلتی رہیں تا آنکہ کتاب حکیم پر آ کر شرع کو قیام ملا مگر اگر آپ پچھلے زمانے سے چلے آئیں تو شرع بدلتی رہی حتیٰ کہ خدا نے وہ چیزیں جو بنو اسرائیل پر حرام تھیں آپ کو حلال کیں، وہ سختیاں اور وہ rigidities جو باقی قوموں کیلئے تھیں وہ آپ سے اٹھائی گئیں، آپ کو اس نے مُت عصر declare کر دیا اور بہت ساری نرمی کر دی۔ ”ظَلَمْنَا مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى“ اور دنیا کا سہل ترین نظام قرآن کی صورت میں آپ کو دیا۔ مرضی ہے تو آپ اختیار کرو، مرضی ہے تو نہ کرو، Allah is not concerned. اللہ کو کثرت اور قلت پر کوئی اعتراض نہیں۔ حدیث رسول ﷺ ہے پوچھا گیا: ”یا رسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی؟“ فرمایا: ”جب زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا نہیں رہے گا“

اللہ کا بنایا ہوا آزمائش کا یہ یکپہلو تجربہ عرصے کیلئے لگا ہے۔ ابدیت کا حامل یہ انسان ازلی نہیں ہے مگر تمام باتوں کے باوجود اگر آپ غور کرو تو انسان کا یہ سفر اس کی ابدیت کی خواہش کی وجہ سے شروع ہوا ہے۔ ابدیت تک زندہ رہنے کی خواہش نے اسے اس مصیبت میں ڈالا ہے۔ شیطان کا بیکار و صرف یہی تھا کہ جب ٹو پھل کھائے گا تو ابدی طور پر زندہ رہے گا جیسے ملائکہ ابدی ہیں اور انسان نے یہ risk لیا۔ چاہے جہنم، چاہے جنت۔ ایک بات غور کر کے بتائیے کہ اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ ابدی زندگی حاصل کریں گے مگر اس کیلئے آپ کو تھوڑی سی جہنم بھی برداشت کرنی پڑے گی تو آپ پھر بھی ابدی زندگی کو ہی چنیں گے۔ اتنا ہی "حسن اللہ نے کیا ہے۔ کسی بُرے پر بھی کتنا ہی" حسن کیا ہے اور کسی نیک پر بھی کتنا ہی؟" حسن کیا ہے کہ تمام تر مشقتوں کے باوجود ان کو اتنی طویل ابدیت کی زندگی عطا کر دی ہے کہ انہیں یقین ہے کہ ہم چاہے کسی بھی قسم کے عذاب سے گزریں ہم مریں گے نہیں۔ کبھی اگر اس پہلو سے دیکھئے تو یہی ایک عجیب کام اللہ نے کیا ہوا ہے کہ ایک ابدیت کا وعدہ ہر حال میں اس نے انسان کو دے دیا ہے تو اتنے بڑے کرم کا حامل پروردگار آپ کو اتنی بڑی opening اتنی بڑی thinking اور راست دے دیا ہے اور اس نے بڑی وضاحت سے کہا کہ انسان کو نفس انسان میں جو اعتدال میں نے بنایا ہے اور جو باقی کائنات میں بھی ہے، یہ اعتدال کبھی بھی shift نہیں ہو سکتا مگر اس اعتدال پر ہمیں ان تین چیزوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو میں نے آپ سے ابتدا میں عرض کی تھیں کہ genetic built up ہمارے اندر ہے، parental built up ہمارے اندر ہے، ہمارا acquired built up ہمارے اندر ہے۔ ہمیں جنگ خدا کے اس اعتدال سے نہیں کرنی ہوتی اس نے تو ہر چیز کو بڑی باریکی سے نفی نفی کر کے چھوڑ دیا ہے اور آپ کو advantage بھی دے دیا ہے۔ آپ کو اتنا بڑا advantage دے دیا کہ ہر وقت، ہر جگہ اور ہر رستے سے آپ پلٹ سکتے ہیں۔ یہ advantage (فائدہ) ہے تو بہ کا۔ درتو بہ سکرات کے طاری ہونے تک کھلا رہتا ہے۔ ایک شخص نزع کے عالم سے کچھ عرصہ قبل توبہ کر لے تو نجات پا جاتا ہے۔ ایک شخص دل میں سوچ سکتا ہے کہ اللہ میاں نے ہم سے اتنے سارے ماتھے رگڑوائے، اتنی عبادات کروائیں، اتنی مشقت اٹھوائی اور اُسے بغیر کسی ایسی نجات کے بخش دیا۔ کیوں؟..... ایک بنیاد پرست مذہبی ایسا سوچ سکتا ہے مگر ایک فطری مذہبی انسان نہیں۔ ان دونوں کی سوچ میں یہی فرق ہوتا ہے۔ فرض کریں کہ ایک کمرہ امتحان میں دو طالب علم داخل ہوتے ہیں۔ ایک طالب علم آدھے گھنٹے میں اپنا پرچہ حل کر لیتا

جہاں اپنی سیٹ سے اٹھ جاتا ہے اور دوسرا آخری دس منٹ تک کاغذ مانگ رہا ہوتا ہے۔ ذہین اور عقل مند انسان کو choice کی سمجھ آ جاتی ہے۔ اصولاً امتحان کا دورانیہ تو سارے پرچے کیلئے ہوتا ہے۔ ایک آدمی اس کو دیے گئے وقت سے بہت پہلے حل کر لے لیا last minute تک لے جائے۔ کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ ایک کورنائیت دی گئی ہے اور دوسرے کو نہیں دی گئی۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو شدید مذہبی رجحانات fundamentalist attitude رکھتے ہیں انہیں ہم pragmatist religious بھی کہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ بے حد دباؤ میں رہتے ہیں۔ خدا کیلئے جو لوگ نماز پڑھتے ہیں ان کیلئے نماز مشقت نہیں ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ Love labour is sweet۔ یعنی محبت میں کوئی مشقت نہیں۔ جو لوگ دعویٰ بحجت خدائے عزوجل رکھتے ہیں کیا وہ اپنے محبوب کی خاطر اتنا معمولی سا کام بھی نہیں کریں گے۔ کسی محبوب کی طرف سے اگر فرمائش آ جائے کہ ہمیں تو فلاں خوشبو چاہیے تو کیا آپ آدھی رات کو اٹھ کر مایکٹوں کے دروازے نہ توڑتے پھرو گے کیونکہ فرمائش تو بہر حال پوری کرنی ہوتی ہے۔ مگر آپ کا حال یہ ہے کہ ایک طرف دعویٰ بحجت پروردگار ہے اور دوسری طرف پانچ وقت کا اٹھنا (نماز کیلئے) آپ سے نہیں ہو سکتا۔ ”محبت“ ہی آپ کو نماز کی لذت دیتی ہے اور یہ جو اللہ نے فرمایا: ”صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنَ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ“ اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہے اور عبادت کرنے والے اسی رنگ سے رنگے جاتے ہیں۔ اس لیے محبت اللہ کی فطرت ہے، رحمت اللہ کی فطرت ہے، مغفرت اللہ کی فطرت ہے اور یہی انسان کی فطرت ہونی چاہیے۔ ”فَطَرَتِ اللَّهُ النَّاسَ فِطْرَتَ النَّاسِ عَلَيْهِ“ (روم: ۳۰) (جو اللہ کی فطرت ہے وہی فطرت ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا)

تصوف کے متعلق لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ یہ تو اللہ کے رنگ میں رنگا جانا ہے اور خدا کو پا لینا ہے مگر practical بلکہ pragmatist لوگوں کو بھلا کب سمجھ آتی ہے۔ ایک انبیاء کے طالب علم کو باطن میں جو قرب الہی حاصل ہوتا ہے اس قرب کو وہی محسوس کر سکتا ہے جو اس کے باطن پر ظاہر ہوا ہو۔ ظاہر ہے وہ لوگ جو شہوات سے اوپر اٹھ کر دنیا سے آگے گزرتے ہیں اور بلوغتِ ذہن، عملِ پیہم اور تجسس فکر کے ساتھ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت کی کھوج کر رہے ہوتے ہیں وہ بڑے عالمی ہمت اور عالمی سرشت ہوتے ہیں اور ایک وہ لوگ ہیں جن کیلئے امیر المومنین جناب حضرت عمر گواہان میں ”الصلوة خیر من النوم“ کے الفاظ شامل کرنے

پڑے۔ ظاہر ہے یہ الفاظ لوگوں کیلئے add کیے گئے ہیں جو جاگ تو رہے ہوتے ہیں مگر کسلندی اور سستی اٹھنے نہیں دیتی۔ یہ الفاظ ان مسلمانوں کیلئے تو نہیں ہو سکتے جو سوئے ہوئے ہوں کیونکہ سوئے لوگ تو کچھ بھی نہیں سنتے۔ یہ ان سے الوجود مسلمانوں کیلئے تھا جو جاگ تو جاتے ہیں مگر اٹھ کر آگے بڑھتے ہوئے عمل تک نہیں آتے۔ اعمال تب ہی خوبصورت ہوتے ہیں جب وہ فطری ہوں۔ رسول اللہ ﷺ ہر انداز میں سب سے زیادہ خوبصورت اور معتدل ہیں۔ حضور ﷺ کے خوبصورت اور natural انداز کے حوالے سے ایک بات ذہن میں آ رہی ہے وہ میں آپ سے share کرنا چاہوں گا۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ جب رسول گرامی مرتبت ﷺ رات کو جاگتے تو ٹٹولتے ہوئے ہاتھ پانی کی مشک تک لے جاتے، پھر اس کا بند کھولتے اور اس میں سے تھوڑا سا پانی لیکر آنکھوں پر ملتے۔ جب پوری طرح بیدار ہو جاتے تو اٹھ کر وضو فرماتے۔ دیکھئے یہ کتنا natural انداز ہے۔ صبح ذہن کے جاگنے کے باوجود بند پو نے نہیں کھلتے، اگر ان پوٹوں پر تیلے ہاتھ پھیر لیے جائیں تو تازہ دم ہوتے ہیں، گھل جاتے ہیں اور عمل کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بند پوٹوں کا کھولنا ایک بہت ہی صبر آزمایا کام ہے۔ یہ بند پو نے ہماری صبح کی نماز کھا جاتے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ ہم انہیں سنتوں کو اپنائیں اور ان کا احیاء کریں۔

بات تصوف کی ہو رہی تھی کہ تصوف کیا ہے اور صوفی کون ہے۔ قرآن مجید میں کچھ دوسرے لوگوں کا بھی تذکرہ ہے۔ خدا نے فرمایا: ”میرے کچھ بندے ایسے ہیں جن کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں وہ آدھی راتوں کو بھی میری خاطر نہیں سوتے بلکہ میری ہی فکر و تر دو میں رہتے ہیں۔“ کتنا فرق ہے دونوں میں۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کہاں وہ جو سستی اور لذت و وجود کی وجہ سے صبح بھی مشکل سے اٹھتے ہیں اور کہاں وہ جو دوتی و محبت کی خاطر نیند کو تیاگ دیتے ہیں۔ اگر آپ کو نہیں پتا کہ صوفی کون ہے تو آپ بڑی آسانی سے اسے جان سکتے ہیں۔ صوفی تھوڑا بڑھ جانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں نام و خاص سب پر، مگر کچھ ایسے بھی ہیں جو ان سے بڑھ کر نیند کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ دن رات، صبح و شام اور ہر لمحہ کی یاد کرتے ہیں۔ خشیت الہی ان کے پہلوؤں کو بچھونے سے دور رکھتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں آپ ولی مومن یا صوفی کہہ سکتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ خدا ان لوگوں کو اس کے بدلے میں کیا دیتا ہے۔ کیا خدا ان کو دوتی کی کوئی علامت بھی عطا کرتا ہے کہ نہیں؟ کیا ولی کی علامت ”طسے فی الارض“ ہے یا کوئی کرامات اور فوق الفطرت

مظاہرات؟ اللہ تعالیٰ نے تو پورے قرآن مجید میں ولی کی ایسی کوئی definition نہیں دی۔ خدا نے ولی کی بڑی مختلف تعریف کی ہے۔ خدا کے نزدیک زمین پر دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اولیائے طاغوت اور اولیائے رحمن۔ درمیان میں تیسری کوئی قسم نہیں۔ اللہ پر ایمان لانے والے سارے ہی اللہ کے ولی ہیں۔ ضروری تو نہیں کہ آپ شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ جنید اور معین الدین اقبیہ جی کے درجے کے ولی ہوں۔ کس نے کہا کہ آپ اتنے بڑے بڑے آئینہ دل set کر لیں۔ آپ امتحانوں سے دیکھتے ہو۔ آخر ان اولیاء رحمن نے بھی تو کہیں سے شروع کیا ہوگا مگر کیا ہم ان کے ساتھ ابتداء میں بھی شامل نہیں ہو سکتے۔ ابتداء تو ضرب خداوند ہے، آرزوئے پروردگار ہے۔ ان بزرگوں نے بھی ابتداء میں آرزوئے پروردگار کی ہوگئی۔ یہ فطرت انسان ہے کہ غور و فکر کے بعد انسان اپنے بنانے والے کو، اپنے مہربان خدا کو ڈھونڈتا ہے۔ بچہ اگر ماں ہی کو ڈھونڈتا ہے تو سو (100) ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والے پروردگار کو بھی تو ڈھونڈتا فطرت انسان ہے۔ کون سا ایسا شخص ہے جس کو خدا نے اپنی دوستی سے محروم ٹھہرایا ہے۔ یہ تو ہم نے بانٹ رکھا ہے۔ وہی ہندو برہمنوں کی طرح کہ برہمن صرف غور و فکر کریگا۔ کھشتری جنگ و جدل کرے گا۔ ویش تجارت و زمینداری کریگا اور شودر اوپر کی تینوں باتوں کی چاکری کریگا۔ ہم نے بھی بد قسمتی سے خود کو ویش اور شودر میں تقسیم کر رکھا ہے ورنہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جسے ولایت پروردگار کا حق حاصل نہ ہو۔ اس نے تو ولایت کی بڑی سادہ سی تعریف دی ہے۔ ”أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ (خبردار میرے دوست خوف و حزن سے دور ہوں گے)۔ اور یہ دور تو ہے ہی fears اور frustrations کا۔ And this century can rightly be called the century of fears and frustration. اللہ تعالیٰ عجب وعدہ فرما رہے ہیں کہ میرے دوستوں کو خوف ہوگا اور نہ حزن و ملال، یا چاٹکی اللہ کی فطرت میں نہیں ہے اور نہ یہ انسان کی فطرت ہے۔ جلد بازی اللہ کی فطرت نہیں ہے۔ جلد باز انسان کو سوچنا ہوگا۔ اُسے متحمل مزاج ہونا ہوگا۔ ولایت کوئی ایسی شے نہیں کہ ایک دن میں سر کر لی جائے۔ ایک دن میں تو کوئی معین الدین چشتی نہیں بنتا۔ سب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو دیکھتے ہیں۔ اُس عبدالقادر کو نہیں دیکھتے جو 50 سال بغداد کے جنگلوں اور پیالانوں میں نفس کے ساتھ مصروف جدوجہد رہے۔ کوئی بھی جنید کی تحصیل علم نہیں دیکھتا۔ سب ہی شیخ جنید کو دیکھتے ہیں لیکن ابتداء تو ایک ہی ہے، ایک فطری natural خواہش۔ اس خواہش اور آرزو میں کیا حائل ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ خواہش اور

آرزو کے راستے میں ہزاروں گناہ آئیں گے۔ ہزاروں رکاوٹیں آئیں گی مگر اللہ کا وعدہ تو وہی ہے۔ شیطان نے خدا کے سامنے ایک دعویٰ کیا تھا کہ میں اُسے (یعنی انسان کو) ہر حال میں بھٹکاؤں گا۔ خدا کی بات تو نہیں بدلتی۔ اُس نے جو rules اور patterns بنائے ہیں وہ تو نہیں بدلتے۔ علم کیلئے مہر ضروری ہے کیونکہ مہر تو آتا ہی علم سے ہے۔ خدا نے فرمایا: اے انسان تجھے عجلت اور جلد بازی چھوڑنی پڑے گی کیونکہ میری طلب تو خیر بہت سی بڑی بات ہے مگر کسی بھی چیز کا حصول عجلت کا کام نہیں۔ تجھے میری فطرت پر چلنا پڑے گا۔ تجھے اپنی جہلیں خارج کرنی ہوں گی۔ جانوروں کے ساتھ 80 کروڑ سال میں جو تو نے جانورانہ خصائص لے لیے ہیں اُن کو چھوڑنا ہوگا۔ تجھے میرے قوانین کی پابندی کرنا ہوگی۔ تجھے غیظ و غضب، حسد و کین بغض و عناد، خود پرستی وانا پرستی، فخر و تکبر اور غلبہ و حرص کو چھوڑنا ہوگا۔ اگر تو مجھے چاہتا ہے اور میری محبت چاہتا ہے تو میرے لیے ایسا کر۔ جب کوئی خدا کیلئے خدا سے محبت کرنا ہے تو خدا بھی جواب میں اُسے ایک انعام کا وعدہ کرنا ہے اور وہ انعام ہے: ”لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ امن کا اور اپنی معرفت کا۔

خدا عرف محبت ہی سے مل سکتا ہے۔ وہ کبھی خوف سے نہیں ملتا۔ خوف ہمیشہ negative morality پیدا کرتا ہے۔ آئیے اب اسی بات کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کون ہے جو خدا کا خوف سہا سکتا ہے۔ ایک طرف وہ بڑائی، عظمت اور کبریائی ہے کہ آپ تصور ہی نہیں کر سکتے۔ کوئی بھی اس hugeness کا تصور نہیں کر سکتا۔ ایک انسان کی خدا کے سامنے کوئی average (اوسط) نہیں بنتی۔ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ ایک اور 10,000,000 کی نسبت بھی ہو تو ہم کہیں کہ بھی کوئی نسبت تو ہے اور 10,000,000,000 بھی ہو تو ہم کہیں کہ چلو کسی نہ کسی level پر ہم تصور خدا کو resist کر رہے ہیں۔ جب نسبت ہی کوئی نہیں۔ ہماری زمین کی اس کائنات میں کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ ہماری کہکشاں کی بھی کائنات سے کوئی نسبت نہیں۔ ایسی ہزاروں کہکشاں روز evolve بھی ہو رہی ہوتی ہیں اور فنا کے گھاٹ بھی اتر رہی ہوتی ہیں۔ زمین کی اس وسیع کائنات میں حیثیت ہی کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ”زمین کی کائنات میں مثال یہ ہے کہ جیسے وسیع و عریض جنگل میں ایک چھٹا (ring) جیمز جیمز (James James) (ایک عظیم ماہر فلکیات) نے کہا کہ زمین کی مثال اس کائنات میں ایسی ہے جیسے ریگزار (صحرا) میں ریت کا ایک ذرہ یا شاید اُس سے بھی کم۔

جب زمین کا یہ عالم ہے تو بندے کی ہستی کیا ہوگی۔ جدید سائنس نے جب زمین کی حیثیت بتائی تو انسان کی انا کو بڑی ٹھیس پہنچی کیونکہ وہ خود کو کوئی بڑی شے سمجھ رہا تھا۔ جدید فلکیات نے اور نظریہ ارتقا نے انسانی زعم عظمت کو تو ذکر رکھ دیا ہے۔ انسان اپنی ہستی اور وجود کے لحاظ سے اس قدر کمتر ہے کہ وہ خدا کا خوف سہا رہی نہیں سکتا۔ ہاں البتہ خوف کی بجائے ہمیں لفظ خشیت استعمال کرنا چاہیے۔ خشیت کا مطلب ڈر، خوف (fear) نہیں ہے۔ خشیت وہ خوف ہے جو آپ کو کسی بہت اچھے دوست کی جدائی کا ہونا ہے کہ کہیں خانا نہ ہو جائے۔ خشیت وہ غم ہے وہ خوف ہے جو آپ کو اس وقت لاحق ہوتا ہے جو آپ کی کسی کم عقل ذہنیت کی وجہ سے آپ کو کسی محبوب سے جدا کر دیتا ہے۔ خشیت ایک قسم کا ڈر ہے، دوری کا احساس ہے، اہل فراق کی مجبوری ہے، خشیت وہ چیز نہیں ہے جو مسجد کے ملا پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ نہیں ہے۔ یہ خوف نہیں ہے، کوئی بھی انسان اللہ کا خوف نہیں سہہ سکتا۔ ہم عام زندگی میں ایک SHO کا خوف نہیں برداشت کر سکتے۔ اگر وہ خداوند کا بوجھ آن پڑے تو کون سہہ پائے گا۔ وہ جو صحرا کا تجربہ رکھتے ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ وسعت صحرا انسان کے اندر ایک عجیب سی حسرت اور گھر سے دوری کا شدید احساس (great nostalgia) پیدا کر دیتا ہے اور خصوصاً تب جب کوئی راو منزل اور نشان نہ ہو۔ جہاں سراغ حقیقت نہ ہو۔ دور دور تک کے نشان معدوم ہوں۔ کسی نخلستان کا انا پنا نہ ہو۔ ایسی حالت میں انسان کا غم، اس کی بے چارگی اور اداسی اسے خدا کی طرف رجوع کرنے کے علاوہ کوئی صالح نہیں دیتی۔ خدا نہ ہوتا تو بھی سیدھے انسان میں کسی ایسے ہمدرد اور مہربان کا تصور ضرور ابھرنا جوا سے اس بے چارگی، Nostalgia میں سے نکال کر کسی منزل تک پہنچا دیتا ہے اور خشیت اسی غم کے آنسوؤں کا نام ہے۔ اللہ تو کبھی نہیں چاہتا کہ لوگ اس سے ڈریں اور خوف کھائیں۔ اس نے کب کہا کہ مجھ سے ڈرو اور خوف کھاؤ۔ وہ تو اس کے بالکل برعکس کہہ رہا ہے۔ وہ تو کہتا ہے: اَتَتْلُو مَا اَوْحٰى اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ، وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ - اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کتاب کی تلاوت کرنا از قانم کرو کہ عبادات ظاہر ہر انیوں سے روک دیں گی مگر دیکھو: ”وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ“ ہمارا ذکر تو بہت بڑی بات ہے۔ یہ تو Personal Relation ہے ذاتی تعلق ہے۔ یاد تو ایک خفیہ تعلق ہے۔ یہ ذات کا ذات سے تعلق ہے۔ ہر ذکر کرنے والے فرد (Individual) کا انفرادی تعلق ہے۔ یہ انفرادی تعلق دہشتی، محبت اور اخلاص کا تعلق ہے۔ خوف سے تو یہ استوار نہیں ہوتا۔ محبت اور اخلاص ہی اس کا Building Block ہے۔ مگر ابھی

کچھ باتا اور بھی ہے وہ کہتا ہے کہ میرے عالم یعنی عالم ربانی اور حقیقی دانشور (Intellectual) وہ نہیں ہیں جو صبح و شام عبادات کرتے ہیں بلکہ وہ لیٹے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل مجھے یاد کرتے ہیں اور عرفیاد ہی نہیں کرتے بلکہ زمین و آسمان کی کی تخلیق پر غور بھی کرتے ہیں۔ وہ کوسمولوجی پر بھی سوچتے ہیں اور Micro biology پر بھی۔ وہ پچھر کی خلقت پر غور کرتے ہیں اور حقیقت عظمیٰ بھی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ (پچھر بھی تو اپنی خلقت میں ایک زبردست Technology رکھتا ہے۔ اس لیے خدا کہتا ہے کہ میں پچھر یا اس سے بھی آگے کسی چیز کی مثال دے سکتا ہوں کیونکہ ہر چیز ایک شاہکار ہے) جب بھی کسی کے پاس تجسس، اخلاص اور روشنی ہوگی تو اسے خدا بے حد قریب لگے گا۔ اس سے عجیب طرح کا انس ہونے لگتا ہے کہ وہ عقل عظیم، وہ دانش کل کیا کرتا ہے۔ خدا سے جذباتی محبت نہیں ہوتی بلکہ خدا سے اعلیٰ ترین عقلی سطح پر ہی محبت ہو سکتی ہے۔ عقل ہی سے خدا کو پہچانا جاسکتا ہے اور عقل ہی وہ اعلیٰ ترین تخلیق ہے جس سے خدا کو محبت ہے۔ خدا اپنی تخلیقات میں سے عقل کو سب سے زیادہ پسند فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب خدا نے عقل کو تخلیق کیا تو فرمایا! ”چل کر دکھا“ اللہ تعالیٰ نے اس کے رنگ، ڈھنگ دیکھے، ماز و انداز دیکھے تو خوش ہوئے۔ فرمایا کہ میں نے کیا خوبصورت چیز تخلیق کی ہے لیکن اب یہ عقل دیں گے۔

”انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال“ ہم نے یہ تمام امانت زمین و آسمان اور پہاڑوں کو پیش کی۔ سب تھوکتا ہے کہہا کہ کیا تم میری یہ حسین امانت اٹھاتے ہو۔ سب ڈر گئے مگر انسان آگے بڑھا اور کہا یہ تو بڑی بزرگی کی بات ہے۔ میں عقل سنبھال لوں گا۔

میں اس دانشوری کو سنبھال لوں گا مگر اللہ تعالیٰ نے ساتھ ایک بات اور بھی فرمائی۔ What a stupid man, he under estimated the job and over estimated himself. یہ ”اِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا“ اس نے اپنے کام کو معمولی سمجھا اور اپنے آپ کو بہت بڑا۔ اس نے تقاضائے عقل نہیں دیکھا۔ تقاضائے عقل ہے خدا شناسی، معرفت پروردگار اور خود شناسی۔ انسان کی نظر جواز عقل پر نہیں گئی، خلافت ارضی پر گئی۔ یعنی ”خلافت ارضی بھی مل رہی ہے اور سیادت مائیکہ بھی ساتھ حاصل ہو رہی ہے میرے کیا کہنے، زمین میری، آسمان میرا، جنت میری.....“ خود سوچتے کیا اللہ نے غفلت کیا: ”اِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا“ 6 ارب انسانوں میں 5 ارب تو ویسے ہی فارغ ہیں۔ جو باقی بچے ہیں ان میں سے زیادہ تر روشن خیال ہو گئے ہیں۔ لے دے کے جو تھوڑے بچے ہیں وہ اس امانت میں کچھ آگے بڑھیں

گئے۔ چند لوگوں کو چھوڑ کر دیکھیں تو سب ہی نے خدا کو ماننے کا وہ حق ادا نہیں کیا جو اس کا حق تھا۔ اس لیے تو خداوند نے فرمایا کہ مجھے کوئی پرایا نہ سمجھو۔ مجھے ماں باپ سے زیادہ عزیز رکھو کیونکہ یہ تو واقعی بہتیاں ہیں۔ میں ہی تو ہوں جو تمہیں اربوں سالوں سے آگے لے کر آیا ہوں اور اب ہا رب سال آگے لے کر جاؤں گا۔ مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔ یہ تو Transit camp ہے عارضی مستقر ہے۔ تمہیں پیدا کرنا تھا۔ مجبوری تھی اس لیے ماں باپ دینے اور مجبوری یہ تھی کہ انسان کا بچہ پیدائش پر بہت کمزور اور ناتواں ہوتا ہے۔ دیگر بہت سے جانوروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ بچے پیدائش کے چند لمحوں بعد چلتا پھرنا شروع ہو جاتے ہیں مگر انسان کا بچہ ایسا نہیں ہے۔ اسے کافی عرصہ تک دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے ماں میں شدید ممتا اور باپ میں پدری محبت رکھ دی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کون اتنی مشقت اٹھاتا اور اتنی لمبی ذمہ داری کو نبھاتا۔ باپ میں یہ خواہش کہ میں اپنے بیٹے کے نام سے جانا جاؤں اور اس میں میرا Physical Outfit نمایاں ہو۔ قرآن مجید میں ہے کہ زمانہ قدیم کے لوگ اپنے بیٹوں پر ماز کرتے تھے اور بیٹیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اپنی ہی اولاد میں ایک جنس کو اپنے لیے Insult اور دوسری جنس کو قافرا سمجھتے تھے تو خدا نے ماں باپ دونوں میں جدا جدا قسم کے تقاضات پیدا کیے اور دونوں اولاد کو اپنی اپنی وجہ سے پیار کرتے ہیں اور ان کے لیے بے تحاشہ غم اٹھاتے ہیں۔ اب یورپ کی ماؤں میں ممتا کم ہو گئی ہے۔ ان میں وہ Mother hood نہیں رہی جو کہ ہونی چاہیے یہ ہی وجہ ہے کہ وہاں شریعہ پیدائش مسلسل کم ہو رہی ہے۔

حکومتیں ایک ایک بچہ کی پیدائش پر وظائف دے رہی ہیں مگر پھر بھی وہاں کی آبادی بڑھنے کی بجائے کم ہو رہی ہے۔ عورتیں ماں بننے سے گریز کر رہی ہیں۔ مرد اپنی ذمہ داری اٹھانے سے کترار ہے ہیں پوری سوسائٹی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ بچے ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت سے محروم ہو کر Criminals بن رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کو خود محبت نہیں ملی، ماں کی گود نہیں ملی وہ کسی سے کیا محبت کریگا۔ So the entire community of the west is becoming unnatural because. عمرانی معاہدہ جو صدیوں قبل طے پایا تھا وہ صرف بچے کے لیے تھا اور معاہدہ یہ تھا کہ عورت گھر میں رہ کر بچے سنبھالے اور اگر ایسا نہ کرے گی تو نسل انسان معدوم ہو جائیگی۔ باہر بھاگ دوڑ میں تو بچے مارے جاتے ہیں۔ مرد باہر کے کام سنبھالے گا اور اس کی خوراک اور دوسری

Protections کے اسباب مہیا کرے گا۔ اب جو عورت اس 40 ہزار سال قدیم عمرانی معاہدہ سے انحراف کرے گی تو یہ Unnatural ہوگا اور مرد اس معاہدہ سے روگردانی کرے گا تو یہ بھی Unnatural ہی ہوگا۔ تو Ultimately اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک تقاضا بخشا۔ خدا نے فرمایا: کہ مجھے یاد کرنا اور محبت سے یاد کرنا۔ خوف اور وحشت سے نہ یاد کرنا۔ بلکہ مجھے ایسے یاد کرنا جیسے ماں باپ کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بڑھ کر محبت سے، غلو سے، اور فخر سے کہ اس کے علاوہ میرا کوئی رب اور مولا نہیں۔ وہ میرا مالک ہے، میرا کریم ہے۔ میں اس پر فخر کرتا ہوں۔ میں اس پر نماز کرتا ہوں۔ مجھے اس کی بندگی پر نماز ہے۔ مجھے اپنے خدا کی خدائی پر نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ یاد کرنا، ماں باپ اور آباؤ اجداد سے بڑھ کرنا کہ میں قائل ہو جاؤں کہ میں بہر حال ان رشتوں سے تجھے مقدم ہوں۔ میں بہر حال تمام ترجیحات سے بالاتر ترجیح ہوں اور تمام محبتوں سے بڑی محبت ہوں۔ ہر ایک سے میرے لیے محبت رکھ۔ پھر میں تجھے ساری محبتیں لوں گا۔ ان محبتوں سے گزر کر مجھ تک آ اور میری محبت سے نیچے اتر کر سب کی طرف جا۔ جو بھی اللہ کو پہلی ترجیح بنائے گا۔ اللہ اس کے قرب میں اتر آئے گا۔ اللہ اسے اپنی مسائگی کا شرف عطا کرے گا۔ یاد رکھیں کہ First priority or the top priority of the human nature is only and only God جب ترجیح اول (Top priority) درست ہوگی تو نیچے تمام ترجیحات درست ہو جائیں گی۔ تمام Systems ٹھیک ہو جائیں گے مگر جب Top priority کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور جب فطرتِ ماعنیٰ کی پابندی کا خیال نہ رکھا جائے گا تو ساری زندگی کرب و بے چینی، تشویش، افسردگی اور خوف و وہم میں گزر جائے گی۔ خدا امن ہے اور تمام امن اسی کی ذاتِ بابرکت سے جاری ہے اور امن اسی طرح پیدا ہو سکتا ہے جس طرح اس نے وعدہ فرمایا ہے: "لَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" جب تک ہم اس کے بتائے ہوئے فطری قوانین پر عمل پیرا نہیں ہوں گے ہمارے اندر کا اضطراب اور ہماری تحسین ختم نہیں ہوں گی۔ بہت ممکن ہے کہ ظاہر اہم قائل عزت اور محترم ہوں مگر وجودِ انسانی کے اندر کی ذہن ہمیشہ بے چینی اور اضطراب کی ہوگی۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی چینی اور اخلاقی ترجیحات کو سمجھیں اور اپنے فطری انجام تک جائیں۔ انسانی شعور اور علم کا واحد فطری انجام اللہ ہے۔

وما علينا الا البلاغ

نفس، انسان اور شیطان

أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَّسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

خواتین و حضرات! بڑی مشکل سے قصور پہنچنا نصیب ہوا ہے۔ آپ نے اپنے گرواتی مزاحمتیں بچائی ہوئی ہیں سڑکوں کی صورت میں اور اتنی مشکلیں پیدا کی ہوئی ہیں کہ میرا نفس، میرا شیطان اور میرا انسان تینوں گھبرا گئے تھے اور وہ جو اللہ نے کہا کہ اے شیطان الرجیم تو چاہے جو کچھ بھی کر لے مگر تو اُس شخص کو گمراہ نہیں کر سکے گا جس کے دل میں میرے لئے ذرہ برابر بھی اخلاص موجود ہوا۔ آپ یقین جانیں کہ وہ بات بھی سچ نکلی، آپ کے اخلاص میں اتنی قوت تھی کہ میں بمشکل سہی مگر آپ کی خدمت میں آن پہنچا۔ ماشاء اللہ جس انداز سے مخاطب کرنے والے نے خطاب کیا ہے اور جو زبان استعمال کی ہے لگتا ہے کہ میری اسنادی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں اگر یہ ایسے ہی صاحبِ کلام نکلے تو ”کارا استاد خالی است“.....

آج کا موضوع ایک بڑی ایسی تکنیکل subject ہے اور ہم اسے نفس سے شروع کریں گے۔ حدیث قدسی ہے کہ خداوند کریم نے نفسِ انسان کی شکل میں اپنا بدترین دشمن پیدا کیا ہے۔

آخر یہ نفس ہے کیا؟ مدتوں قرن باقرن سے self یا نفس پر کھنگو ہوتی رہی۔ ایک اللہ کے ولی نے کہا کہ دو چیزیں آج تک سمجھ نہیں آئیں کہ فریب نفس کتنے ہیں اور مقام رسول ﷺ کتنے ہیں مگر دراصل تعلیمات نفس بیسویں اور اکیسویں صدی میں مرتب ہوئیں۔ اس سے پہلے اس ظلم کو یا لفظ کو کوئی علیحدہ وجود اور شناخت نہیں دی گئی تھی اس لئے یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انسان کیا ہے؟ نفس کیا ہے اور اس کا طرز عمل کیا ہے؟ یہ سلوک میں کہاں مزاحمت کرنا ہے اور انسانی ترقی میں کہاں معاونت کرنا ہے اور ازل سے ہر سمت کا رخاندہ نفس جاری و ساری تھا۔ اس کے باوجود یہ ظلم ہوشربا کا وہ جادوگر تھا کہ جس کے ظلم میں سے نکلا کسی ظلم کشا کے بس کی بات نہیں تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ اللہ بھی نفس رکھتا ہے یہ نہیں کہ صرف ہمارا ہی نفس ہے۔ پروردگار نے قرآن حکیم میں فرمایا: ”وَبُحِیْدٌ ذُنُوبُكُمْ اَللّٰهُ نَفْسُہٗ“ (اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے) اور آپ کو یاد ہو گا کہ پرانے زمانے میں ایک فتنہ اختلال اٹھا تھا جن کو ہم معتزلہ کہتے ہیں۔ جو آج پھر اٹھ رہا ہے جو قرآن کو اللہ کا لفظ نہیں سمجھتا بلکہ خیال خدا سمجھتا ہے۔ وہ قرآن کو خیال خدا اور اس کے الفاظ پیغمبر ﷺ کے سمجھتا ہے۔

جدید فکر میں فتنے بھی پلٹا جاتے ہیں۔ انسانی اوبہام، انسانی وساوس اور فتنوں میں، نفس اور الہام شیطان میں کچھ فرق ہوتا ہے اور وہ بنیادی فرق جدید بغداد نے ہمیں واضح کیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ اساتذہ محترم نفس میں اور فتنہ شیطان میں کیا فرق ہے تو انہوں نے کہا کہ ”شیطان جگہ بدلتا ہے وہ ایک مقام پر نہیں ٹھہرتا اور وقت ضائع نہیں کرتا“۔ اگر ایک جگہ اس سے آپ بچ نکل تو دوسری جگہ جا کے داؤ لگا دیتا ہے۔ اگر آپ روپے سے بچ نکلے ہو تو کسی اور شہوت کے رخ میں آپ کو ڈال دیتا ہے۔ مگر نفس وہ خراب کار ہے جو مستحق اپنی حیثیت پر قرار رکھتا ہے اور کسی خواہش اور آرزو کے ذریعے یہ بار بار آپ پر ایسی چیز کا حملہ کرتا ہے جس سے آپ نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ یہ بنیادی فرق ہے وسوسہ شیطان میں اور نفس میں۔ اس کو اگر میں انگلش میں بیان کروں تو یہ recurrent aggression of thought (کسی خیال کی بار بار انداز میں ہنگامہ) ہے اور وسوسہ شیطان جو ہے یہ shiftable changeable position of immoralities (نوعیت بدلنے والی بد اخلاقیات) ہیں۔ بیان دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ نفس کے معاملے میں جو تनावل ہے سب سے پہلے میں ان اشکال کو رفع کرنا چاہتا ہوں۔

جب اعتزال کا مسئلہ اٹھا تو معتزلہ نے یہ کہا کہ قرآن چونکہ لفظِ خدا ہے بلکہ خیالی رسول ﷺ ہے اور یہ intellectual ذہانتوں کے معیار پر پورا نہیں اترتا حتیٰ کہ اُس وقت جو Greek ideas اور رومیوں (Romans) کا فلسفہ آ رہا تھا اس سے بہت سے لوگ متاثر تھے جیسے آج کل چند لوگ متاثر۔ یہ مغرب میں سے ہیں۔ اُس وقت بھی کچھ لوگ متاثر۔ یہ فلسفہ یونان میں سے تھے اور سب سے پہلا مسئلہ جو انہوں نے نکالا وہ اعتزال کا مسئلہ تھا اور جیسے آج ہمارے حکمران secular ہو گئے ہیں اُس وقت کے حکمران اعتزالی ہو گئے تھے معتزلہ ہو گئے تھے۔ خلیفہ مامون الرشید معتزلہ کا سب سے بڑا مقلد اور امام تھا اور اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر کوئی قرآن کو خالق کا کلام سمجھے گا تو اُس کا سر کاٹا جائے گا۔ انہی دنوں میں امام احمد بن حنبل کو روزِ کوڑے پڑتے تھے کیونکہ اُن کے پاس دلائل تو نہیں تھے مگر وہ بار بار اپنے مؤقف پر قائم تھے کہ یہ کلام اللہ کا کلام ہے اور تم جو چاہو کہہ لو مگر ہم اسے رسول ﷺ کا کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام مانتے ہیں۔ اس بنیاد پر حضرت امام کو روزانہ کوڑے پڑتے تھے مگر اختلافِ دین اور بات ہے اور دلیل دینا اور بات ہے اس لئے قرآن حکیم میں اللہ نے فرمایا کہ تم لوگ جب عقل و معرفت کے بغیر مقلدین کی حیثیت میں کوئی مذہب یا خیال قبول کر لیتے ہو تو خدا کی نہیں بلکہ کسی دینا کی پرستش کر رہے ہوتے ہو کیونکہ تم اپنے اذہان میں آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ ہم خوش نصیب ضرور ہیں کہ ہماری بنیادی مزاحمت خدا کو ختم ہو چکی ہے۔ ہم اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ آباء و اجداد نے ایک نعمتِ غیر مترقبہ، اسلام ہم تک پہنچا دیا مگر جہاں تک اسلام جاننے کی بات ہے اسلام پیچنے کی بات ہے، جہاں تک اسلام کی centericity کا تعلق ہے اس کی جواب دہی کا تعلق ہے وہ ہم میں مفقود ہے۔ ہم اس وقت مذہب کی پرستش ضرور کر رہے ہیں مگر اللہ کی پرستش سے بہت دور ہیں۔ اتنے بڑے عبادت گزاروں، صبح سے لے کر شام تک عبادت کا شعور رکھنے والوں، مساجد آباد کرنے والوں، بڑے بڑے محلات اور کتابتِ تہذیب دینے والوں اور ان کی بڑی بڑی جماعتوں کو دیکھ کر ایسے خیال آتا ہے کہ اللہ کے بندے اور رسول ﷺ کے خدمت گزار بے حد بے شمار ہیں، دنیا بھری پڑی ہے مسلمانوں سے مگر مذہب جب دیواروں میں قید ہو جائے، مذہب جب آپ کے اندر سوچنے سمجھنے کا مادہ ختم کر دے، مذہب جب مکمل تھکید بن جائے تو وہ بت گری، بت سازی اور بت تراشی ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ کی سوجھ نہیں رہتی۔ یہ کیوں نہیں ہوتا۔ میں تو نہیں کہتا کہ دیوبند برا سکول ہے، بریلوی برا سکول ہے، اہلحدیث برا سکول ہے مگر خواتین و

حضرات ایک بات یاد رکھئے گا کہ مذاہب کی شرائع بدلتی رہی ہیں۔ شروع اوقات سے مذہب کی شرائع بدلتی رہی ہیں۔ شرع اس کم از کم زاوہ کو کہتے ہیں جس سے منزل تک پہنچا جائے۔ یہ منزل نہیں زاوہ رہا ہے۔ شرع کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ کم از کم مال جسے لے کر آپ جلدی سے منزل تک پہنچ جائیں مگر آپ کی منزل کوئی ہے؟ وہ کونسا مقام ہے جو مذہب کی منزل ہے؟ شریعتیں بدلتی رہی ہیں، اخلاق کے قوانین بدلتے رہے۔ طور طریقے Prince Hamorabi کے زمانے میں اور تھے ہمارے زمانے میں اور ہیں۔ درمیان میں کچھ اور آئے کبھی ہر انٹی آئے، کبھی عرب آئے، طریق زندگی بدلتے رہے، شرائع بدلتی رہی مگر مذہب کا مقصد ہمیشہ ایک ہی رہا۔ حضرت آدم سے لیکر پہلے انسان سے لے کر، پہلے پیغمبر سے لیکر آخری پیغمبر تک مذہب کا ایک بنیادی مقصد رہا کہ بندے کو خدا کی پہچان کرانا۔ بندے کو خدا تک پہنچانا۔ ”اِنَّ هَلْبَسْنَاهُ السَّبِيلَ اِنَّا شَاكِرُوْا وَاِنَّا كٰفُوْرًا“ میں نے تمام عقل و شعور عرفاس لئے بخشا کہ چاہو تو تم اللہ کو مانو چاہو تو نہ مانو۔ کیا ستم کی بات ہے کہ صبح و شام کی عبادات کے باوجود، صبح و شام کے ذکر کرے رسول ﷺ کے باوجود، صبح و شام کی تسبیحات و خداوند کے باوجود ہم میں سے اکثر اللہ کا کوئی سراغ نہیں رکھتے۔ اے کوئی ایسی عجیب و غریب حیثیت سمجھتے ہیں کہ:

بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ

خدا ہی کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

وہ اللہ جس نے آپ کو اپنی مکمل محبت اور دوستی کیلئے بنایا، اس نے ہمیں شعور ذات اسی لئے بخشا اور اس عقل و شعور اسی لئے دی مگر وہ کہتا ہے ”بَحْسَرَةٌ عَلَى الْعِبَادِ“ اے لوگو! مجھے حسرت ہے تم پر کہ بھولے سے کبھی تم نے مجھے اپنا خدا سمجھا ہو، مجھے محبت کی نظر سے دیکھا ہو اور مجھے یہ کہا ہو کہ اے اللہ ہم نے سوچا ہم نے دیکھا ہم نے غور کیا، حیرت دی ہوئی تفصیل علم و عقل کو ہم نے استعمال کیا اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو ہے اور ہم تجھے مانتے ہیں اور ہم تجھے ہی پروردگار اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ خواتین و حضرات! اس میں نفس مائل ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ کیا ہے۔۔۔؟

آج سے آٹھ کروڑ سال پہلے زمین پر ایک ہی قسم کے جانور بستے تھے۔ یہ تمام کے تمام جانور سوراخوں میں رہتے تھے بلوں میں رہتے تھے غاروں میں رہتے تھے۔ پھر ایک جنس نے فیصلہ کیا کہ نہیں ہم اوپر اٹھیں گے، ہم آسمانوں کو جائیں گے، ہم درختوں کو چلیں گے، ہم نے پتے دیکھنے ہیں، ہم آسمان دیکھیں گے۔ ان کو ہم primates کہتے ہیں۔ انہوں نے زمین سے

آسمان کی طرف جانے کی پہلی جدوجہد کی۔ یہ ایک پہلا اپنی فیصلہ تھا جو بہت عرصہ پہلے ان انسانوں نے کیا۔ ان انسانوں کی شکلیں ہم سے نہیں ملتیں، یہ عجیب بچو سے ہیں۔ ان کے سر لمبیزے ساڑے کی طرح ہیں مگر یہ انسان جو بنیادی طور پر حضرت انسان کے بڑے ہی پرانے آباد اجداد ہیں ان کو ہم primates کہتے ہیں۔ انہوں نے پہلا شعوری فیصلہ یہ کیا ہے کہ اب زمین کی سوراخوں کو پلکے کے بجائے ہم آسمان وسیع کی وسعتوں کو پلکیں گے۔ یہ پہلے انسان تھے مگر خواتین و حضرات! مہذب انسان کی زمین پر تاریخ new stone age (حجری زمانہ) سے شروع ہوتی ہے۔ چالیس ہزار سال پہلے اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ چالیس ہزار سال پہلے تک بہت بڑے برفانی سیلاب کے نتیجے میں زمین پر آٹھ آٹھ میل گہری برف پڑی اور اُس کے بعد بہت ساری زندگی نیست و نابود ہو گئی، جو بچ کر نکلے ان میں اس پہلے حضرت انسان کا سراغ ملتا ہے جسے آج ہم Homo sapien sapien کہتے ہیں، جو آج کی تہذیب کا بانی ہے جس سے ہماری زیادہ مشابہت ہے۔ یہ سوچتا ہوا انسان تھا، مسلسل سوچتا ہوا انسان..... مگر یہ نکل کا انسان ہے، چالیس ہزار سال پہلے کا انسان ہے۔ یہ تو زمانہ حجر کا انسان ہے یہ تو اُس زمانے کا انسان ہے، جب انسان نے بستیاں بسانی شروع کیں، جب عورتوں نے سوچا کہ انسانی بچہ ایسے نہیں پلی سکتا جیسے جانوروں کے بچے پلتے ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو ایک بہت بڑا فرق مرد و عورت کے فرائض میں اس وقت یہ پڑا کہ دونوں نسلوں نے بیٹھ کر سوچا کہ دیکھو بابا بات یہ ہے کہ جانور کا بچہ ماں کے پیٹ میں سے نکلتے ہی دوڑنا شروع کر دیتا ہے، سانپ کا بچہ نکلتے ہی سر سراتا ہے۔ انسان کا بچہ کافی سالوں تک ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ اُس کی زندگی غیر محفوظ ہے تو دونوں اجناس کے درمیان عورت اور مرد کے درمیان ایک مستقل صدیوں کا فیصلہ ہوا اور آج تک وہ فیصلہ قائم ہے۔ جو اس سے انحراف کرنا ہے وہ بنیادی فیصلے سے انحراف کرنا ہے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ عورت چار دیواری کے اندر جائے گی، بچے کی حفاظت کرے گی اور اس کے گرد چار دیواری مرد بنائے گا۔ اس کی خوراک کا انتظام مرد کرے گا، یہ آج سے چالیس ہزار سال پہلے دونوں اجناس انسان میں contract ہوا اور وہ آج بھی چل رہا ہے عرف یہ کہ آج کی خاتون اُس contract سے انحراف کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور آج کا مرد اُن فرائض سے انحراف کر رہا ہے جو اس وقت ایک دوسرے کے فیصلے کے مطابق ہوئے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ Homo sapien-sapien ہونے سے پہلے کے عرصے میں یہ انسان رہا کہاں؟ جب ابھی عقل و

شعور کی آگئی کا دن نہیں چڑھتا، جب مسلسل جہالت اور جانوریت کی رات تھی تو یہ کہاں رہا؟ یہ جانوروں میں رہا۔ یہ اپنے جیسے باقی جانداروں میں رہا۔ یہ ایسی حقوق میں رہا جن میں کوئی انسانیت نہیں تھی، جن سے تہذیب issue نہیں ہوتی تھی، جن سے علم و عقل کی کوئی پھوار نہیں پھوٹی تھی اس لئے یہ انسان ابتداء ہی سے ان جانوروں کی خصلت پا گیا۔ وہ بنیادی خصلت عمومی ہے، تمام زندگیوں میں پائی جاتی ہے، جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے اور انسانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اسکے بارے میں پروردگار قرآن میں فرماتے ہیں: ”وَأَحْضَرْتُ الْأَنْفُسَ الشُّعْ“ ہم نے تمام جانداروں کو نخل جان پر جمع کر دیا۔ The first ever instinct سب سے پہلی جہلت جو نسل انسان میں پیدا ہوئی اُسے ہم جس بقایا survival کہتے ہیں۔ یہ اولین شرط زندگی تھی، یہ شرط بقاء بڑی قیمتی تھی۔ اللہ نے انسان کو زندگی بچانے کی پہلی حس دی، نہ صرف انسان کو دی بلکہ چوٹی، چنیا، شیر اور ہلی سب کو دی۔ یہ وہ جس مشترک ہے جو تمام حیات میں پائی گئی۔ اللہ نے اصولاً اعلان کیا کہ تمام زندگی میں بنیادی نفس جو مشترک ہے وہ survival ہے یا جس بقاء ہے جس کے بغیر ہم کسی زندگی کو پیدا نہیں کریں گے۔ یہ اتنی قیمتی حس ہے کہ اگر بھاتا رہے رستے میں آجائے اور خدا کے رستے میں آجائے تو اللہ اس کا اتنا احترام کرنا ہے کہ اگر آپ کی جان خطرے میں پڑ جائے، اگر آپ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے اور اگر آپ حلال کو حرام بھی کر لو اور حرام کو حلال بھی کر لو تو اللہ بُرا نہیں مانتا۔ ”إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَيْزِیو“ (۱۷۳:۲) یہ چار چیزیں حرام مطلق ہیں مگر اگر جان خطرے میں پڑ جائے۔ زندگی جو اللہ کا انعام ہے وہ خطرے میں پڑ جائے تو اضطراب جان سے نکلنے کیلئے اگر تم حرام بھی کھا لو تو ”إِنِّ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ“ بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ زندگی کتنی بڑی نعمت تھی۔ جس بقا کتنی قیمتی حس تھی کہ خداوند کریم نے حفاظت کیلئے آپ کو حدود و شریعت سے تجاوز ہونے کی اجازت بھی دے دی مگر اس مقام پر ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ ہر قتلِ روم نے جنگِ جنادین کے بعد دس بڑے صحابہ کو قید کر لیا۔ جب اُن کو دیکھا گیا تو وہ مفلوک الحال، سوکھے ہوئے جسم والے لڑے پتلے لوگ تھے۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ ہمارے اتنے بڑے کئے مسندے فوجیوں کے مقابلے میں یہ سوکھے سڑے جنگ جیتے ہیں۔ اُن کو قید کیا گیا، پھر یزر کے حکم سے انہیں بھوکا رکھا گیا۔ جب کچھ دن بھوک کے گزر گئے پھر یزر نے اُن کیلئے حرام گوشت بھجوا یا مگر اصحابِ رسول ﷺ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ یزر نے اُن کو اسی آیت قرآن سے پیغام دیا کہ تمہارے قرآن نے، تمہارے رسول نے

تمہارے خدا نے تمہیں اجازت دے رکھی ہے اور چونکہ تم بھوک و افلاس سے مرنے والے ہو تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ تم اس حرام میں سے کچھ گوشت کھا لو تو اصحاب رسول ﷺ نے کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں اللہ کی طرف سے عذر ہے مگر ہم اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ ہم نے وہ عمل اپنایا ہے جو ہمیں تقویٰ میں صحبت رسول ﷺ کے قابل رکھے۔ اس لئے چاہے آج ہم مر بھی جائیں تو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہر قل نے جب یہ سنا تو دبا ہوا تھڑا ہوا کہ ان کیلئے دسترخوانِ نعمت بھیجا۔

Survival کی بنیاد میں کچھ اور instincts بھی استوار ہوتے ہیں یہ بانئیں یا اٹھائیں کے قریب instincts ہو سکتی ہیں۔ ان میں محبت، حسد، غصہ اور احساسِ ملکیت بھی ہیں۔ یہ تمام instincts مل کر جس packet کو ترتیب دیتی ہیں اُسے نفس کہتے ہیں۔ جانورانہ خصلتوں میں ربح ہوئے ہم نے جو کچھ اوصاف جانوروں کے حاصل کیے اور جو کچھ ہمارے اندر پہلے سے موجود تھے یہ تمام کے تمام اوصاف جب مل جائیں تو یہ مل جل کے ایک پیکٹ بنتا ہے۔ اُس پیکٹ کو نفس کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ خدا کا مخالف کیوں ہے۔ اتنی شدتوں سے اللہ نے کیوں کہا کہ یہ میرا سب سے بڑا دشمن ہے اس لیے کہ جلی انسان میں عقل نہیں ہوتی اور جس میں عقل نہ ہو اُس انسان کو پروردگار جانور سے بدتر کہتے ہیں۔ جس میں عقل نہ ہو اُس انسان کو اللہ جانور سے بدتر کہتا ہے کہ بدترین جانور میرے نزدیک وہ ہے ”تُفْسِدُ بَعْضُهُمْ أَعْضًا سِوَا نَفْسِهِمْ“ (۱۷۱:۲) جو اندھے اور بہروں کی طرح آیاتِ الہی پر گرتے ہیں، جو سوچتے سمجھتے نہیں، پڑھتے جانتے نہیں ہیں، غور و فکر نہیں کرتے اور عقل استعمال نہیں کرتے۔ اب سوال یہ ہے کہ عقل اتنی important کیوں ہے؟ یہاں چلتے چلتے میں آپ کو بتاؤں کہ انسان ایک بڑی special مخلوق ہے۔ یہ کوئی گنجی گزری مخلوق نہیں ہے بلکہ genetic sciences کے سب سے بڑے محترم specialist جو پچھلے دنوں فوت ہوئے، انہوں نے کہا کہ پچاس سال کے بعد میں اپنی اس عمر و انکساری کا اعلان کرنا ہوں کہ کروڑ ہا سال سے انسانی genes میں کوئی ترقی development نہیں ہوئی۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ یہ کسی دوسرے جانور سے نہیں بنا، یہ وہ Homo sapien نہیں ہے جس کو سائنس Homo sapien کہہ رہی ہے۔ یہ گوریلا سے نہیں بنا، یہ چمپنزی کا چچا زاد نہیں ہے۔ اس کا تو ابتداء ہی سے gene special تھا۔ یہ بنا ہی کسی اور مقصد کیلئے تھا اور انسانی جین آج تک

اپنی کروڑ ہا سال کی ہستی کو برقرار رکھے ہوئے ہے اپنی عادات اور اپنی individuality کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ ایک منفرد جین ہے پوری کائنات زندگی میں جس نے اپنی صلاحیتوں کو بالکل طبعاً رکھا ہوا ہے۔ یہ کسی جانور سے نہیں ملتا۔ یہ بات بھی سچ ہے کہ ارب ہا ارب سال کے distance (فاصلے) سے آج تک کوئی بندر پھر انسان نہیں بنا۔ اگر یہ progress ہوتی، اگر یہ change ہوتی، اگر mutation ہوتی تو شاید مادّیاتی کوئی بندر انسان بن جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہاں! انسان اپنے عادات و خصائص کی وجہ سے ضرور بندر بن جاتا ہے۔ ”وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ“ (۶۵:۲) جب انسان نعلین چھوڑ جائے گا۔ شعور چھوڑ جائے گا، accountability چھوڑ جائے گا تو وہ جانورانہ عادات کو چلنے لگے گا وہ عادات جو اس کے نفس نے کروڑ ہا سال میں جانوروں سے سیکھیں تب وہ دفعتاً بندر بن جائے گا اور یہ جو اللہ نے فرمایا کہ میں نے ان کو ”کُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ“ پھٹکارے ہوئے بندر بنادیا تو اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان انسانوں میں انسانی عقل کے بیج نے کوئی نشوونما نہیں کی، انہوں نے کہیں سے بھی دانش مندی کا سبق نہیں سیکھا۔ وہ دنیاوی معاملات کو مکمل سمجھتے رہے۔ وہ اسرائیل کے فلسطینی تھے یا پرانے زمانے کے یہودی سیاہ کار تھے یا اس سے پہلی اقوام کے وہ بد باطن لوگ جنہوں نے زمانے میں بڑی بڑی زانی باتیں نکالیں، خدا کے احکامات کو نظر انداز کیا، اللہ پر ہزار ہزار اعتراض کیے، بغیر سوچے سمجھے اعتراضات کئے جیسے نفس کی سر زمین کو شیطان exploit کرنا ہے۔ خواتین و حضرات! ہم وہ زمین شیطان کو دیتے ہیں جس پر وہ اپنے بیج لگاتا ہے۔ ”إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ (۱۶۹:۲) اور ہم خدا پر وہ باتیں کہتے ہیں جو ہم جانتے نہیں ہیں۔

کیا عجیب بات ہے خواتین و حضرات کہ ایک معمولی سی بیماری کیلئے غریب سے غریب شخص بھی بہترین specialist demand کرنا ہے۔ ایک MBBS سے گزرتا ہے MCPS کے پاس جاتا ہے، MRCPS تک جاتا ہے۔ MRCPCS تک جاتا ہے۔ consultants دیکھتا پھرنا ہے مگر جب خدا کی بات ہو، جب اللہ کو جانا ہو، جب غائبوں کی غایت کو سمجھنا ہو، جب کائنات کے اعلیٰ ترین مسئلے پر سفر کرنا ہو، جب زندگی انسان کے مالک کے بارے میں غور کرنا ہو، جب عزت و جاہ و منصب کے مالک کے بارے میں سوچنا ہو تو ہم ضرور کسی ان پڑھ، lesser educated کم فہم آدمی کا سہارا لیتے ہیں۔ اس سے بڑی بیماری علمی

حماقت اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا خدا اتنی آسانی سے مل سکتا ہے۔ کیا اللہ کا منصب یہی ہے کہ غالب ہوتے ہوئے مجذوب سے اسے سمجھیں گے۔ کیا اللہ کا منصب یہی ہے کہ زمانے کا براوٹ پناگ انسان خدا پر رائے دے گا۔ اگر ایسا ہوتا، اگر مجذوب زمانے کے رہبر ہوتے تو پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی کیا ضرورت تھی؟ پھر کیا ضرورت تھی اعتدال کے اس اعلیٰ ترین نمونے کو عطا کرنے کی؟ کیا ضرورت تھی کہ جو حسان بن ثابت نے فرمایا کہ 'اے محمد ﷺ! اے میرے پیغمبر! آپ ﷺ کو اللہ نے ایسے بنایا جیسے آپ ﷺ چاہتے تھے'۔ کیا پیغمبر چاہتے تھے کہ ان کی امت مجذوبوں سے بھری ہو؟ کیا پیغمبر چاہتے تھے کہ رال پٹاتے اور جن لوگوں کو اپنی سمجھ نہیں وہ دوسروں کو سمجھاتے پھریں۔

خواتین و حضرات! بہترین علم کائنات میں قرآن ہے۔ یہ فرضی بات نہیں ہے۔ یہ comparative knowledgeability کی بات کر رہا ہوں۔ یہ کسی سیکولر کی سوچ نہیں ہے۔ سیکولر ہے کون؟ سیکولر مذہب کی کوکھ سے اٹھا ہوا وہ شخص ہے کہ جو مذہب کی مخالفت میں ہو۔ سیکولر ازم کا لفظ جس شخص نے پہلی مرتبہ تاریخ علم و ادب میں استعمال کیا وہ یوہی باکس تھا اس کے بعد بریڈ لا تھا۔ اس کے بعد باقی آئے مگر سوال یہ ہے کہ ان کو تکلیف کیا ہوئی؟ خواتین و حضرات وہ دونوں پادری تھے۔ بریڈ لا پادری تھا۔ اس کے کارڈینل نے اس سے کہا کہ معاملات مذہب میں ہمیں دستاویز تیار کرنی ہے۔ ہمیں بائبل کی یہ دستاویز تیار کر دو۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے بائبل پر دھی تھی۔ اس وقت بھی علم و فضل کا یہی عالم تھا جو آج کے علماء کا ہے۔ جب اس نے اس کے چار پانچ versions دیکھے تو اس نے ایک کال لکھا اور کارڈینل کو لکھا کہ خدا کیلئے یہ مت چھاپنا، اگر تم نے یہ چھاپ دیا تو مذہب کی رسوائی ہوگی۔ All the books of the prophet are contradictory. نہیں ہو رہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے حواری ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہیں۔ میں کس کو quote کروں؟ متی کو quote کروں؟ لوقا کو کروں؟ یا برنابا کو کروں۔ میں الجھ گیا ہوں۔ اس لئے یہ میں quote نہیں کر سکتا۔ کارڈینل نے اسے here sy کی سزا دی اور اسے جیل میں پہنچا دیا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ میں سچی بات کر رہا ہوں اور مذہبی لوگوں نے مجھے جیل میں بھجوا دیا ہے تو وہ واپس پلٹا اور دنیا کا پہلا سیکولر بن کر سامنے آیا۔ اسے اشتنا کہا کہ مذہب بے کار محض چیز ہے۔ لوگ اگر رسماً عبادت کرتے ہیں تو کرتے رہیں مگر ان کو کسی صورت میں بھی حکومت و اقتدار میں نہیں داخل کرنا چاہئے۔ This was

the battle between christianity and his people. مگر یہ ہماری جنگ نہیں ہے۔ قرآن کا تو معیار ہی بڑا مختلف ہے۔ قرآن ایسی کتاب ہے کہ جس کی صرف دو آیات زمانے بھر کے قواعد سے گزرتے ہوئے اتنے بڑے سائنسی حقائق پیش کرتی ہیں۔ خدا نے فرمایا کہ ”برآیت کو ہم نے جانچا پرکھا، وزن کیا اور زمانوں کیلئے چھوڑ دیا۔“ اگر قرآن میں ایک آیت غلط ہو جائے یا قرآن کی ایک حقیقت غلط ہو جائے تو آپ کو خدا سے نجات ہو جاتی ہے۔ بہت پہلے میں نے ایک بات کہی تھی۔ آج پھر اسے دہرا رہا ہوں کہ اگر انسان ہزار غلطی کرے تو انسان رہتا ہے۔ اللہ اگر ایک غلطی بھی کرے تو اللہ نہیں رہتا۔ یہ اصول علم ہے کہ ایک ایسی ذات جو اپنے آپ کو total truth declare کر رہی ہے جس کا کہنا ہے کہ میں ہی سچا ہوں۔ میرے بغیر کوئی سچا نہیں ہے تو اگر آپ اس کی ایک غلطی بھی نکال دو تو وہ سچا نہیں رہے گا۔ We are inviting all the seculars, all the philosophers of the world. کہ آؤ! اور ہماری جان چھڑاؤ قرآن سے، اسلام سے۔۔۔۔۔ کوئی ایک تनाव، کوئی ایک غلطی قرآن سے نکال دو مگر وہ نہیں نکال سکتے۔ ایک بات یاد رکھیے گا کہ اصولاً یہ شریکوں کی غلطیاں نہیں ہیں۔ یہ نہیں کہ قرآن کی ایک آیت کو ادھر سے توڑا یا ایک کو ادھر سے توڑا اور اعلان کر دیا کہ قرآن غلط ہے۔ اس کیلئے آپ کو ایک اچھا طالب علم اور ایک اچھا دانش ور بننا پڑے گا۔ اگر آپ نے قرآن کو غلط ثابت کرنا ہے تو آپ کو اتنی ہی بڑا اسکی text کا specialist (ماہر) ہونا پڑے گا۔ جتنا بڑا آپ اعتراض کر رہے ہو۔ آپ اس کے بارے میں ہر کس و ما کس سے نہیں پوچھو گے، آپ اسی شخص کے پاس جاؤ گے جو قرآن کے text کا سیشلسٹ ہے اور اس کے معنی و مطالب کا سیشلسٹ ہے پھر اگر وہ غلطی طور پر سچا ہو تو آپ کی بات مان جائے گا اور اگر آپ سچے ہوئے تو آپ اسکی بات مان جاؤ گے لیکن علم میں خاصیت نہیں ہوتی۔ علم مام ہی تسلیم کا ہے۔ اسلام مام ہی تسلیم کا ہے۔ اسلام علم کا مذہب ہے اس لئے اسلام تقصیر کرنا ہے کہ اگر کوئی ایسا بہتر اعتدال کہیں موجود ہے جو ہمارے علم میں نہیں ہے تو ہم ضرور اسے حاصل کریں گے۔

خواتین و حضرات! آپ ذرا سوچ کر بتائیے کہ اسلام میں کوئی چیز آپ ڈالو گے کہ یہ معتدل ہو جائے گا۔ کوئی ایسی چیز تو بتاؤ؟ کیا Homo sexuality ڈالو گے؟

۔۔۔۔۔ صلہ یہ فرنگ سے آیا ہے ایشیا کیلئے

نئے خمار و ہیوم زمانہ بازاری

کیا یہ اسلام میں ڈالو گے تو وہ معتدل ہو جائے گا۔ علمی طور پر جو لوگ بھی اسلام کے غیر معتدل ہونے کا اعتراض کرتے ہیں وہ انتہائی لاعلمی کی بات کرتے ہیں یا انہوں نے قرآن پڑھا نہیں سمجھا یا لوگوں پر قرآن کا گمان کرتے ہیں۔ وہ اپنی ذات سے خود شرمندہ ہیں کیونکہ نفسی اشکال یا ہمارا 'میں' اس میں حائل ہے۔ اب دوسری طرح آپ کو explain کروں گا کہ جب نفسی اشکال یا جھٹلیں آپس میں مل کر کام کرتی ہیں تو بے شمار چالیں سامنے آتی ہیں جیسے ایک خطرے میں آپ کو بمشکل 32 یا 36 سہرے نظر آتے ہیں مگر اس کی چالیں ایک بلین سے بھی زیادہ ہیں۔ اگر آپ غور کرو تو خطرے کی جو چالیں calculate ہوتی ہیں وہ ایک ارب سے بھی زیادہ ہیں۔ یہی حال نفس کا ہے کہ جب جھٹلیں آپس میں interact کرتی ہیں یا جب آپس میں عمل کرتی ہیں، یعنی غصہ اور شہوت مل جائے یا غصہ اور شہوت مل جائے تو اتنی صلاحیت پیدا کر دے۔ مثلاً اگر ایک آدمی کہتا ہے کہ مجھ میں صلاحیت عزت نفس بہت ہے مگر سوال یہ ہے کہ عزت نفس کیا ہے؟ یہ کہاں سے built ہوتی؟ اگر آپ sensitive ہو کر ایک شخص نے آپ کو chair نہیں دی تو آپ کہو گے کہ تم مجھے جانتے ہی نہیں۔ تم نے میری insult کی ہے مگر یہ جو احساس ذات ہے، یہ جو عزت نفس کے concepts ہیں یہ باہر سے نہیں ہمارے معاشرے سے، ہمارے complexes سے پیدا ہوئے ہیں مگر یہ صحت کی علامت نہیں۔ ایک صاحب علم جو ہے وہ دوسروں کو اس کے اخلاق کی limitation سے جانتا ہے۔ اگر ایک شخص میں اچھے اخلاق کی صلاحیت ہی نہیں اور اس میں کم علمی کی وجہ سے اتنا وصف ہی نہیں کہ وہ ایک اچھا جملہ بول سکے اور اگر اس نے بد تمیزی کی بات کہہ دی تو صاحب علم اس کا برا نہیں مانتا کیونکہ ان کو اچھی طرح پتہ ہے کہ حد و علم کا تعین اور شخصیت پر کسی کے علم کے تاثرات limited (محدود) ہیں مگر نفس میں جو سب سے بڑی خواہش ہے اس کے بارے میں چچہ الاسلام محمد بن احمد الغزالی نے فرمایا کہ ”آخری چیز جو سیدہ انسان سے نکلتی ہے وہ چپ جاہ ہے“۔ عزت کی طلب اور شہرت کی خواہش ہے۔ عزت کے معاملے پر اگر غور کریں اور اس کی حسی اصطلاحات کو دیکھیں تو ہمیں علوم ہو گا کہ ہم ہمیشہ عزت ذرائع سے طلب کرتے ہیں، ذرائع سے ڈھونڈتے ہیں اور اشیاء سے طلب کرتے ہیں مگر مختلف اداروں میں عزت کے مناسب یا ان کی priorities (ترجیحات) تبدیل ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں افتخار نسل پر تھا اور دوسرا عزت کا افتخار لباس کا تھا اس لئے حضور ﷺ نے نہ صرف نسلی تکبرات کی تردید فرمائی بلکہ ساتھ ساتھ آپ نے وہ حدیث سنی ہو گئی جو کہ بہت quote کی جاتی

ہے۔ جس پر ایک سکول قائم ہو گیا کہ نختوں سے اوپر ٹلوار کو تکبیر کی علامت گنا گیا مگر بیچ میں سے ’زمانے‘ نکال دیئے گئے۔ اگر آپ اس حدیث کا پس منظر دیکھیں تو اس وقت کپڑا اتار کیا ہوا تھا کہ وہ تکبیر کی علامت تھا۔ ابی داؤد، بخاری اور مسلم میں حضرت معاذ بن جبل کی حدیث موجود ہے کہ ایک قریہ قریب میں لوگ نماز پڑھنے کیلئے اکٹھے ہوئے تو فیصلہ یہ ہوا کہ جس کو قرآن زیادہ آتا ہے وہ نماز پڑھائے گا۔ معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بارہ سال کا بچہ تھا، مگر صحیح رسول ﷺ کی وجہ سے مجھے قرآن زیادہ آتا تھا تو لوگوں نے کہا کہ معاذ تو آگے بڑھا اور ہمیں نماز پڑھا۔ (خواتین و حضرات! امامت کا معیار تو آپ نے دیکھ لیا کہ جس کو علم زیادہ ہو اسی کا معیار ہے امامت کروانا) وہاں اصحاب اکٹھے ہوئے تو حضرت معاذ بن جبل نے نماز پڑھائی۔ پاس سے ایک عورت گزر رہی تھی۔ جب نماز ختم ہوئی تو اس نے کہا کہ اے مسلمانو! اپنے امام کا ستر تو ڈھانپ لو، یعنی اس وقت کپڑا اتار کیا ہوا تھا۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ پھر نماز کے بعد اصحاب رسول ﷺ نے تھوڑے تھوڑے پیسے ڈال کر مجھے ایک چادر خریدی اور فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم ہے کہ جب مجھے یمن کا گورنر بنائے گا تو اس وقت بھی مجھے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس دن مجھے اس چادر کی ہوئی تھی۔ اس وقت کپڑا تکبیر کی علامت تھا اپنی کیا بانی کی وجہ سے..... گویا جب چیزیں available نہ ہوں تو آپ جان سکتے ہیں کہ ان کی قدر و قیمت کیا ہوتی ہے۔ مگر آج کونسا کپڑا تکبیر کہلاتا ہے؟ آج کونسا کپڑا تکبیر کی علامت ہے کہ آپ اس پر ایک سکول built کر کے بیٹو جائیں۔ اس کی اس زمانے میں وہ اہمیت نہیں ہے۔ میں آپ کو frankly بتاؤں کہ میں نے اپنے بڑے چچھے دوست علامہ ساجد میر سے کہا کہ علامہ صاحب! آپ 70 سال سے اس قوم کے پانچے اٹھواتے رہے مگر نہیں اٹھا سکے۔ ایک فیشن آیا اور عورتوں مردوں سب کے پانچے اٹھ گئے۔ اصل میں یہ ”ہوا“ ہے۔

اب میں آپ کو واپس اس پہلی بات کی طرف لے چلوں کہ جو بنیادی intellectual problem (دانش ورانہ مسئلہ) پیدا ہوا وہ یہ کہ اللہ بھی نفس رکھتا ہے: ”وَيُحَدِّثُكُمْ أَنفُسَكُمْ“ (۳۰:۳) کہ خدا تمہیں اپنے self سے ڈراتا ہے، اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفس انسان اور نفس پروردگار کیا آپس میں مقابلہ کرتے ہیں اور پھر نفس انسان اگر اتنا ہی ظالم ہے تو پھر خدا نے یہ کیوں کہا: ”بَيِّنَاتٍ لِّلنَّفْسِ الْمَظْمُونَةِ“ کہ اے نفس مطمئن! پلٹ میری طرف۔ راضی ہو کر اللہ کیلئے..... یہ لفظ بڑا important ہے کہ

راضی ہو کر اللہ کیلئے..... نفس انسان کی حد تک انسانی جلتوں اور حیوانی جلتوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا، نہ ان کی شہوات، نہ ان کے کھانے پینے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں مگر جب عقل اسے مہذب کرنا شروع کر دیتی ہے جیسے آپ کسی جانور کو تہذیب کرنا شروع کر دیتے ہیں تو یہ ایک تہذیب یافتہ نفس ہے۔ یہ آگے بڑھ کے جب عقل کی خدمت پر ایستادہ ہوتا ہے، جب رب کریم کی عادات میں ایستادہ ہوتا ہے تو اس نفس کو پھر اللہ ایک trained نفس سمجھ کر خطاب کرتا ہے: ”بَابِتْهَا النَّفْسُ الْمُعْطَمَةُ“ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سارے بزرگوں کے جسام مردہ نہیں ہوتے۔ مدتوں بعد بھی نکالے ہوئے اجسام تر و تازہ ہوتے ہیں۔ This is against the law of biology. This is against the law of nature. Within 48 hours the bodies must decay. انہوں نے گننا سڑنا ہوتا ہے۔ یہ جسم برباد ہونے چاہئیں۔ پھر یہ کیا ہوتا ہے؟ یہ کیوں سلامت رہ جاتے ہیں.....؟ عراق کے ایک قصبے میں موجود دو اصحاب رسول ﷺ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری اور ابو حذیفہؓ کی قبروں میں پانی آگیا۔ یہ بڑی لمبی بات ہے۔ میں مختصراً آپ کو سنارہا ہوں۔ ان دنوں خلیفہ وقت فیصل النوری السعید کی حکومت تھی۔ وہ اس کے خواب میں آئے اور کہا کہ ہماری قبریں بد لوک ان میں پانی آ رہا ہے۔ انہوں نے مشورہ کیا اور قبروں کے ارد گرد بڑی گہری کھدائی کی مگر پانی نظر نہیں آیا تو انہوں نے سیدہ بھروا کے چھوڑ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ پھر ان کے خواب میں آئے اور کہا کہ تمہیں اپنے ذرائع پر اعتبار ہے۔ کیا ہماری بات پر یقین نہیں ہے؟ پھر انہوں نے دوبارہ جب کھدائی کی تو عین حضرت ابو حذیفہؓ کی قبر کے وسط تک پانی پہنچ چکا تھا اور ان کی قبر مٹاڑ ہو رہی تھی۔ اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ ان کو باہر نکالیں گے تو دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ پھر اس کا اعلان تمام اسلامک ممالک میں کیا گیا تو ممالک اسلامیہ نے تجویز پیش کی کہ جب اصحاب رسول ﷺ کے لاشہ مبارک نکلیں تو ہم انہیں salutation (آداب) پیش کریں گے۔ تمام مسلم ممالک نے اپنے نمائندے بھیجے۔ ترکی حکومت نے گارڈ بھیجی تاکہ وہ قبریں کھودیں اور لاشیں نکالیں۔ اس وقت نیا نیا ٹیلی ویژن آیا تھا اور بہت بڑی سکرین لگا کر وہ ساری کاروائی دکھائی گئی اور آپ کو علوم ہے کہ انہوں نے کیوں وہ کاروائی دکھائی؟ کیونکہ وہ اس بات میں دلچسپی رکھتے تھے کہ مسلمان غلو ثابت ہو۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کا اللہ پر اعتبار غلو نکلتے اور مسلمانوں کا شہداء کے بارے میں جو thesis ہے وہ غلو نکلتے۔ ”وَلَا تَقْفُوا لَوْ لَعْنُ بَقِيْلٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاطٌ مُّبَلِّ اَحْيَاءُ“

وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ (۱۵۴:۲) وہ چاہتے تھے کہ ان کے جسم گھسڑے ٹکس اور ہم ساری دنیا کو بتائیں کہ یہ مسلمان فضول قسم کا اعتبار اور faith لئے بیٹھے ہیں۔ اُس وقت نئی ویژن لگایا گیا۔ لاکھوں لوگ جمع ہوئے۔ اصحاب رسول ﷺ کی جب لاشیں مبارک ٹکس تو حضرت حذیفہ کی آنکھیں کھلی تھیں ایک جرمن specialist ڈاکٹر نے اُن کی آنکھوں میں جھانکا، جب اُن کی آنکھوں میں جھانکا تو اُس نے یہ جملہ بولا کہ By God! these are not the eyes of a dead man. اس میں اتنی چمک اور اتنی روشنی ہے کہ یہ کسی مردہ انسان کی آنکھیں نہیں ہو سکتیں۔ یہ ایک تاریخی واقعہ تھا جس کے بعد عراق کے بے شمار یہودیوں نے اسلام قبول کیا۔ ہمارے ملک سے بھی ایک بیگم عثمان حیدر نما بندگی کیلئے گئی تھیں۔ یہ واقعہ پھر انہوں نے انڈیا میں پوری شہادت کے ساتھ قلم بند کیا۔ خواتین و حضرات! وہ لاشیں کیوں نہیں گلتیں.....؟ دیکھئے پروردگار کتنا مہربان اور کتنا دوست ہے ان دوستوں کا کہ جن کے بدنوں نے اپنی عقلوں کے مطابق خدا کی دی ہوئی رہنمائی کے مطابق اللہ کے کرم کے مطابق اپنے معاملات زندگی کو سنوارے رکھا اور جنہوں نے اپنے اہل ان کو اُس جہالت کا شکار نہ ہونے دیا۔ ہوا وہوس کا شکار نہ ہونے دیا۔ جانورانہ خصلتوں سے دور رکھا تو پھر اللہ نے یہ عہد کیا کہ ”اے زمین تو ان کے بدن کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ یہ قیامت تک حیرے پاس لائیں ہیں جو تو محفوظ رکھے گی۔“ اور وہ بدن اپنی ارواح کے ساتھ اس طرح اٹھائے جاتے ہیں کہ اُن کے مابین کوئی بندہ روح اور بدن کا فرق کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ہے ”مہذب نفس“۔ یہ وہ نفس ہے جو آپ کو فائدہ دے گا ورنہ نفس پر کبھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا اور اللہ نے صاف صاف کہہ دیا: ”وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ“ کہ جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اُسے ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ نفس مہذب ہو یا غیر مہذب اس کی مخالف عقل نے اس پر کنٹرول جاری رکھا۔ نفس کی طلب بے حساب ہے مگر جب خدا نے طریقہ اعتدال دے دیا، جب قرآن دے دیا تو نفس پر کنٹرول کا طریقہ بتا دیا۔

اصول علم یہ ہے کہ اگر دنیا میں بہترین کتاب قرآن ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کے عالم کیسے ہیں۔ اگر یہ بہترین علم ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ یہ کتاب کس کو دی گئی۔ کسی psychotic مجنوں کو دی گئی یا کسی مجذوب کو دی گئی، اللہ نے یہ کتاب علم کسی کمتر عقل والے کو دی یا کسی بڑے rigid تڑکیہ والے کو دی مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہ کتاب علم ایک ایسے انسان مبارک کو دی گئی کہ تمام بغیر اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ سکتے ہیں، حضرت عیسیٰ کہہ سکتے ہیں کہ اے میرے رب کریم مجھے تو نے معجزے

سے پیدا کیا، معجزوں میں رکھا، معجزے سے سمیٹ لیا۔ میری قوم تو کہہ سکتی ہے کہ He was not a human being. He was not like us. والا نہیں تھا۔ وہ تو بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ اس نے تو صبح و شام گہوارے میں کلام کیا۔ ان کی ساری زندگی معجزاتی تھی۔ انکی قوم کہہ سکتی ہے کہ وہ followable نہیں تھے۔ پھر حضرت یحییٰؑ کہتے ہیں کہ میں تم سے demand بھی نہیں کرتا، نہ اعمال میں، نہ خیال میں مگر صرف ایک کام نہ کرو۔ خدا میں کسی کو شریک نہ کرو۔ یہودیوں اور فلسطینیوں سے کہا کہ ”وَ اَنْتُمْ بِمَعَانَا تَكْفُرُونَ وَمَا تَدْعُوْنَ فِيْ بُيُوتِكُمْ“ (۴۹:۳) (میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو) یہ دعویٰ غیب ہے جو حضرت یحییٰؑ نے کیا۔ (اب آپ بتا پڑے کہ غیب کیا ہوتا ہے؟) جب تمام یہودی علماء اکٹھے ہوئے اور وہ ”میری“ کو پتھر مارنے لگے جو پہلے فاش کبھی جاتی تھی تو حضرت یحییٰؑ نے کہا کہ ٹھہر جاؤ، تم میں سے پہلا پتھر اس کو دمارے جس نے اس فعل کا پہلا ارتکاب نہ کیا ہو۔ جب یہ کہا تو پھر ساتھ ہی ایک warning بھی دی کہ ”وَ اَنْتُمْ“..... (میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تم گھروں میں کیا کھاتے ہو اور کیا چھپا کے رکھتے ہو۔) یہ دعویٰ علم ہے اس لئے کہ غیب بھی ایک information ہے، جتنی اچھی information ہوگی اتنا غیب کا پتہ ہوگا۔ اگر information کی source (ذریعہ) اللہ ہے تو پھر کیا پوچھنا کہ غائب کیا ہے؟ اگر غیب بتانے والا اللہ ہے تو پھر کیا ضرورت ہے پوچھنے کی کہ آپ کو غیب آتا ہے کہ نہیں۔ پھر یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ اتنی کم فہمی اور کم عقلی کی بات ہے کہ میں اپنے پیغمبر سے خود پوچھوں کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو غائب آتا ہے تو وہ کہیں گے کہ یہ جو میں نے تم کو بات بتائی ہے کیا یہ دنیا میں کہیں ملتی ہے۔ یہ جو میں نے کہا ”اللہ ایک ہے، اللہ کہیں موجود ہے۔“ کیا یہ بات پہلے تمہیں پتہ تھی؟ غیب بتانا اہم نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہر آدمی کی ایک source of information ہے۔ اگر میری source of information میرا اللہ ہوتا، میرا رسول ہوتا اور ایک عام ساجن ہی ہوتا تو میں یہ دعویٰ کر دیتا کہ مجھے آپ کے معاملات زندگی کی مکمل خبر ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جن کی مکمل اطلاعات کی source صرف اور صرف اللہ ہوتا ہے ہم ان سے پوچھیں کہ تمہیں غائب آتا ہے کہ نہیں۔ یہ کس نے کہا کہ غیب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اول سانس سے لیکر آخری سانس تک یہ پیغمبر نوئل کنٹرول میں ہوتے ہیں۔ یہ کنٹرول سے باہر نہیں ہو سکتے۔ ان کی غلطیاں بھی نوئل کنٹرول میں ہوتی ہیں۔

حضرت یونس بن مہدی کو دیکھ لیجئے۔ یہ یاد رکھیے گا کہ ان کے نفس total control میں ہوتے ہیں۔ یہ نفسی یا نفسانی غلطیاں نہیں کرتے۔ لگتا تو یہی تھا کہ حضرت یونس سے کوئی خطا ہوئی مگر آپ نتائج دیکھیں کہ خدا آپ کو اس غلطی کے عوض میں کیا دینا چاہتا ہے۔ پیغمبر کی خطا، جملہ مومنین کیلئے باعثِ رحمت ہے۔ حضرت یونس بن مہدی جب so called خطا کر کے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ایک contract sign کیا: ”وَكَفَالْتُونَ إِذْ ذُكِبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“ (انبیاء: ۸۷) جب ان کا ظلمات میں گھیراؤ ہوا تو حضرت یونس نے سادہ سے طریقے سے آواز دی کہ اے اللہ تو perfect تھا۔ تیری perfection میں کوئی خطا نہیں تھی۔ تو نے مجھے پیدا ہی خطا کے ساتھ کیا ہے میرے اندر خطا کا element موجود تھا۔ میں کچھ دیر کیلئے اندھیروں میں چلا گیا تھا۔ مجھے معاف کر دے۔ اللہ نے کہا کہ کیا خوبصورت طریقہ ہے تسلیم خطا کا اور اے پیغمبر میں خوش ہوا۔ نہ عرف تھے پر خوش ہوا بلکہ جملہ مومنین کیلئے میں نے سونات چھوڑی کہ جو مجھ سے اس لہجے یا اس طرح سے معافی مانگیں گے میں انہیں معافی دوں گا۔ میں اُسے بالکل معاف کر دوں گا۔ تب سے لیکر آج تک یہ آیت کریمہ نجات بھی جاتی ہے مگر ہم اسے بغیر سوچے سمجھے ہوئے پڑھتے ہیں۔ خواتین و حضرات! بغیر سوچے سمجھے نہیں پڑھنا آپ دیکھو تو سہی کہ پیغمبر کیا کہہ رہا ہے۔

خدا کہتا ہے کہ اگر بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو، نفس کی فریب کاریوں سے پیچھے ہٹو تو چھوٹے چھوٹے تو تم کرو گے ہی۔ ملاحظہ فرمائیں کہ انسان کی constitution اور make up میں اللہ خود اپنی زبان سے فرما رہے ہیں کہ: ”الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ إِلَّا اللَّعَمَ“ (نجم: ۳۳) (وہ جو بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر اتنا کہ گناہ کے پاس گئے اور ذک گئے) کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں اور کچھ خطاؤں کی inherently تمہارے کمپیوٹر میں placing ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہر خطا گناہ نہیں ہوتی۔ ہر خطا ایک hit and try method ہے سیکھنے کا، علم حاصل کرنے کا۔ جن کو آپ گناہ کہتے ہیں، خدا اسکو گناہ نہیں کہتا۔ خدا اس کو اسراف کہتا ہے یعنی Excessive use of every thing۔ جو ملاحتِ اچھی چیز کے لئے تھی وہ آپ نے غلط چیز کیلئے استعمال کر دی۔ ”ثُمَّ لِيُبَيِّدِ الْيَتِيمَ إِسْرَافًا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ“ تم نے زیادہ خرچ کر دیا۔ سردیوں کیلئے رکھائی کچھ نہیں۔ کھلایا، گرمی میں سارا اڑا دیا۔ اب مانگتا پڑے گا..... اب خسارے میں چلے گئے ہو۔ گناہ

کا مطلب ہے خسارے میں چلے جانا۔ آپ کو یاد ہے کہ آدم خسارے میں چلے گئے تھے اور انہیں جہنم میں سے نکلنے کا حکم ہو گیا، بڑا روئے پٹے، بڑا افسوس کیا، کہا کہ یہ کیا ہوا کہ مجھے میرے نفس نے بہکا دیا۔ اللہ نے جب غلو صوبہ دیکھا انسان کی معذرت خواہی دیکھی کہ بار بار سوری کر رہا تھا تو اللہ نے اسے کچھ جلے اللہ کہئے کہ دیکھ حیرے پاس ابھی زبان نہیں ہے ابھی تم نے language built ہی نہیں کی۔ ابھی تو بڑے سال گئے تھے زبان کو مرتب ہونے میں۔ تو سادہ طریقے سے اس طرح معافی مانگ: ”وَبَنَّا ظُلُمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ“ (۲۳: ۷) اگر تو معاف نہیں کرے گا تو میں خسارے میں چلا جاؤں گا۔ خسارہ اسراف سے ہے۔ تمام گناہ کی حیثیت یہی ہے کہ انسان سرف ہوا اور اسراف نفس کی پہلی عادت ہے۔ یہ آپ کو extra use میں ڈال دیتا ہے۔ اس چیز کو پھر شیطان استعمال کرنا ہے۔ شیطان بڑا cleverish ہے۔ نفس، انسان اور شیطان مل کر ایک پارٹی بنا لیتے ہیں۔ شیطان انسان کے اندر داخلہ نہیں لے سکتا مگر نفس انسان اسے جگہ دیتا ہے۔ اگر مجھ میں کینہ ہے تو میری جانورانہ خصلت اس شیطان کو invite کرے گی اور جب یہ دونوں مل جائیں اور ایک پارٹی بن جائیں تو پھر عقل مضبوط ہو جاتی ہے۔ عقل بیچاری مٹھنی، دلی پتلی اور مازک مزاج ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی تھا۔۔۔۔۔ جب حضرت صفیہؓ ٹونٹ سے گریں تو آپ ﷺ نے آواز دی کہ ”اے انجلا! احتیاط کر، یہ شیشے ہیں۔“ عقل تو شیشہ گری ہے، نظر سے آ رہا ہوتا ہے۔ یہ دیکھنے والی چیز ہے اور بڑی خوبصورت ہے۔ عقل کو تو جب اللہ نے تخلیق کیا تو فرمایا: واجل میں نے کیا خوبصورت شے تخلیق کی۔“ عقل تو وہ شے ہے کہ جس پر اللہ نے ماز کیا۔ اب ظاہر ہے کہ ان دو بد بختوں کے بیچ میں تو عقل ختم ہو جاتی ہے۔

شیطان ایک جن تھا عقلمند، دانش مند اور بڑا ہی منتقلی جن تھا۔ بڑے تر دو اور محنت سے ملا و اعلیٰ تک رسائی حاصل کی۔ حضور خداوند پیچھا، رتبہ عالیہ سے نوازا گیا۔ عز ازل لقب پایا پھر اللہ نے اسے بھی وہ انسان دکھایا جو نیچے پھر رہا تھا۔ اللہ نے اسے proto type انسان نہیں دکھایا وہ روحانی وجود نہیں دکھایا وہ شرف آدم نہیں دکھایا یہ وہ انسان دیکھ رہا تھا جو زمین پر جسم کی شکل پارہا تھا۔ ”هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا“ (الذہر ۱: ۷۶) بلاشبہ زمین پر بے شمار عرصہ ایسا گزرا کہ انسان کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ اگر غور کرو اور آج ابتدائے انسان کی آپ شکل دیکھو تو وہ ایک چھوٹی سی جو تک تھا جو اس وقت مستعمل مزاجی سے کسی

گھاس کی اوٹ میں کسی الپائی کی شکل میں، ایک معمولی سے cell کی شکل میں، ایک نفس واحد کی شکل میں موجود تھا۔ کسی گیس کے volume میں تھا۔ مائکروایمڈ (amino acid) کر رہے تھے۔ اللہ سے بھلا چکا تھا کہ یہ تو ”صلصال کا الفخار“ ہے۔ بارشیں ختم ہوئیں۔ زمین سے پانی اُترا، وہ سوکھا، اوپر کچھ جما، کالا ہوا، ہڈیوار ہوا، اُس کا لے کچھ کے نیچے کی مٹی نرم تھی۔ اُس مٹی میں انسان کی پہلی جو تک پیدا ہوئی۔ اب بھی آپ کچھ اٹھا کر دیکھو تو آپ کو کئی جو تکیں نظر آئیں گی۔ یہ حیاتِ اول تھی۔ یہ انسان تھا آدم نہیں تھا۔ ”ہل اسی علی الانسان حين من الدهر لم يكن شياء مذكورا“ بلاشبہ برس برس ہمارے قریباً قرن، کم سے کم دو رب سال انسان اس عالم میں رہا کہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا مگر آدم تو بڑا قابل ذکر تھا۔ آدم کو تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے پیغمبریت بخشی۔ ”واذ قال ربك للملائكة اني جاعل في الارض خليفه“ آدم کا تو پہلا اعلان ہی خلافت کا تھا۔ یہ جانسان نہ تھا۔ پھر کیا تھا؟ ”انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج“ اب میں نے یہ single cell تھوڑا کرنا شروع کر دیا۔ اللہ بہت ہی کریم اور بڑا علم والا ہے۔ آج بھی اگر آپ پوچھو کہ یہ کس شکل میں تھا تو رب کہے کی قسم کہ اُس age کی مثال آج بھی ہم سب کے اجسام میں اس نے سلامت رکھی ہے ایسا کی شکل میں، پیرامیٹیا کی شکل میں۔ کون شخص ہے جسے زندگی میں کبھی dysentery نہیں ہوئی جو کہ اس کے جسم میں موجود antamoeba کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ”اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ“ اب میں نے چاہا کہ اس کا جوڑا بنا دوں، اس کا نطفہ تھوڑا کر دوں تو ہم نے اس کا نطفہ تھوڑا کر دیا۔ اب یہ جوڑا جوڑا ہو گیا۔ اب اس نے progress کی، مگر ابھی بھی وہ اس قابل نہیں تھا کہ اس کو انسان کہا جاسکتا کیونکہ ابھی تو وہ اندھا تھا۔ پتہ نہیں کس شکل میں تھا۔ نہ اس کی آنکھیں تھیں، نہ زبان تھی، نہ خیال تھا، نہ ذہن تھا، بس ایک مفروضہ تھا۔ پھر خدا وید کریم فرماتے ہیں کہ ”ثُمَّ لِيَسْـَٔلْہٗمِ نَارَ الْاَوَّلٰی“ اس کو آگے بڑھاؤں، جو میں نے اس کی processing شروع کی ہے، جو میں نے اس میں chip رکھی ہے اس کو آگے بڑھاؤں۔ ”ثُمَّ لِيَسْـَٔلْہٗمِ نَارَ الْاَوَّلٰی“ (۲:۷۶) اب میں نے اسے system دیا، سماعت کا system دیا، بصر کا system دیا، اسے Homo habilis بنا دیا۔ Homo erectus بنا دیا مگر ابھی عقل نہیں دی۔ مدتوں انسان اس طرح رہا جنگلی اور وحشی درندوں کی طرح، پھر ایک آخری stage آگئی اور مولا کریم نے فرمایا: ”اِنَّا هَدٰیہٗ السَّبِيْلَ“ (۳:۷۶)

اب میں نے تمہیں فضیلتِ علم بخشی، اہمیتِ علم بخشی، عقل و شعور بخشا تا کہ تم صرف ایک کام کرو کہ جب تم میں سے کسی کی آزمائش کی جائے تو میرے پاس واپس آنے سے پہلے اس سوال کا جواب ضرور دینا ”اِنَّا هَكَیْبَةُ السَّبِيلِ اِنَّا شَاكِرًا وَاِنَّا مُكْفُرًا“ (۳: ۷۶) کہ مجھے مانتے ہو یا نہیں مانتے، کیا تم نے مجھے جاننے کی کوشش کی تھی؟ غور کیا تھا؟ مجھے سمجھا تھا؟ کیا تم صرف بال بچوں میں کھو گئے اور تمہیں یہ یاد نہ رہا کہ یہ بال بچے میں نے دیئے ہیں۔ تم روزگار میں کھو گئے اور یہ نہ خیال کیا کہ روزگار میں نے دیا ہے۔ تم نے یہ ساری باتیں کیں اور تم نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اصل میں یہ سب کس کے ہیں۔ تم عزتیں ڈھونڈتے رہے، کیا تمہیں پتہ نہیں کہ ”قُلَانِ الْعِزَّةُ لِلّٰهِ جَمِیْعًا“ کہ تمام عزت میرے پاس ہے، یہ تمام اسباب میرے پاس ہیں جو میں نے تمہیں مہیا کئے ہیں، یہ ساری باتیں میرے پاس تھیں۔ پھر جس شخص نے یہ فیصلہ کیا، جس شخص نے یہ جان لیا اسے اپنے نفس کی تخریب کاری سے نجات مل گئی۔

شیطان کو خواہ اہل فراق بھی کہتے ہیں، بہت سے شعراء نے شیطان کو اپنا ہیرو بھی بنایا۔ مثال کے طور پر جان ملٹن (John Milton) نے اسے اپنا ہیرو بنایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے بناوٹ کی تھی۔ حضور خداوند بناوٹ کی، اشراف میں ٹھہرا اور ہیرو بن گیا۔ انسانوں نے ایسا سمجھا کہ یہ بہت بڑا مامور ہیرو بن گیا ہے مگر کس بات پر.....؟ کہ میں gases volume سے بنا ہوں، میں آگ کا بنا ہوں، میں شعلہ لگتی ہوئی آگ کا بنا ہوں، میں سموم سے بنا ہوا ہوں اور یہ انسان تھڑے ہوئے کچڑ سے بنا ہے، میں پاکیزہ تر مواد سے بنا ہوا ہوں؟ یہ تقاضا اس نے خدا کے حضور بھی کیا۔ اللہ نے کہا کہ کس چیز نے تمہیں میری اس تخلیق کا انکار کروایا۔ اس نے کہا کہ اے پروردگار میں اس سے تخلیق میں بہتر تھا۔ وہی حماقت جو آج ہم کر رہے ہیں۔ اُس نے یہ نہ سوچا کہ میری یہ تخلیق اللہ کی مہربان منت ہے۔ اللہ نے مجھے یہ تخلیق دی، اللہ ہی نے آدم کو یہ تخلیق دی، وہ کم فہم اور کم ذہن نکلا کہ اس تخلیق کو اپنا کر یڈے سمجھا، جیسے مال و متاع کو ہم اپنا کر یڈے سمجھتے ہیں، جیسے اسباب کو ہم اپنا سمجھتے ہیں، جیسے بال بچوں کو ہم اپنا سمجھتے ہیں۔ ہم یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ اول و آخر سانس اللہ کی ہے۔ اولاد اللہ نے دی ہے۔ شیطان الرجیم نے اس بات پر دعویٰ کیا تھا۔ خدا نے اسے راندہ درگاہ کیا مگر شیطان کو ابلیس بھی کہتے ہیں۔ شیطان بنیادی طور پر فطرت انسان میں ایک ”قلبس“ پیدا کرتا ہے جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ میں کچھ ایسی چیزیں ملا دوں گا جو اسے شرک کی طرف لے جائیں گی جیسے قوم یہود نے کیا کہ جب وہ جمہور اور بعلبک

سے گزر رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں کے مندروں میں بڑی شاندار مورتیاں پڑی ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم بھی اپنے مادیہ خدا کیلئے ایک ایسی ہی سونے اور چاندی کی مورتی نہ بنائیں اور پھر خدا کی لعنت اُن پر نازل ہوئی۔ یہ ایسی distractions create کرتا ہے ایسی چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہم سے کروانا ہے جو بظاہر ہمیں غلطی نہیں لگتیں۔ اسکا بڑا کام ہے قہلید..... شیطان سب سے زیادہ آپ کو قہلید کا پابند کرنا ہے۔ آپ کو یاد ہے کہ قرآن کیا کہتا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ اگر تمہارے پاس عقل و شعور ہوتا تو پھر تم شیطان کے پابند نہ ہوتے اور ہمیشہ اہل کفر نے یہ کہا کہ تمہارے آباء و اجداد بڑے سیانے تھے۔ ہم تو وہ کریں گے جو وہ کر گئے ہیں۔ شیطان کا پہلا کام ہے قہلید کرانا، بزرگوں کی غلطیوں کو جاری رکھنا۔ پورے زمانے کو کفر و اندیشہ میں اس لئے ڈال دینا کہ اگر پیچھے بڑا تکامل ہے تو میں اس سے بڑا تکامل ہوں یا پھر قدم بقدم اس کی قہلید۔

خواتین و حضرات! یاد رکھیے گا کہ یہ سہولتیں parental سہولتیں ہیں۔ خاندانی سہولتیں ہیں، بیوی بچوں کی سہولتیں ہیں، یہ پروٹوکول ہے۔ انکا مقصد کچھ بھی نہیں سوائے اس کے کہ مختلف لوگوں کو کوئی shape دے کر بھیجتا، شکل دے کر بھیجتا اور نہ اللہ کے نزدیک ”الْاَنْزِلُ وَالْاِزْدُ وَالْاِزْدُ وَالْاِزْدُ“ (۳۸:۵۳) (کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔) Every body is responsible for his ownself یہ عظیم بات ہے کہ شیطان کی اس جرأت کو کچھ شعراء نے درج کیا۔ انہوں نے سمجھا کہ وہ بہت بڑا ہیرو تھا۔ جس نے Tyrant of the sky کے خلاف بغاوت کی۔ ایک جملہ اپنی ادبیت کی وجہ سے بڑا مشہور ہے وہ میں آپ کی نذر کرنا ہوں۔

"Rise thou, fallen angel, it's better to reign
in the hell than to be a slave in the
heaven." شیطان اپنے ساتھ کے فرشتوں کو کہتا ہے کہ "اے گرے
ہوئے کروبی اٹھو! (کروبی اُس کے چھوٹے نائب کا نام تھا) کہ تخت
جنت میں جی سیای سے کہیں بہتر ہے کہ ہم تختِ دوزخ پر شہنشاہی
کریں".....

بہت سارے لوگوں نے شیطان کی بغاوت کے اس انداز کو heroic بنادیا اور لوگ اُس سے متاثر ہوئے کہ شاید اس تخریب کار جن نے بہت بڑے خدا کے سامنے resistance پیش کیا مگر ایسا

جتنا علم بڑا ہوگا اتنا ہی وہ شخص زیادہ معتدل ہوگا اور اتنا ہی اعتدال بڑا ہوگا۔ سواگر کوئی شخص پوچھتا کہ یا رسول اللہ ﷺ جادو کیا ہے؟ تو پھر آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ کیا بتاتے کیونکہ قرآن کی آیت کے بقول تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں اور تمہیں علم بھی نہیں ہے۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ کو علم نہ ہوتا کہ جادو کیا ہے؟ آئیے کیا ہے تو پھر آپ کو کیا بتاتے؟ یاس صاحب علم سے بعید تھا۔ اللہ نے ان کے باطن سے جادو گزارا اور بتایا کہ محمد ﷺ جادو یہ ہوتا ہے اس کے اثرات یہ ہوتے ہیں اور اس کا علاج یہ ہوتا ہے۔ جب حضور ﷺ سحر کی تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو سحر کی پوری definition ان کے علم میں تھی کہ سحر شیطان کے بہکاووں کا سب سے بڑا instrument ہے۔ ”وَمَا كَفَرُ مُسْلِمٌ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانِ كَفَرُ وَابْعَلُمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ“ (۱۰۴:۲) سلیمان کفر نہیں کرتے تھے، انہوں نے انکار خداوند نہیں کیا۔ وہ تو پیغمبر تھے مگر شیاطین کفر کرتے تھے۔ ”بُعَلِمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ“ غور کیجئے گا کہ ہمارے معاشرے کا رُخ کتنا پلٹا ہوا ہے۔ ہمارا معاشرہ سحر کو نہ صرف تسلیم کرنا ہے بلکہ اسے لکھنا اور جاننے کی کوشش بھی کرنا ہے اور تعویذ حب و بغض بھی دیتا ہے مگر قرآن کے مطابق یہ کس قسم کا کام ہے؟ ”وَلَكِنَّ الشَّيْطَانِ كَفَرُ“ شیاطین کفر کرتے تھے۔ کس چیز میں.....؟ ”بُعَلِمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ“ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ اب شیطان ذہن میں یہ سوال ڈالتا ہے کہ جادو کو سکھاتے تو فرشتے ہی نہ تھا..... باروت و ماروت چاؤ بائل پرپنس Hamorabi کے زمانے میں اترے جب بائل میں مطلق باغات کی تہذیب موجود تھی۔ یہ آج سے پانچ یا سات ہزار سال پہلے کی بات ہے اور حضرت اور لیں بھی اس زمانے میں موجود تھے۔ یہ فرشتے بڑے دعویٰ، عظمت لے کے زمین پر اترے اور آتے ہی گھیرے گئے اور جب وہ اس میں مبتلا ہوئے تو خدا کہتا ہے۔ ”وَمَا أَنْزِلُ عَلَيْكَ الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَا رُوثَ وَمَا رُوثَ“ (۱۰۴:۲) میں نے انہیں سحر سکھانے کیلئے نہیں اتارا، تمہیں غلامی ہوئی ہے۔ میں نے ان کو علم و حکمت کے تحت اتارا کیونکہ اس وقت تمام بائل تمام نینوا تمام میسو پوٹامیا (Mesopotammia) جادو اور سحر پر اعتقاد رکھتی تھیں۔ اس وقت علم نجوم چل رہا تھا۔ سحر چل رہا تھا، جادو چل رہا تھا۔ باروت و ماروت کے پاس لائن لگی ہوتی تھی مگر وہ فرشتے اللہ کے تھے نیکو کاروں میں سے تھے۔ وہ اللہ کے حکم سے آئے ضرور تھے مگر ایک جملہ ضرور کہتے تھے۔ ”وَمَا بُعَلِمْنَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا“ ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کو وہ یہ بات نہیں بتاتے تھے کہ ”إِنَّمَا نَحْنُ فَتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرُ“ کہ اے لوگو ہماری ان ٹیڑھی ترچھی ٹیکروں پر

اعتماد نہ کرنا۔ ”فَلَا تُكْفُرُوا“ جب تم process کا رخ موزوں ہو گے، قوتوں کا رخ موزوں ہو گے، جب زندگی کا مالک کسی اور کو قرار دو گے، جب تیاریاں جاوے گروں کے حوالے کر دو گے، جب رزق ان کے کہنے سے بند ہو جائیں گے تو پھر تم کفر کا ارتکاب کرو گے اور خدا کو نہیں مانو گے اور وہ سکھاتے کیا تھے؟ میاں بیوی میں لڑائی، ساس بہو میں لڑائی اور سب سے بڑا فساد جو یہ جھوٹات میں پیدا کرتے تھے کہ تعویذ حب دے رہے ہیں، تعویذ بغض دے رہے ہیں۔ ایک ظلم سامری تیار ہو رہا ہے۔ اسم اعظم بن رہے ہیں۔ یہ سارے کے سارے طریقے تھے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کا اثر ہوتا ہے۔ خدا نے ایک اصول دیا۔ ”وَيَنْفَعُ الْمُؤْمِنُ مَا يَنْفَعُ الْكَافِرَ وَلَا يَضُرُّهُمُ“ (۱۰۴:۲) تم وہ بات کیوں سیکھتے ہو جس کا کوئی ضرر ہے نہ کوئی فائدہ ہے۔ اگر ان کا ضرر بھی نہیں ہے فائدہ بھی نہیں ہے تو پھر ہونا کیا ہے؟ اللہ کے کہنے کے مطابق تعویذ کا، جادو کا نہ کوئی ضرر ہے نہ کوئی فائدہ مگر جب تم حاکمیت change کر لو گے تو فائدہ اور نقصان ہونا شروع ہو جائے گا۔ جب تم جزا و سزا کا مالک change کر لو گے، نفع کا مالک change کر لو گے، زندگی اور موت کا مالک change کر لو گے تو پھر تمہیں نقصان ہونا شروع ہو جائے گا۔ ”وَمَنْ يُعَشِّ عَنْ ذِكْرِ الْوَحْشِ“ کہ جو رحمان کے ذکر سے غافل ہو جائے گا اس پر شیطان کو غلبہ مل جائے گا۔ ”فَهُوَ لَهُ قَرِيبٌ“ اور وہ اس کے قریب رہتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ طسحر سے آزاد ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج مجھے آسمان کے نیچے سے دو جھکدار آیا تے دافع سحر عطا ہوئی ہیں، سورۃ الناس اور سورۃ الفلق۔ یہ دونوں دافع سحر ہیں۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں سحر ہوا ہے وہاں آجوں کو پڑھ کر ٹھیک کیوں نہیں ہوتے۔ لگتا تو ایسا ہی ہے کہ کسی پر سحر ہوا، اس نے الناس پڑھ لی، فلق پڑھ لی تو سحر سے آزاد ہو گئے مگر ایسا ہونا نہیں ہے۔ خواتین و حضرات یہاں نفس اور شیطان دونوں کا گزارا ہوتے ہیں۔ نفس آپ کے اندر recurrent aggression (بار بار نہ بگڑا رہتا) پیدا کرتا ہے۔ بار بار لوٹنے والا ایک سوال پیدا کرتا ہے۔ اے آپ psychosis کہہ سکتے ہو یا ڈپریشن کہہ سکتے ہو اس لیے کہ یہ آپ کو امید سے منقطع کرنا ہے اور آپ کو خطا کا احساس دیتا ہے۔ آپ کو guilt کا احساس دیتا ہے۔ آپ کو بتاتا ہے کہ تم اتنے گنہگار ہو کہ خدا آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ خدا کہتا ہے ”بَلِّغُوا إِلَى الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ“ (۵۳:۳۹) کہ دیکھو میرے بندو تم نے بڑے گناہ کئے بڑی خطائیں کیں تم اپنے آپ کو کیا پہنچانے لگتے ہو؟ گناہ کتنا عرصہ کیا ہو گا؟ جتنے بھی گناہ کر لو مگر ایک

بہت بڑا گناہ نہ کر بیٹھنا ”لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ اللہ سے مایوسی سب سے بڑا کفر ہے۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ اقول و آخر سب سے بڑا گناہ ہے۔ یہ کتنا بڑا گناہ ہے کہ میں اپنے 60, 50 اور 70 برس کے گناہوں کو اربوں اور کھربوں سالوں کی اللہ کی رحمت سے بڑا سمجھتا ہوں اس سے بڑی خطا کیا ہو سکتی ہے؟ میری حماقت اس سے بڑی اور کیا ہو سکتی ہے اللہ کا جو institution of rahmat (رحمت کا قانون) ہے وہ کھرب ہا کھرب سالوں پر مشتمل ہے اور میری خطا 60, 50 سال کی ہے۔ اگر آپ کوئی average بنا سکتے ہیں تو بتا دیجئے کہ میری خطا کی کیا حیثیت رہ جائے گی اس لیے خدا کہتا ہے کہ تم بڑی بڑی حماقتیں کرتے ہو مگر سب سے بڑی حماقت کی بات یہ ہے کہ ”لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ اللہ سے مایوسی سب سے بڑا کفر ہے۔

سب سے پہلی جہلت جس کا میں نے ذکر کیا وہ ”س بقا“ ہے اور باقی جہلیں اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ شیطان ایک خارجی ٹکڑے کا سربراہ ہے اور اس کا تخت پانی پر ہے۔ جب اللہ نے پانی کو چھوڑا تو اس کے قہقین نے پانی پر قبضہ کر لیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ برمودا ٹریگن (Bermuda Triangle) اس کا ناج محل ہے۔ لگتا تو یہی ہے کہ اُس پر جنات ہی براجمان ہیں۔ تبھی اس کی secrecy (اسرار) کبھی کسی کی سمجھ میں نہیں آئی اور بے چارہ انسان، اللہ کا بندہ، خلیفہ اللہ فی الارض، اپنے ان غلاموں سے اکثر مار کھا جاتا ہے۔ اگر اللہ آپ کے ساتھ ہوا خلاص آپ کے ساتھ ہو تو اللہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا جو پہلی بات میں نے آپ سے کی کہ شیطان نے کہا کہ اے پروردگار میں دائیں سے آؤں گا، میں بائیں سے آؤں گا، میں اوپر سے آؤں گا، میں نیچے سے آؤں گا، میں ہر حال میں انسان کو گمراہ کروں گا تو شیطان کو اللہ نے کہا کہ اے بد بخت میں نے حیر اور تجھے follow کرنے والوں کا حصہ لکھ دیا ہے مگر تم ایسا نہ رکھو کہ تو کبھی اُس شخص کو نہیں دھوکہ دے سکے گا اور کبھی اُس شخص کو تو بھکا نہیں سکے گا جس کے دل میں میرے لئے ایک ذرہ ہر ایمان خلاص بھی ہوا۔ ”إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ“ کہ اگر اک ذرہ برابر بھی اخلاص خواتین و حضرات آپ کے دل میں اللہ کیلئے ہے حدیث قدسی ہے، رسول اللہ نے فرمایا کہ جس کی آنکھ سے میرے (اللہ) لئے ایک آنسو بھی نکلا، اُس پر ہمیشہ کیلئے مار دوزخ حرام ہے۔ اگر یہ ایک آنسو نہیں نکلتا تو کوشش فرمائیں کہ خدا کا رسوخ دل میں آئے، مذہب سے اللہ کو حاصل کرنے کی کوشش کیجئے، اور یہی ایک طریق فکر مذہب میں رائج ہونی چاہئے افسوس کہ یہ امت خرافات میں کھو گئی۔ ہم کتاب میں کھو گئے اور مقصد مذہب جاننا رہا، اللہ ہم سب کو توفیق

دے کہ مذہب کی غایت تک پہنچیں اور اگر واقعی ہم نے خدا کو ماننا ہے تو خدا کو محبت کے بغیر نہیں مانا جاسکتا۔ ہم اس کے انس کی یاد رکھیں، ہم اس سے دوستانہ تعلق رکھیں، بندگانہ اور مودبانہ تعلق رکھیں۔ محبت اور انس پہلے ہمیں خدا ہی نظر آئے جیسا اللہ نے خود کہا: ”فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ“ مجھے ایسے یاد کرو جیسے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو۔ ”وَأَشَدُّ ذِكْرًا“ ذرا زیادہ یاد کر لو۔ خدا کا کہنا یہ ہے کہ محبت کا صرف ایک امتحان ہے اور وہ امتحان تمہیں اس وقت پتہ چلے گا جب تم تنہائی میں مجھے یاد کرو گے۔ آپ کو اسی سے زیادہ محبت ہوتی ہے جسے آپ تنہائی میں زیادہ یاد کرتے ہو۔

سوال و جواب

سوال: الہام اور شیطان کے وسوسے میں فرق کیسے تمیز کیا جاتا ہے؟

جواب: خواہمیں و حضرات! ایک سادہ سی مثال سے آپ کو واضح کر دوں: سید جھوٹے نے ایک واقعہ اپنے مرشد کے بارے میں لکھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان کا وسوسہ کیسے صورت حال کو تبدیل کرنا ہے۔ ”مرشد کے ساتھ ان کے ایک مرید چل رہے تھے۔ دونوں نکلے پاؤں تھے۔ مرید کے گلے میں گرم گلو بند تھا۔ مرید کے دل میں آیا کہ میں یہ گلو بند اتار کے اپنے شیخ کو پہنا دوں۔ تھوڑی دیر بعد پھر خیال آیا کہ بھلا وہ زمانے کا اتنا بڑا مرشد ترکیدہ باطن میں بے مثال وہ میری Offer (پیشکش) کہاں قبول کرے گا۔ تھوڑی دور اور آگے گئے تو اس نے کہا یا شیخ و مرشد الہام میں اور وسوسہ شیطان میں کیا فرق ہے تو آپ نے فرمایا جو پہلے تھا وہ الہام تھا اور جو بعد میں آیا تھا وہ وسوسہ شیطان تھا۔“ تو اصل میں شیطان Change کرنا ہے۔ اگر آپ نے اچھی نیت کی اور اچھی نیت پر آپ نے فوری عمل کر دیا تو یہ اللہ کی طرف سے الہام ہے اور اگر ذرا بھی delay کرو گے تو یہ آپ کے ارادے کو تبدیل کر دے گا۔ شیطان اور self میں یہ فرق ہے کہ یہ جگہ تبدیل کر لیتا ہے ارادہ تبدیل کر لیتا ہے delay cast کرنا ہے۔ اب آپ خود غور کیجیے کہ صبح جب آپ سنتے ہو کہ ”الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“ (نماز نیند سے بہتر ہے) تو آپ حضرت عمر فاروقؓ سے سوال کر سکتے ہو کہ بھلا سونے ہوئے بھی کبھی جاگتے ہیں۔ اگر ایک آدمی سویا ہوا ہے تو آپ امیر المؤمنین سے سوال کر سکتے ہیں کہ سونے ہوئے کو بھلا کہاں آواز آئے گی۔ اگر اس نے پہلی اذان نہیں سنی تو یہ کیسے سنے گا کہ: ”الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“ دراصل بیان لوگوں کیلئے ہے جو جاگ تو جاتے ہیں مگر بستر میں شیطان انہیں تسال میں ڈالتا ہے اور وہ کروٹیں بدلتے رہتے ہیں تو امیر المؤمنین کے بارے میں ویسے ہی رسول ﷺ کی حدیث ہے کہ ”صمّٰرٌ سے شیطان بھاگتا ہے۔“ آپ کو یاد ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے پاس کچھ بچیاں کوئی گیت گارہی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لائے۔ وہ بچیاں گاتی رہیں اپنے شغل میں مشغول رہیں پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمرؓ تشریف لائے تو ساری بچیاں اٹھ کر بھاگ گئیں تو حضور ﷺ بیٹھے اور کہنے لگے کہ شیطان عمرؓ سے بھاگتا ہے۔ یہ برا کام نہیں تھا مگر حضور ﷺ کی Statement یہ ہے کہ ابو بکرؓ آئے تو بھی شغل میں گئی رہیں مگر جو نبی عمرؓ آئے تو وہ ڈر کے بھاگ گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان عمرؓ سے ڈرتا ہے۔ یعنی اس میں تھوڑا سا Element تھا۔ ”الْغِنَاءُ مُقَدِّمَةُ الزِّنَا“ غناء میں کچھ

element ضرور ہوتا ہے بہکاوے کا مگر عمر گود کچھ کرو، بھی بھاگ گیا حالانکہ حضرت عمرؓ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ وہ ان سے ناراض ہو کر تپا غصہ کرتے۔ اسی حوالے سے حضرت عمرؓ کے بارے میں آپ کو ایک دوسری بات بتانا ہوں۔ علامہ طحطاوی نے حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا کہ وہ اونٹ پر سوار تھا اور عرب کا ایک مشہور گاما گار ہے تھے۔ ان کی آواز بڑی اچھی تھی۔ آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں، اتنی اچھی آواز تھی کہ لوگ کٹھے کٹھے ہوا شروع ہو گئے حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ بہت سے لوگ کٹھے ہو گئے ہیں اور ان کا گاما سن رہے ہیں تو آپ نے Change کر کے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ جب قرآن پڑھنا شروع کیا تو لوگ آہستہ آہستہ بکھرنا شروع ہو گئے۔ ہو لے ہو لے سارے بھاگ گئے۔ تو بڑی مگنی سے حضرت عمرؓ نے کہا کہ آسمان تمہاری ماؤں کو روئے۔ میں گاما گاما ہوں تو تم بھاگے چلے آتے ہو قرآن پڑھنا ہوں تو بھاگ جاتے ہو۔۔۔۔۔ تو یہ ہر زمانے میں ہوتا ہے جسے ہم ’ہوا‘ کہتے ہیں جو Fashionable Tendencies ہیں۔ یہ شیطان کا ترغیبات نفس کا سب سے موثر حلقہ ہوتا ہے۔ غنا ہو، موسیقی ہو، تصویر کشی ہو یا تصویر بنی ہو۔ یہ اس وقت تک خطرے کا باعث نہیں گئی جب تک آپ اپنے فرائض پورے نہیں کرتے۔ اگر انہوں نے آپ سے فرائض چھین لئے تو یہ یوں دلعب ہے۔ اگر انہوں نے آپ سے فرائض نہیں چھینے تو ان کا کوئی قصور نہیں۔ اب میں آپ کو ایک بات بتاؤں کہ کہاں سے شیطان شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم ہوتا ہے آپ کہتے ہیں کہ ٹیلی ویژن دیکھنا برا ہے۔ بعض اوقات ہم extra قوتی اپنے اوپر وارد کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو بے جا سختیوں میں ڈال دیتے ہیں۔

اب جو میں واقعہ آپ کو بتا رہا ہوں اس کے بارے میں غور کیجئے گا۔ ٹیلی ویژن ایک دور درشن ہے۔ اس کو کہتے ہی دور درشن ہیں، دور درشن کا مطلب ہے کہ A vision from a distance کوئی دور امریکہ یا یورپ میں بیٹھا ہو آپ کو ایک vision دے رہا ہے، آپ اس تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ آپ اس کے قریب نہیں جاسکتے۔ وہ کبھی آپ کے پاس نہیں آسکتا۔ وہ ایک دور دراز کی بات ہے۔ یہ جو واقعہ میں آپ کو سنائوں گا یہ ذرا قریب کی بات ہے کہ مسجد نبوی میں تماشا کرنے والے آئے، کھیلنے کودنے والے مداری آ گئے۔ آپ کو پتہ ہے کہ اس وقت وہ سارے نکلے مگلے ہوتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دیکھا تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ عائشہ کیا تم انہیں دیکھنا چاہتی ہو۔ فرمایا: ”یا رسول اللہ! ہاں؟“ فرمایا: ”میرے شانے کی اونٹ سے دیکھ لو“۔ پھر آپؐ نے دیکھا، بڑی دیر تک دیکھا۔ بڑی دیر کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا

کہ عائشہؓ کیا جی بھر گیا۔ فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ! جی بھر گیا۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”اب اندر چلی جاؤ۔“ یہ live show تھا۔ یہ حدیث live show پر ہے۔ مسجد نبوی میں show کھیل کود ہے۔ گولے پھینکے جا رہے ہیں جتنا سنگ ہو رہی ہے اور وہ سب ام المؤمنین حضور ﷺ کے پیچھے سے دیکھ رہی ہیں۔ گانے کے بارے میں بھی آپ کو بتایا کہ عمر فاروقؓ خود گانا گاتے تھے اور لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ اصل میں تمام فسق و فجور اس وقت built ہوتا ہے جب آپ لوگ اللہ کی priority سے، اللہ کے احکامات سے غفلت کرتے ہیں۔ اگر اللہ نے آپ کو generosity کا حکم دیا ہے، hospitality کا حکم دیا ہے مگر کوئی مہمان گھر میں آئے اور آپ ٹی وی پر وگرام ہی نہیں چھوڑ رہے ہو۔ اتنی بدتمیزی و بد اخلاقی ہے کہ لوگ آنے والے مہمان کو اس لیے کہتے ہیں کہ آج تو فلاں پر وگرام لگنا تھا۔ یہ کہاں آ کے میرے سر پر بیٹھ گیا ہے تو جب آپ اپنی اچھی values کو فروغ دے کر غفلت نہ کریں تو یہ آپ کیلئے خطرے کا باعث نہیں ہے مگر جب آپ کے احکام شریعہ، احکام انسانیت اور حقوق العباد کی چیزیں متاثر ہوئی شروع ہو جائیں تو یہ اسباب لب و لعب بن جاتے ہیں۔ اچھا شعر ہو، اچھا گانا ہو، اچھا کھیل کود ہو، اچھا ڈرامہ ہو، اچھا قصہ کہانی ہو یہ سب اسی ضمن میں آتے ہیں اور یہ حضرت یوسفؑ کا قصہ محبت کا قصہ ہے مگر اس میں بھی حضرت یوسفؑ نے فرمایا: ”وَمَا أُبْرِئِي نَفْسِي“ (اے اللہ! نفس سے کوئی بری نہیں) ”إِنَّ النَفْسَ لَا مَارَءٌ بِهَا السُّوءَ إِلَّا مَارَ جَمِّ رَبِّي“ (یہ تو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے۔ ہاں اگر تو رحم کرے اور ہمارے فرائض میں غفلت نہ ہو) ہمارے اصل کردار اور رزق میں غفلت نہ ہو۔ ”إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ“ (تو تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔)

اس ساری discussion میں ایک بات رہ گئی کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ معتزلہ نے قرآن کو خدا کا کلام نہیں جانا۔ ماسون کے دور بار میں یہ حکم تھا کہ جو شخص بھی یہ کہے گا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اس کی گردن ماری جائے گی۔ احمد بن حنبل باوجود کوشش کے کوئی دلیل نہیں لاسکے۔ وہ سختی سے اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے مگر اپنے موقف کی تائید کیلئے ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ ”لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ“ (جو ہلاک ہو او وہ دلیل سے ہلاک ہوا) ”وَبِيعْشَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ“ (جو زندہ ہو او وہ دلیل سے زندہ ہوا) عین اسی وقت شیخ عبدالعزیز بغداد میں داخل ہوئے اور انہوں نے اپنے بچے سے کہا کہ اعلان کرو کہ قرآن خدا کا کلام ہے کسی بندے کا کلام نہیں تو لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ کیا بیوش میں ہو، کیا کہہ رہے ہو۔ سب ان کو

پکڑ کر مامون کے دربار میں لے گئے۔ مامون کے دربار میں جو مناظرہ ہوا اس میں معتزلہ نے جو دلیل پیش کی وہ بڑی دلچسپ ہے۔ انہوں نے قرآن کی یہ آیت پیش کی:

”خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدْهُ“ (انعام: ۱۰۲)

معتزلہ نے کہا کہ ”قرآن خدا کا کلام نہیں ہے کیونکہ اللہ اس آیت میں کہتا ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا نگہبان ہے۔ پھر سورۃ ق میں کفار کے منہ سے اُس نے نکلایا کہ ”هَلْأَشْيءٌ عَجِيبٌ“ (ق: ۲) (یہ تو بڑی عجیب بات ہے جو ہم نے سنی۔) تو وہاں قرآن کو شے کہا گیا ہے۔ چونکہ قرآن ’شے‘ ہے اور اللہ ’خالق‘ ہے تو شے ’مخلوق‘ ہوئی۔ اسلئے یہ اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اب اُس کے جواب میں حضرت شیخ عبدالعزیزؒ نے جوابات کی وہ بڑے مزے کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن حکیم میں اللہ نے کہا ہے کہ ”وَيُحْيِي دُكُومُ اللَّهُ نَفْسَهُ“ اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈرانا ہے اور پھر یہ کہا کہ ”كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ (ہر نفس کو موت آتی ہے) کیا تم اس سے اتفاق کرتے ہو کہ اللہ کو موت ہے۔ اب معتزلہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور اس دلیل کے بعد یہ مسئلہ ’خلق قرآن‘ ختم ہوا اور مامون نے بھی سرکاری سرپرستی سے اسے نکال دیا۔

سوال: وجہ تخلیق شیطان کیا تھی اور کیا شیطان کو پیدا کئے بغیر اللہ کا نظام نہیں چل سکتا تھا؟

جواب: چل سکتا تھا، اب بھی چل رہا ہے۔ اگر آپ غور کرو تو شیطان کو آپ نے تو نہیں دیکھا ہوا مگر یہ ہمارا حصہ ہے۔ اگر آپ intellectual ہو جاؤ اور آپ انسان کو جب تقسیم کرو گے تو آپ کسی خارجی شیطان کو نہیں مانو گے۔ آپ کو پتہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ ایک نفس وہ ہے جسے ہم نفس ہوامہ کہتے ہیں جو لامتناہی کرنے والا ہے یا عقل ہے۔ ایک نفس قنارہ ہے جو حکم دیتا ہے۔ ایک تیسرا نفس ہے جو شیطان کی طرح ہمیں مشاورت دیتا ہے تو اگر آپ شیطان نہ بھی مانو تو بھی انسان کی شیطنت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم پھر بھی ایسے ہی رہیں گے۔

سوال: انسان اپنی بہت ساری غلط حرکات کا التزام شیطان کے سر پر لگا دیتا ہے جن تک شاید شیطان کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا تو کیا یہ ہم انسانوں کی شیطان کے ساتھ زیادتی نہیں؟

جواب: بہت خوبصورت بات کی ہے شاید اسی پر اقبال نے کہا تھا:

المیس کے فرزند ہیں ارباب سیاست

باقی نہیں اب میری ضرورت کہیں افلاک

یہ میرا پنا خیال ہے میں تھوڑا سا scientific انداز میں سوچنے کا قائل ہوں چونکہ اللہ خیر و شر

دونوں کا خالق ہے مگر اُس نے جو dictate کیا جو ہدایت دی وہ خیر کی دی مگر اپنی طرف سے اللہ نے یہ نہیں چاہا کہ انسان کو برائی کا حکم دے۔ یہ اللہ کا نفاذِ ذوق ہے، یہ اللہ کی قدرِ خلاق ہے کہ اُس نے چاہا نہیں کہ میں شر کی تخلیق کے باوجود شر کے احکام دوں، یا اُس نے نہیں چاہا۔ جب اُس نے شیطان کو دیکھا اور پرکھا تو اس کو اُس نے شر کے تمام attitudes دے دیئے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ انسانوں سے بہتر نہیں جانتا۔ اس وقت بھی چار ب لوگوں کی فائلیں اُس کے دفتر میں موجود ہیں۔ وہ اتنا unscientific نہیں جتنا آپ سمجھتے ہو۔ آپ کی پوری پوری فائلیں کی فائلیں اُس کے پاس موجود ہیں۔ جب وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ محمد شریف صاحب آئے ہیں تو کہتا ہے کہ اسکی اگلی پچھلی ساری فائلیں لے آؤ۔ پیسے سے نہیں قاپو آئے گا، رعب سے نہیں قاپو آئے گا، اُسامہ کے ہاتھ نہیں آئے گا، وہ بھی وہ چیز نکالتے ہیں جہاں پر اُس کی فائلیں genetically کمزور پڑیں۔ اس سے بڑی scientific چاب وہ کر رہا ہوتا ہے۔ اُس کے پورے دفتر ہیں۔ اُس کے نیچے ہزاروں لاکھوں شیطین ہیں۔ وہ ہر آدمی کا حساب maintain کرنا ہے اور جہاں اس کو بہکانے کا موقع ملے وہ بہکانا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ صرف ایک فرشتہ رکھا ہوا ہے؟ میں اس کی مثال آپ کو دیتا ہوں کہ ایک خیال بغیر کسی دوسرے خیال کے کبھی نہیں آیا۔ وہ اپنا ایک پورا پیکٹ پھیلتا ہے۔ وہ ایک پورا سلسلہ آپ پر پھیلتا ہے۔ ایک procedure آپ پر پھیلتا ہے۔ Technically he is faster than scientist. بہت بڑا negatory کا سامنا ہے اور بڑے بڑے عالم اس کے نیچے سے بچ کر نہیں نکلتے۔ اسے جنید بغداد کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔ آپ کو پتہ ہے کہ جنید بہت بڑے عالم تھے۔ شیطان کو پتہ ہے کہ عالمِ طہارت کے دعویٰ سے خوش ہونا ہے تو اس نے جنید کو ظلم میں الجھانا چاہا۔ اس نے کہا: ”جنید تو مواحد ہے، اگر تجھے آج کہا جائے کہ خدا کے علاوہ کسی اور کی پرستش کرو تو کیا تو مان لے گا“ جنید کہتے ہیں کہ میں بری طرح بچس گیا..... میں نے کہا کہ نہیں تو شیطان نے کہا کہ ”بتا پھر میں کیسے مان لیتا“۔ آپ نے دیکھا کہ اس جملے میں کیا ہے He just wanted to confuse him. اور کچھ نہیں۔ اُس نے جنید پر غلبہ بھی پانا تھا۔ اس کو ایک mental dialectic (جدلیات و ذہن) سے بھی آشنا کرنا تھا اور جنید سوچتا رہ گیا کہ شیطان نے ایسی بھی بڑی غلطی نہیں کی کہ اللہ کی بات نہیں مانی..... پھر الہام خیر ہوا، پھر الہام غیب ہوا اور فرشتے نے آواز دی ”یہ جو کہہ رہا ہے کہ میں غیر اللہ کو کیسے سجدہ کر لیتا تھا اس سے یہ پوچھ کہ تو جو خدا کے حضور

میں کھڑا تھا تجھے غیر اللہ نظر کیسے آئے؟ اس سے پوچھ کہ تجھے خدا کے سامنے کھڑے ہو کر خدا کا غیر
نظر کیسے آیا۔“ اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ بتاؤں کہ خوبہ نظام صبح سویرے اٹھے، خوبہ خسرو ان سے
ملنے گئے دیکھا کہ مرشد کی ٹوپی میز جمی ہے۔ باہر نکلے تو اپنی ٹوپی بھی میز جمی کر لی۔ مریدین نے جب
دیکھا کہ یہ تو نقشہ ہی بڑا عجیب سا ہے تو انہوں نے بھی ٹوپی میز جمی کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ
دلی میں گئے۔ لوگوں نے کہا کہ آج تو بڑے ہانکھن سے چل رہے ہو سارے لوگ سب نے ٹوپی
میز جمی کر لی ہے۔ آخر کسی سیانے نے ہمت کر کے پوچھا اور چلتے چلتے خسرو کے پاس پہنچے اور
پوچھا کہ حضرت یہ آج آپ نے کیا شروع کر دیا تو انہوں نے کہا کہ
میں قبلہ راست قدم برطرف کج کلاہ

میں نے قبلہ اپنے کج کلاہ کے سبب درست کیا تھا مگر تمہارا گل ہو گئے جو مجھے follow کر رہے ہو تو
یہ بڑی عجیب بات ہے کہ شیطان کو خدا کے سامنے اپنی ذات نظر آ گئی اور اللہ نظر نہیں آیا، حکم نظر نہیں
آیا، خالق و مالک نظر نہیں آیا۔

اسی ضمن میں میں اپنا ایک واقعہ سناتا چلوں۔ یہ عرف academics والے لوگوں
کیلئے ہے۔ گزشتہ دنوں کے دنوں میں میں نے ایک شیطان کو اپنے بڑا قریب پایا۔ اگر آپ کی حسیں
ذرا تیز ہوں تو آپ اس کو محسوس کر سکتے ہیں۔ وہ میرے ساتھ ساتھ چلتے لگا تو میں نے ایک
نیا خیال پئے ذہن میں پایا کہ کوئی مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ ”پروفیسر صاحب! ما زائے اللہ کے،
بڑی دوستی کے دعوے تھے، بڑی محبت کی ہے۔ یہ حشر کرنا ہے وہ دوستوں کا۔۔۔۔۔ اب بھی اُسے مانو
گے؟ اب بھی اُسے چاہو گے؟ دیکھ لیا حال اپنا۔۔۔۔۔“ سخت گرمی سے برا حال تھا۔ غصہ مجھے پہلے
ہی شروع ہے، پیچھے سے جڑھا ہوا تھا، اوپر سے بار بار یہ آواز آ رہی تھی۔ میں مسلسل اس کی یہ
بات سن رہا تھا۔ تھوڑا آگے چل کر میں ٹھہر گیا۔ میں نے کہا:

”یار بات سن مجھے یقین ہے کہ تو میری بات سنتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر تو کوئی پاور (طاقت) ہوتا یا
حیرے پاس کوئی طاقت ہوتی، تو گاڑیاں فضا میں اڑا سکتا، گولے برسا سکتا، آسمان بدل سکتا زمین
change کر سکتا یا اگر تو میرے حالات ہی بدل سکتا تو تو کمزور بھی ہوتا تو میں حیرے ساتھ
ہوتا۔ تو اللہ سے کمزور بھی ہوتا۔۔۔۔۔ مگر تو پارٹی تو ہوتا۔۔۔۔۔ تو میں حیرا ساتھ دیتا۔۔۔۔۔ مگر افسوس! کہ
تو مجھ سے بھی گیا گزرا ہے۔ اویار! میں اپنے کسی خیال کو کوئی صورت تو دے سکتا ہوں اور تجھے کسی
خیال کو عمل کی شکل دینے کیلئے پھر میری ضرورت پڑے گی۔ میرے بغیر تو کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔

اے بزدل! خبیث! اب چل بھاگ یہاں سے۔۔۔۔۔“

اسکا یہ داؤ نہیں چلا۔ یعنی وہ اس قسم کی باتیں بھی آپ کے ضمیر میں ڈالتا ہے۔ یہ عموماً شکری دینا چاہتا ہے۔ یہ بندے کو اللہ سے ہر حال میں جدا کرنا چاہتا ہے۔ خدا سے مایوس کرنا چاہتا ہے۔ اس کا اور کوئی کام نہیں ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ یہ بڑا ہی ذہین ہے مگر آپ کی ذہانتوں سے اس کا معیار کم ہے۔ یہ یاد رکھیے کہ اللہ نے آپ کو بہت بہتر عقل دی ہے۔ بہت بہتر فکری ہے۔ آپ جان بوجھ کر اس کے ساتھی بنے ہو، یہ آپ کو نہیں برکا سکتا۔ آپ کا نفس اس کا شریک ہوتا ہے۔ آپ کی حیوانی جبلت اس کی شریک ہوتی ہے اس لیے اللہ نے کہا کہ وہ تم کو دیکھ لیتا ہے مگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے مگر پھر اس کا کیا کریں کہ دو دشمن اور ایک اکیلا انسان۔ اس کا صرف ایک حل ہے کہ آپ اللہ پر اعتبار کرو اور اس کا یقین رکھو۔ خدا کہتا ہے کہ اس کے ہر حملے کے جواب میں میں تمہیں تحفظ دوں گا بشرطیکہ تم مجھ پر اعتبار کرو۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس کے خیالات سے انسان کے خیالات تیز ہیں مگر ہیں اسی شاخ سے اگے ہوئے۔

سوال: یہ جو اتنے لوگوں کی نماز رہ گئی ہے اس میں انسان کے نفس کا کمال ہے یا شیطان کے غضب کا کمال ہے؟

جواب: عشاء نہیں رہا کرتی، ایک تو میں رستے میں دونوں پڑھ آیا ہوں۔ آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں رستے میں دونوں نمازیں سفر کی پوری کر آیا ہوں۔ جب آپ تک پہنچا تو میری نمازیں پوری تھیں اور میں یہ کہہ رہا تھا کہ غیبت ہے کہ یہ رستہ خراب ملا اور دیر سے ملا چلو ہماری سفر کی نماز ہو گئی۔ قرآن کی دو آیات کو ذرا غور سے سن لیں کہ جب یہ آیت اتری: ”اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي“ کہ اللہ کا ذکر قائم کرو یا میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہوا کہ نماز جب ملے پڑھ لیا کرو تو اس سے اصحاب رسول ﷺ کو اتنی خوشی نصیب ہوئی کہ سب لوگ اس آیت کا بڑا احترام سے ذکر کرتے تھے کہ میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو۔ اس کی وضاحت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب ملے نماز پڑھ لیا کرو“۔ (اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ کسی مسجد میں امام کے ساتھ پڑھنے نہیں گئے مگر اب بھی چاہے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہو) اب تیسری بات کہ حضور ﷺ ایک آدمی شب کو نکلے اور عشاء پڑھائی اور اصحاب رسول ﷺ سے فرمایا کہ اگر مجھے تم پر سختی کا گمان نہ ہوتا تو میں کہتا کہ عشاء تم اس وقت پڑھا کرو یعنی نصف شب کو۔ (ابھی آپ نصف شب تک نہیں پہنچے)

سوال: بعض انسانی جبلتیں بار بار دہرائی جاتی ہیں مگر انسان ہر بار مذمت و پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے آئندہ ان سے بچنے کی کوشش تو کرتا ہے مگر پھر بھی غلطی ہو جاتی ہے؟

جواب: اصل میں توبہ کو بڑے مبالغہ آمیز انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ تو بایک physical action نہیں ہوتا، ایک mental decision ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ آپ اس mental decision کو ایک ہی وقت میں پورا کر دیں۔ حضرت امام جعفر صادق کا قول مبارک ہے کہ ”توبہ آسان ہے ترک گناہ مشکل ہے“ اس لئے کہ بعض لوگ ایسے الکوحلک ہیں جو شراب سے توبہ کرنا چاہتے ہیں مگر الکوحلک ہونے کی وجہ سے شراب ان کی ایسی ضرورت بھی بن چکی ہے کہ یہ توبہ رفتہ رفتہ ہی جائے گی یا اسے چھوڑ کے وہ ویسے ہی مر جائیں گے جیسے ہیرن کے cases ہیں اور اسی طرح باقی عادات ہیں۔ نفس (self) چونکہ مستقل اور متوازن و متواتر جیسا کہ جب کسی عادت کو پالنا ہوتا ہے تو توبہ بڑی مشکل ہوتی ہے۔ مگر توبہ بنیادی طور پر ایک ہنی فیصلہ ہے جب آپ ایک ہنی فیصلہ کر لیتے ہو تو خدا آپ کو معاف کر دیتا ہے اور اگر آپ پھر خطا کرتے ہو تو پھر معاف کر دیتا ہے۔ پھر خطا کرتے ہو پھر اور شدت سے معاف کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے ہنی فیصلے میں خلوص ہے۔ آپ عادت نہیں چھوڑ سکتے مگر آپ کے ہنی فیصلے میں sincerity ہے۔ آپ چاہتے ہو کہ آپ اسے چھوڑ دو۔ خدا گواہ ہے کہ آپ کی Judgement آپ کے باطن میں اتر آئے گی۔ ایک حدیث رسول ﷺ ہے کہ ایک شخص نے زندگی بھر کوئی اچھائی نہیں کی صرف گناہ کیے تھے تو جب وہ مرنے لگا اور اس نے دیکھا کہ اس کے مامہ ماعمال میں ایک بھی نیکی نہیں ہے تو اس نے اولاد کو حکم دیا کہ میری لاش کو جلا دینا یا کسی ریگزار میں پھینک دینا۔ جب وہ مر گیا تو اللہ نے ہر چیز کو حکم دیا کہ جو جو اس کے اجزاء تم نے لیے تھے وہ انیم کی شکل میں واپس کر دو۔ جب وہ واپس آئے تو دوبارہ انسان بن گیا پھر اللہ نے کہا کہ بھائی سمجھ نہیں آتی کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا۔ اس نے کہا کہ اے مالک و کریم میں تجھ سے ڈرتا تھا۔ اللہ نے کہا کہ تو مجھ سے بہت ڈرتا تھا کیا تجھے پتہ تھا کہ میں ہوں۔ اس نے کہا ہاں، میرے پلے ایک نیکی بھی نہیں تھی، مجھے یہ پتہ تھا کہ تو ہے اور میں تجھ سے ڈرتا تھا اس لیے میں نے یہ سب کچھ کیا۔ خدا نے کہا کہ تجھے اتنا پکا یقین تھا تو میں نے حیرت تمام خطائیں معاف کیں اور تجھ کو بخش دیا۔

دوسری حدیث سنیں۔ یہ بھی حدیث قدسی ہے کہ پروردگار عالم نے جبرائیل سے پوچھا کہ اے بندے تو مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اے مالک و کریم اس نے گناہ کیا اب یہ

توبہ کرنا ہے۔ تجھ سے بخشش چاہتا ہے۔ اللہ نے کہا کہ اے جبرائیل کیا اس کو پتہ ہے کہ کوئی بخشے والا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں پروردگار اس کو پتہ ہے۔ کہا اس کو کہہ دو کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ دوسری مرتبہ اس نے پھر گناہ کیا۔ اب جبرائیل نے کہا کہ یا اللہ تو نے اسے معاف کیا تھا مگر اس نے پھر گناہ کیا اور پھر معافی مانگی ہے اللہ نے کہا کہ اے جبرائیل اسکو توبہ بھری پتہ ہے کہ میں ہی بخشے والا ہوں۔ کسی اور کے پاس تو نہیں گیا۔ جبرائیل نے کہا نہیں، اللہ تعالیٰ حیرے پاس ہی آیا ہے۔ اللہ نے کہا کہ اس کو کہہ دے کہ میں نے اسے پھر معاف کیا۔ اس نے پھر تیسری مرتبہ گناہ کیا۔ اب تو جبرائیل زچ ہو گیا۔ کہنے لگا یا مالک و کریم اس بندے کو کچھ اس نے پھر گناہ کر لیا ہے اور بار بار گناہ کر رہا ہے تو خدا نے کہا کہ اے جبرائیل اس کو مکمل اور پورا پتہ ہے کہ اس کو بخشے والا میں ہوں تو اس کو جا کے کہہ کہ میں نے حیرے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف کئے۔

خواتین و حضرات یہ دیکھیں کہ ہمارا واسطہ کس سے ہے؟ ہمیں اپنا آپ نہیں دیکھنا۔ ہمیں اپنے جین و بکیر اور خرد کی مانگی نہیں دیکھنی ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا واسطہ کس سے ہے۔ یہ حدیث سنئے گا: ایک بندہ مدینہ میں داخل ہوا۔ وہ حضور ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ قیامت میں حساب کون لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ خود..... وہ ہنسا اور ہنستے ہوئے چل دیا۔ حضور ﷺ نے کہا: ”اس کو ذرا بلاؤ۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔“ جب وہ واپس آیا تو حضور ﷺ نے پوچھا: ”تو ہنسا کیوں؟“.....؟ (کاش کہ ہماری تمام غلیٹ مل کر وہ جواب پیدا کر سکتی جو اس بندہ نے دیا تھا۔) اس نے کہا: ”یا رسول اللہ! زندگی میں دیکھا ہے کہ جب کوئی صاحبِ ظرف حساب لیتا ہے تو نرم لیتا ہے۔ کیا اللہ سے بڑا بھی کوئی اعلیٰ ظرف ہے؟ اس لیے میں خوش ہوا کہ میرا حساب وہ لے گا جو کائنات میں سب سے زیادہ اعلیٰ ظرف ہے۔“ خواتین و حضرات حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ سے اپنا گمان درست رکھو، خاص طور پر مرتے وقت یہ بھی ہدگمانی نہ کرنا کہ اللہ معاف نہیں کرنا اور ہماری کوئی حیثیت ہے۔ اللہ پر اعتبار رکھو۔ پڑھنے سے نہیں ہوتا۔ یہ تو تسلیم ہے۔ اللہ پر اعتبار اس گمان سے ہوتا ہے کہ وہ بخشش کر رہا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ بِغَفُورٍ الدُّنُوبِ جَمِيعاً“ کیا آپ جانتے ہیں کہ ”جمعاً“ کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے ”مکمل“..... یعنی اس میں کوئی کمی بیشی نہیں۔ وہ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ”إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“ ہمارے سائیکل کو تو دیکھو! ہمارے خطاب کو دیکھو! ہم ”رَحْمَتُ الْمُنِيسَا وَرَحْمَتُ الْأَخْوَةِ“ ہیں۔ ہم رحمتِ کھام سے زمین پر اُنھتے ہیں اور اتنا کرم کر رہے ہیں تو آخرت میں تو ہم

مبالغے میں چلے جائیں گے۔ ان دونوں منافع کے ہوتے ہوئے بھی اگر تم شبہ کرو گے کہ ہم بخشش کے یا نہیں بخشش کے تو غلط ہوگا۔ یہ اس مرتبہ عالمی کی توہین ہوگئی کہ ہم اس کے بارے میں ایسا سوچیں کہ وہ ہمیں بخشے گا یا نہیں۔ اس مرتبہ عالمی سے بعید ہے کہ ہم جیسے حقیر لوگوں کو معاف نہ کرے۔

سوال: معذرت چاہتا ہوں مگر آپ کی باتوں میں تضاد ہے۔ ایک طرف آپ عقل و دلیل پر یقین رکھتے ہیں اور دوسری طرف آپ عقل و دلیل کے خلاف ہیں حالانکہ آپ کی ساری تقریر مدلل اور عقل پر مبنی ہے اور reference میں حضرت احمد بن حنبل اور خلیفہ مامون کے متعلق آپ نے جو بات کی وہ غیر مدلل تھی۔

جواب: میرا خیال ہے کہ آپ نے ساری بات نہیں سنی۔ میں نے کہا تھا کہ امام احمد بن حنبل دلیل سے جواب نہیں دے سکے تھے۔ انہوں نے کوئی intellectual دلیل پیش نہیں کی تھی۔ وہ مادہ مذہب پر قائم تھے اور انہوں نے اپنے اس قول کو repeat کیا کہ جب بھی ان سے کہا گیا کہ قرآن کو حقوق مانو انہوں نے کہا کہ رب کعبہ کی قسم! ”میں قرآن کو خالق کا کلام مانتا ہوں“ اس پر ان کو سزا نہیں سنائی گئیں اور روزانہ دس کوڑوں کی سزا دی گئی اور احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ: ”استقامت میں میرا مرشد ایک ڈاکو اور چور ہے۔“

کسی نے ان سے پوچھا کہ وہ کیسے تو کہا کہ میں ایک بازار سے گزر رہا تھا۔ وہاں ایک ڈاکو کو پھانسی کی سزا سنائی جا رہی تھی۔ جب میں اس کے پاس سے گزرا تو اس نے کہا: ”ڈاکو کھانا کیا تو احمد بن حنبل ہے؟ کیا تو وہ ہے جس نے خلیفہ کے خلاف ضد لگائی ہوئی ہے کہ قرآن خالق کا کلام ہے۔“ میں نے کہا: ”ہاں۔“ اس نے کہا کہ دیکھ میں نے ساری عمر ڈاکے ڈالے ہیں۔ آج مجھے پھانسی کی سزا ہو رہی ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں شرمندہ نہیں ہوں، نہ میں بزدلی کا شکار ہوں۔ دیکھ میں ہنستے ہوئے جا رہا ہوں اور اے احمد بن حنبل تو بڑے نیک کام پر قائم ہے۔ اگر میرے جیسا ڈاکو اپنی چوری پر اتنا مستقیم ہے تو کیا تو اپنی راہ سے ہٹ جائے گا۔ تو احمد بن حنبل ہمیشہ اس کا ذکر خیر فرماتے رہے اور دعائے خیر فرماتے رہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ استقامت دین میں میرا استاد ایک چور اور ڈاکو ہے۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ انہوں نے Intellectual defence نہیں دیا تھا بلکہ intellectual defence شیخ عبدالعزیز نے دیا تھا۔ جو ایک dialectical discussion معقول کرتے تھے اس میں جب انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ تم لوگ لفظی طور پر

قرآن پڑھتے ہو اور فہم قرآن سے عاری ہو جیسے آج کل کے ہمارے بہت سارے لوگ فہم قرآن سے عاری ہیں اور یہ فہم بڑی عجیب و غریب چیز ہے جو پیغمبروں میں بھی فرق کر دیتی ہے۔ اگر آپ نے قرآن پڑھا ہو، تو ایک ہی کیس کے بارے میں حضرت داؤد نے فیصلہ دیا اور اس کیس کے بارے میں حضرت سلیمان نے فیصلہ دیا تو اللہ نے قرآن میں کہا کہ ”ہم نے سلیمان کو فہم عطا کیا۔“ کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ کیا کچھ قرآن زائد ہے آپ کے پاس جیسے لوگ کہتے ہیں انہوں نے فرمایا: ”رَبِّ کَعْبِ کِی قَسَم لِّی اَوَّ اَیْکَ اَیْکَ سَطْرًا اَیْکَ اَیْکَ لَفْظًا، اَیْکَ اَیْکَ زَیْرًا، اَیْکَ اَیْکَ زَیْرًا“ جو تم پڑھتے ہو مگر یہ کہ اللہ نے ہمیں فہم زیادہ دیا ہے۔“ تو بات یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ملائیت کی طبیعت ہو اور کسی شخص نے قرآن کو فہم و فراست سے سمجھا ہو تو وہ اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی سب سے بڑی دولت ہے کہ خدا کسی کو فہم قرآن عطا کرے۔ مگر اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آپ تحصیل علم کیسے کرتے ہو۔ پچھلے حیرہ سورس میں معنی نا بصین کے بعد زوال علم کا یہ عالم تھا کہ فہم قرآن میں کسی قسم کی progress نہیں ہوتی۔ آج اس کثیر کھول لیں۔ وہیں عالم تھے طبری کو کھول لیں تو وہ جتنی rigidity سے آپ کو چیزیں آفر کر رہے ہوتے ہیں کہ ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ان کے پاس اس دور حاضر کا علم موجود ہے؟ تو پھر ان سے آپ کیا سمجھو گے۔ ابن عباس کا قول ہے: ”الْقُرْآنُ بُفَسِّرُ الْزَّمَانُ“ کہ ہر زمانے میں قرآن کی اپنی تفسیر ہے کیونکہ حالات بدل جاتے ہیں۔ چیزیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

سوال:

خطا آدم نے کی سزا بیٹوں کو

عدل کا بھی کیا معیار بنا رکھا ہے؟

جواب: آپ یہ unscientific بات کر رہے ہیں اور خدا ظاہر ہے کہ scientific ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں نے نفیس واحد سے پوری انسانیت تخلیق کی ہے۔ آپ چوبلیں ہو۔ ابھی جدید تحقیق میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ east اور west کے تمام انسانوں کے جینز ایک ہی طرح behave کرتے ہیں تو آپ اپنے آپ کو different آدمی نہیں گن سکتے۔ آپ خود کو ایک different genetic continuity سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس جین نہ ہوتا تو آپ نہ ہوتے۔ اگر آپ کے پاس یہ آدم نہ ہوتے تو آپ نہ ہوتے تو یہ ایک continuity ہے اس لیے آدم کی سزا عین کو نہیں ملی۔ آدم کی سزا آدم ہی کو ملی۔ یہ میری بات یاد رکھیں کہ ان کے بیٹوں کو

سزا نہیں ملی۔ آپ کو یاد ہے کہ حدیث رسول ﷺ کے مطابق ”جب آدم کی ذریت اُن کے ہاتھ پر ان کو دکھائی گئی تو وہ بے شمار ذرات کی شکل میں تھی اور کچھ اُن میں چمکنے والے ذرے تھے اور کچھ تاریک تو حضرت آدم روئے، اُن کو بتایا گیا کہ یہ چمکنے والے ذرے نجات و عافیت ہیں اور سیاہ ذرے عذاب ہیں تو انہوں نے پوچھا کیا میں اور میری اولاد زمانے میں اس طرح suffer کرے گی۔ پھر وہ مشیخ الہی کے سامنے خاموش ہو گئے۔ یہ آپ کی بڑی مشہور روایت ہے کہ ایک ذرہ جو بڑی تابانی سے چمک رہا تھا؟ آپ کی نظر اس پر مبذول ہوئی اور آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کہا گیا کہ یہ حیرت انگیز اولاد میں محمد ﷺ ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں“ حالانکہ اُن میں اگر generations (نسلوں) کا تو اترا تھیں تو کم از کم ستر یا اٹھارہ نسلوں کا فرق تھا۔ مگر اٹھارہ نسلوں کے بعد اگر ایک شخص یا قرار کر سکے کہ میں اپنے باپ کی دعا ہوں تو پھر آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ اٹھارہ نہیں ہوتے ہوں گے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہو کہ بیٹوں کو سزا ملی اور آدم کو نہیں دی گئی بلکہ بعد میں وہی سزا جاری رہی اور پہلے بھی انہوں نے ہی برداشت کی تھی۔

سوال: سورۃ البقرہ کے حوالے سے یہ سوال ہے کہ یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، جس طرح آپ لائے ہیں اور جب ملتے ہیں شیطانوں کو تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ایمان والوں سے ہم فہمی مذاق کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان بھی ہم ہی میں سے ہوتے ہیں۔ برائے کرم قرآن کی روشنی میں وضاحت کریں۔

جواب: خواتین و حضرات! یہ منافقین پر آیت اتری ہے اور یہ ان کی ایک بڑی favourite technique ہے۔ مثال کے طور پر فرض کرو کہ اگر آپ کسی کو جھوٹا ثابت کرو تو سب سے موثر تکنیک یہ ہے کہ ایک school of thought میں جب لوگ جاتے ہیں تو ایک وہ آدمی ہے جو school of thought کی مخالفت میں باہر کھڑا ہے۔ ایک وہ آدمی ہے جو اندر جا کر باہر نکلتا ہے، وہ بڑا موثر ہوتا ہے۔ یہودیوں نے یہ special technique اختیار کی تھی کہ صحیح مسلمان ہوتے تھے اور بگڑے دو بگڑے کے بعد اسلام چھوڑ دیتے تھے اور واپس آ کر لوگوں سے کہتے تھے کہ بھائی ہم سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے ہم بھی مسلمان ہوئے تھے۔ ہم نے تو اندر سے جا کر دیکھا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں تو ظاہر ہے کہ ایسی بات زیادہ موثر ہوتی ہے۔ یہ بڑے clever لوگ تھے۔ شاہین اُن سے برعکس کیا ہو گئے جنہوں نے ایسے ایسے حربے اسلام کو رسوا کرنے کیلئے

ٹکالے تھے۔ بہت لوگ سوال پوچھتے ہیں کہ آمد کی سزا قتل کیوں ہے؟ اس کی یہی وجہ ہے کہ یہ تکنیک برتنے والے جان بوجھ کر اسلام میں آتے تھے اور پھر واپس آ کر کہتے تھے کہ ”جی! ہم تو مسلمان ہوئے تھے، ہم نے دیکھا ہے رسول اللہ ﷺ کو..... ہم نے ان کے اندر جا کر دیکھا ہے۔ ان میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔“ اور یہ سب سے مؤثر مقام ہے لوگوں کو اسلام سے ہٹانے کے لیے ان کو شیطانی کہا گیا۔

سوال: کیا شیطان انسانی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور اگر ہوتا ہے تو کیا دکھائی دیتا ہے؟
 جواب: چونکہ شیطان غرض و غائب جن ہے اور جن اس لیے جن ہے کہ وہ physical changeable ہے اور وہ کوئی بھی آئیہ کی شکل اختیار کر سکتا ہے مگر ایک حدیث کی رو سے آپ ﷺ ایک بار جب نیند سے بیدار ہوئے تو آپ بڑے پریشان سے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے دیکھا کہ آج شیطان کی بیوی نے انڈا دیا ہے اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا ہے پھر اس سے اور بہت سارے بچے پیدا ہوئے ہیں۔“ تو بیولائی شکل میں وہ اپنا سراپا بدل سکتا ہے۔ چونکہ جنات میں یہ اختیار ہے کہ وہ آئیہ کی شکل میں آپ کی نظروں کو وہ دکھائے۔ تے ہیں جو وہ دکھانا چاہتے ہیں۔ جب وہ کوئی شکل بدلے گا تو آپ کو وہی طرح نظر آئے گی۔ اگر بندہ چاہیں گے تو بندہ دکھا دیں گے اگر جانور بننا چاہیں گے تو جانور دکھا دیں گے مگر انکی practical life میں reproduction (نسل کشی) کیلئے ان کو کسی جانور کی شکل میں آنا پڑتا ہے۔ وہ انسان کی شکل میں آ کر بچے نہیں پیدا کر سکتے کیونکہ انسانوں کا procedure ان سے مختلف ہے۔ جنات انڈے دیتے ہیں بچے نہیں دیتے۔ جیسا کہ یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے اسی لئے mating (ملاپ) کیلئے انہیں ان خبیث جانوروں کی شکل میں آنا پڑتا ہے جنہیں آپ آتی حقوق کہتے ہیں جیسے سانپ، بچھو اور چھپکلی..... ان کی شکل میں آ کر یہ mating کرتے ہیں اور پھر ان سے انڈے اور بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے مکہ اور مدینہ میں پہلے یہ حکم تھا کہ اگر آپ کو سانپ نظر آئے تو آپ اس کو آواز دو کہ اگر تو جن ہے تو چلا جا! اگر تو جن ہے تو چلا جا.....! اگر تین مرتبہ آواز دینے سے وہ نہیں جاتا تو آپ کا حق ہے کہ اسے مار دو کیونکہ وہ جن نہیں ہوگا۔ یہ حکم حرمین شریفین کیلئے موجود تھا مگر اب یہ cancel ہو چکا ہے۔ ہمارے پاس دو پارا حدیث ایسی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زیادہ تر سانپ کی شکل میں آتے ہیں۔ Christian Theology (عیسائی مذہب) میں بھی ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ شیطان کا سب سے بڑا symbol (علامت)

سانپ ہے کیونکہ شیطان سانپ کی شکل میں آدم وحواء کو بہکانے کیلئے دوبارہ جنت میں گھسایا تھا۔
سوال: نفس انسان کا بھی ہے اور اللہ کا بھی ہے۔ انسان کے نفس کی تو سمجھا آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ تو
تمام حاجات سے بالاتر ہے اس کی مختصری تفصیل آیہ الکہف میں بھی آتی ہے تو پھر اللہ کا نفس کس
طرح ہوا۔ وضاحت فرمائیں؟

جواب: اصل میں بات یہ ہے کہ یہ خدا کی پسند واپسند پر مشتمل ہے۔ اللہ چونکہ اپنی وہ صفات پسند
کرنا ہے جو رحم و کرم پر مبنی ہیں اور وہ اصل میں کسی کو ڈرانا نہیں چاہتا۔ اُس نے وجود رسول اللہ ﷺ
میں پورے عالمین کی رحمت کو مجسم کر دیا: ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ وہ اگر اتنا
رحمان و رحیم و کریم رب ہے تو وہ ان صفات کو ہر فاسق اپنے لئے نہیں رکھے گا۔ وہ رحم و کرم کی صفات
کو بندوں کیلئے بھی پسند کرے گا۔ جیسے اس کے سامنے جاؤں اور سامنے رہنا ہی ہیں۔ وہ ان صفات
کو جو انتقام پر مبنی ہیں اپنے نفس کے حصے میں رکھ دے گا۔ یہ اللہ کے علم میں زیادہ بہتر طور پر ہے
عام انسان اس کے بارے میں exactly کچھ نہیں کہہ سکتا مگر میرا اندازہ یہ ہے کہ جب وہ
قیامت کے دن اترے گا اور چونکہ وہ مختتم بھی ہے تو اس دن جب وہ اپنی بادشاہی کا اعلان کرے گا
تو ان اسماء کے ساتھ کرے گا کہ: ”لَمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ“ بتاؤ آج ملک کس کا ہے اور کس کی
حکومت ہے زمین و آسمان میں؟ ”وَلِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ اور یہ اسی واحد و قہار کیلئے ہے۔ وہی
واحد اور وہی قہار ہے تو یہ اسماء اللہ کے نفس کے اسماء ہیں۔

سوال: شیطان یا نفس سے بچنے کا کوئی طریقہ بتادیں؟

جواب: بہت طریقے ہیں اور اہل تقویٰ کے بھی بہت طریقے ہیں۔ خدا نے خود بتائے ہیں۔
سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جب شیطان سے بچنا ہو تو ”أَعُوذُ بِاَللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“
اور ”أَعُوذُ بِاَللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ پڑھ لیں۔ یا اس سے بھی زیادہ
معتدل کلمہ ہے جب اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے دو صحابی لڑ رہے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے
directly یہ نہیں کہا کہ یہ شیطان کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ”اے ابو ہریرہ مجھے ایک
کلمہ پتہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی یہ پڑھ لے تو لڑائی بند ہو جائے گی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے
فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ عطا ہو۔ میں ابھی جا کے بتاتا ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”أَعُوذُ بِاَللّٰهِ
مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ تو وہ دوڑ دوڑے گئے اور انہوں نے کہا کہ لوگو سنو! حضور
ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہ کلمہ پڑھ لو تو شیطان دور ہو جائے گا اور آپ کا غصہ ختم ہو جائے

گا۔ ایک صحابی پیچھے کھڑے تھے کہنے لگے: کیا تم نے ہمیں بے وقوف سمجھا ہے یعنی غصے میں شیطان نے انہیں پھر بھی سمجھنے نہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کیا کہا ہے بلکہ انہوں نے کہا کہ کیا تم نے ہمیں بے وقوف سمجھا ہے۔ کیا ہم اتنے پاگل ہیں کہ شیطان کے قبضے میں ہیں مگر دراصل اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کلمات شیطان سے پناہ کیلئے دیئے۔ ایک دوسرا کلمہ بڑا خوبصورت ہے قرآن ہی میں آیا ہے اور وہ اسی مؤثر کلمہ ہے۔ میں اکثر حیران ہوتا ہوں کہ دافعِ سحر اور دافعِ بلا اس سے بھتر اور کوئی نہیں ہو سکتا: ”وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ. وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ“ (اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں شیاطین اور اس کے ساتھیوں سے اور ان سب شیاطین سے جو میرے ارد گرد موجود ہیں۔)

سوال: اللہ تعالیٰ کے حکم و مصلحت کے بغیر پتہ بھی نہیں مل سکتا۔ جب ہر کام اللہ کی مرضی اور حکم سے ہوتا ہے تو پھر انسان کے اعمال کی سزا کیوں ہے؟

جواب: کس نے کہا کہ اعمال کی سزا ہے؟ میں تو آپ کو اتنی ساری مغفرتیں سنا چکا ہوں۔ اعمال کی تو سزا آئی ہی نہیں ہے۔ مگر یہ جو نعمت اس نے آپ کو دی ہے اس کا جواب تو وہ آپ سے ضرور لے گا۔ آپ کے اعمال کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اگر حیثیت رکھتے تو خدا کیوں کہتا کہ تمہاری قربانی کا گوشت اور ہڈیاں کچھ بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتے صرف زیت پہنچتی ہے۔ بات یہ ہے کہ drive motive تو آپ کے دماغ میں ہے۔ آپ کے دماغ کی instruction ہی سے آپ کا ہاتھ ہلتا ہے۔ کبھی کوسہ میں گئے بندے کو بھی آپ نے ہاتھ ہلاتے دیکھا ہے۔ brain زندہ ہو گا تو چیزیں حرکت کریں گی۔ آپ کے اعمال آپ کے drive motive کے سائے تلے ہیں، آپ کی ذہنی سوچوں کے سائے تلے ہیں۔ خدا آپ کی ذہنی سوچ سے جواب طلب کرے گا۔ جب آپ یہاں سے گزر کے قبر کے سر ہانے پہنچ جاؤ گے تو وہ آپ سے شیطان کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرے گا وہ تو سوال کرے گا: ”مَنْ رَبُّكَ“؟ یہ بتا کہ سوچے سمجھے غور کیا، فکر کیا کھائے پیئے عیش کی دنیا سے گزر کر آئے، پوری عمر لی۔ بتا حیران کن ہے؟ آپ خود سوچو ایک ہندو جائے گا تو کیا جواب دے گا؟ ایک سوچا س تو اس کے دیوتا ہیں۔ وہ کیا کیا کہے گا؟ پھر اگر مسلمان نے زندگی میں دولت کو ہی خدا سمجھا، بال بچوں کو خدا سمجھا، یہی کچھ اس نے خدائی دیکھی ہے تو یقیناً جانو کہ آپ confuse ہو گے اور اسی پہلے سوال کے جواب میں خدا کہتا ہے کہ بے شک میرے بندے نے سچ کہا اور بے شک میرے بندے نے جھوٹ کہا۔ اب اس

کے برعکس یہ دیکھو کہ جس نے اللہ کو priority سمجھا ترجیح دی، جب اس سے فرشتے سوال کریں گے: ”مَنْ رَبُّكَ“؟ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے کیوں پوچھتا ہے؟ یا! اس اللہ سے پوچھو جس کی یاد میں میں نے ساری زندگی گزاری۔ مجھ سے کیوں پوچھتا ہے؟ دوسرا سوال رسالت کا ہے: ”مَنْ نَبِيُّكَ“ حیرے نبی کون تھے؟ پھر صورت گرامی رسول کریم ﷺ دکھائی دے گی۔ اگر مسلمان اپنے رسول ﷺ کی زیارت کی بھی شہادت نہ لے تو پھر کیا سمجھے۔ جب وہ رسول ﷺ کو پہچانے گا تو پھر ”لا الہ الا اللہ“ بھی یاد آ جائے گا۔ یعنی پہلے سوال کا جواب اگر بھول بھی جائے تو دوسرے سے یاد آ جائیگا۔ اگر دونوں سوالوں سے چٹھی ہے تو پھر مام کے مسلمان ہو۔ اسی لئے حدیث مسلم میں آخری حدیث میں ہے کہ بہت سارے متقی، رئیس بائے دراز، جامد بائے مقدس ذریعہ عزت جو چل رہے ہونگے اور ملائکہ انہیں لے کر جنت الفردوس کو روانہ ہونگے تو آواز آئے گی کہ اے ملائکہ ان بندوں کو ذرا جہنم میں پھینک دو تو ملائکہ استعجاب میں عرض کریں گے کہ اے باری تعالیٰ ان کی نیکیاں لکھ لکھ کر ہمارے اعمال کے کاغذ شرفا ختم ہو گئے ہیں اور یہ آپ کیا کہتے ہو کہ انہیں جہنم میں لے چلو۔ حکم تو ماننا ہے لیکن کچھ آگئی چاہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میرے اور میرے بندے کا ایک معاملہ وہ ہے جسے عرف میں جانتا ہوں اور وہ اخلاص ہے۔ یہ صاحب اخلاص نہیں تھے۔ دنیاوی طمع اور شہرت کیلئے انہوں نے عبادت کی تھیں۔ رعب ڈالنے کیلئے مساجد کی پاسداریاں کی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے لوگوں کو بڑی فہمائشیں کی تھیں۔ پانچے بہت اونچے کئے تھے گریبان بڑے بند کیے تھے۔ مسجد سے اٹھتے نہیں تھے مگر مقصد شہرت تھا، بقائے دوام نہیں تھا۔ اس حدیث سے دو چیزیں نکلتی ہیں کہ اعمال شرفا وغیرہ لکھے جاتے ہیں اور دوسری یہ کہ آپ کے باطن کی سوچ ملائکہ بھی نہیں جانتے۔ Only God is witness to the heart. کتنا باریک سبب ہو گا انسان کا دل! اور کیا خوبصورتی ہو گی اس جذبے میں جسکو اخلاص کہتے ہیں جس کی شہادت عرف اللہ انسان کے بارے میں دے گا اور کیا یہ بات دور کی گنتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک مرتبہ بھی دل سے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس پر مار دوزخ حرام ہے۔ اتنا سستا سودا کیا اتنا مہنگا ہو گیا ہے؟ کیا خدا نے یہ نہیں کہا کہ جس کی آنکھ سے میرے لیے ایک آنسو نکلا اس پر ہمیشہ کیلئے دوزخ حرام کر دوں گا۔ کیا ایک آنسو بھی خدا کیلئے نہیں نکل سکتا۔ کیا خدا سے اتنی غیریت ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی سبب محبت پیدا نہیں ہوتا۔ مگر یہ ہمارے مولوی کرتے ہیں کہ ڈراؤ دھمکاؤ، سزا کی سنواؤ تاکہ بندے guilt conscience میں چلے

جائیں، بندے محرم feel کریں۔ احساسِ جرم آدمی کو ضبط کر دیتا ہے۔ شاہِ جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے کہا کہ پہلے ابو الخارث محاسبی بتائیں گے جو خاندانِ محاسب کے سرنام ہیں تو لوگوں نے پوچھا کہ ابو الخارث توبہ کیا ہے؟ ابو الخارث نے کہا کہ توبہ یہ ہے کہ تو گناہ کو ہمیشہ یاد کرنا رہے تو انہوں نے پوچھا کہ جنید کیا آپ بھی یہی کہتے ہو۔ انہوں نے کہا: ”نہیں، میں تو کہتا ہوں کہ توبہ یہ ہے کہ گناہ تجھے کبھی یاد نہ آئے۔“ جب ایک جینی فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ نہیں سوچنا، یہ نہیں کرنا تو یہ بالکل ذہن سے نکل جائے گا اور اگر یاد کرو گے تو تھوڑے عرصے کے بعد وہ یاد کمزور ہونی شروع ہو جائے گی اور گناہ اور اس کی شہوات پھر سے ابھر فی شروع ہوں گی اور دوبارہ وہی غلطی کرو گے۔ توبہ ایک جینی حس ہے، ایک مکمل جینی حس..... یہ تو ہو سکتا ہے کہ توبہ کرتے کرتے پھر کوئی لرزش ہو جائے مگر وہ فیصلہ نہیں بدلے گا۔ بعض اوقات ہماری مجلسیں اتنی طاقت ور ہوتی ہیں۔ ہمارے غصے بے حد و حساب ہوتے ہیں۔ ہم ایک باریگی نہیں ترک نہیں کر سکتے مگر یہ ساری زندگی حساب و کتاب کے لئے ہے، انصاف کیلئے نہیں ہے۔ یہ دنیا انصاف کیلئے نہیں ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ خدا غریبوں کو کیوں غریب رکھتا ہے؟ امیروں کو کیوں امیر رکھا ہوا ہے؟ کیوں ظالموں کو سزا نہیں دیتا؟ بھلا کمرہ امتحان میں رزلٹ کون سناتا ہے؟ آپ تو امتحان گاہ میں ہو۔ ابھی تو نوبت ہی نہیں آئی۔ یہاں تو judgement کیلئے ہو، یہاں تو مظلوم آزمایا جا رہا ہے کہ مظلومیت میں ہمارے کس کے ڈھونڈنا ہے۔ خدا کے یا غیر کے..... ظالم اپنے ظلم سے آزمایا جا رہا ہے کہ اپنی جاہلانہ قوت کا اظہار کرنا ہے یا نہیں؟ بادشاہ اپنے اختیار سے آزمایا جا رہا ہے۔ غلام خدمتِ غلامی سے آزمایا جا رہا ہے۔ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ یہ انصاف کی جگہ نہیں ہے اور جو جہاں ہے وہ مقدر نہیں ہے۔ پرہیزگار ہے۔ روٹی مقدر نہیں ہے، کھانا مقدر نہیں ہے، یہ تو آپ کا پرہیزگار ہے۔ یہ تو آپ کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار سال قبل اللہ نے لکھ کر دے دیا ہے۔ ”کُلُّ نَفْسٍ بِحَسَبِ مُبِينٍ“ یہ تو لکھا جا چکا ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں، یہاں کی محنت کے کرشمے نہیں ہیں۔ یہ آپ کی دانش نہیں ہے جتنا رزق کماؤ، اتنی عقل اللہ نے دی ہے، اتنے طریقے دے دیتا ہے جتنا آپ نے چاہنا ہوتا ہے۔ ذہین ترین کرسی پر بیٹھے کمار ہے ہوتے ہیں اور ایک ریڑھی بان دھوپ میں مشقت کرنا ہے سو روپے بھی لے لیتا ہے۔ یہ محنت کی مالا نہیں ہے یہ تو لکھا جا چکا ہے۔ مقدر تو آگے آگے گا۔ ساٹھ سال کی زندگی مقدر نہیں ہے۔ اس کے بعد اربوں سالوں کی زندگی مقدر ہے۔ جنت مقدر ہے، دوزخ مقدر ہے، یہاں سے نکل کر آگے کا کائنات عظیم میں جو مسافت

ہوہ مقدر ہے۔

سوال: شیطان ہمارے اندر داخل نہیں ہو سکتا جب کہ قرآن اور حدیث کے مطابق شیطان ہماری رگوں میں ایسے گردش کرتا ہے جیسے خون۔ برائے مہربانی وضاحت کریں۔

جواب: ”يُوسِسُ فِي صُلُوبِ النَّاسِ“ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ خیال پھونکتے ہیں۔ وہ میرے خون میں اس طرح نہیں گردش کرتے۔ میرے خون میں تو اللہ خود کہتا ہے: ”تَحَنُّنُ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ“ ہمارے تو قریب ترین اللہ ہوتا ہے مگر شیطان خیال پھونکتا ہے جیسا کہ ایک طرف خیال خیر آ رہا ہوتا ہے تو نفس کا الہام شر شیطان ہے جیسے ہمارے دل میں دو cardiac waves چلتی ہیں۔ ہمارے ذہن میں بھی دو لہریں چلتی ہیں۔ ایک پر خیال خیر الہام ہوتا ہے اور ایک پر خیال شر الہام ہوتا ہے۔ یہی ترکیب اللہ نے نفس انسان کی بنائی ہے: ”وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا“ کہ نفس انسان کو ہم نے اس طرح ترتیب دیا ہے کہ یہ پچاس فیصد الہام خیر ہے اور پچاس فیصد الہام شر ہے اور جو الہام شر ہے اس کی centricity شیطان کے پاس ہے اور الہام خیر جو ہے اللہ کے پاس ہے۔

سوال: حکم سجدہ ملائکہ سے ہے شیطان ملائکہ سے نہیں پھر وہ جہنم کیوں ہے جبکہ وہ آیت کی رو سے اس حکم میں شامل ہی نہیں؟

جواب: یہ حکم سجدہ میں اس لیے شامل ہے کہ اس کے بارے میں اللہ نے کہا کہ سب نے سجدہ کیا اور جنہوں نے کے باوجود اس کو خدا نے درجہ ملائکہ بخشا تھا اور نہ صرف درجہ ملائکہ بخشا بلکہ استاد ملکوت کہا۔ یہ ملائکہ کا بھی استاد ٹھہرا۔ اگر آپ آیت پر احو تو خدا نے یہ mention کیا ہے کہ خدا نے اس کو ملائکہ سے بہتری اور بزرگی دی ہوئی تھی۔ ”وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ“ آیت میں چونکہ ملائکہ کا جزل لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ شیطان صرف ایک تھا اور ملائکہ بے شمار تھے تو اس کو ملائکہ میں شامل کر کے اعلان کیا گیا کہ تم سجدہ کرو۔ جب یہ علیحدہ ہوا تو اللہ نے اسے ملائکہ سے علیحدہ کر دیا۔ ”..... فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ“ یہاں اگر ابلیس کو ملائکہ سے جدا کر کے کہا جاتا تو یہ علیحدہ پارٹی بنتی مگر خدا نے اسے جدا نہیں کیا بلکہ ملائکہ میں رکھا۔ سب ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ایک کے اور وہ ابلیس تھا۔

سوال: تمام اہل قصور کیلئے کوئی جزل نسخہ بتائیے۔

جواب: آج صبح چلتے ہوئے کسی نے مجھ سے پوچھا کہ قصور کو قصور کیوں کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ

تمہارے ذہن میں پہلا خیال کیا آتا ہے تو کہنے لگا کہ وہاں بڑی خطائیں ہوتی ہوگی۔ تو میں نے کہا کہ نہیں یہ قصر کی جمع ہے۔ یہ کسی زمانے میں حکمرانوں کے محلات کی جگہ ہوگی تو قصر کو قصور کہنے لگے۔ A land of the palaces ابھی palaces تو کوئی خاص نظر نہیں آتا تھا شاید اس وقت کے palace ہی ہوتے ہوئے ہو گئے جواب نظر آتے ہیں۔

جس طرح افراد میں خصوصیات ہوتی ہیں اسی طرح شہروں میں بھی کچھ خصوصیات built ہوتی ہیں۔ بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ اس خصوصی علیت کے تعارف سے آپ کے شہر کے بارے میں آپ کو بتاؤں تو قصور میں چار اہم خوبیاں ہیں جو انفرادی سطح پر مجموعی طور پر سب لوگوں میں تھوڑی تھوڑی آنی پائیں، چاہے وہ کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔ نمبر ایک sensitivity (حسیت) lust of power sensitivity متنی خصوصیت ہے Heartlessness یہ اس کے پہلے حرف کی خصوصیات ہیں۔ Most sensitive in comparisons and heartless in persuance. دوسری صفت ہے انتہائی stubbornness اور جذباتیت۔ خلوص و محبت اور اپنے موقف پر قائم رہنے کی سختی ان لوگوں میں پائی جاتی ہے اس لئے آپ مارٹل مسلمان یہاں کبھی نہیں پاؤ گے۔ تیسری کوالٹی بڑی عجیب و غریب ہے کہ ہر آدمی خصوصی تعلقات کے سلسلے کا خواہش مند ہے۔ یعنی Every Qasuraied is fond of creating line of relationship جہاں وہ بہت ساری شناسائی طلب کرتا ہے۔ بہت ساری ملاقات طلب کرتا ہے۔ بہت سارے لوگوں میں رابطے کی کوشش کرتا ہے He is social political یہ تیسری صفت ہر آدمی میں ہے چاہے تھوڑی اجاگر ہو یا کم۔ قصور کی آخری صفت وہ ہے جس تک بہت کم لوگ پہنچتے ہیں۔ ویسے اتفاق سے جو آپ کے پاس بزرگ مدنون ہیں وہ بھی اس صفت تک نہیں پہنچے، یعنی حضرت بابا بھٹہ شاہ..... وہ sentiment اور مجذوبیت کی طرف تو آگئے مگر زعم کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ رسالت اور message کی شناخت ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی طریقے سے کوئی message آپ کے شہر سے نکلے گا تو وہ زعم کی وجہ سے ہے جیسے حضرت بابا بھٹہ شاہ نے poetic message آگے پہنچایا مگر قصور والے جو بھی پوڑھے ہوں گے ان میں irritations اور غصہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہ اس شہر کی خصوصیت ہے کہ جب اس کی ڈیپریشن شروع ہوگی تو Most of the Qasuraied old people will be very

یہ fearful of death and they will be depressed at the end. آخر ہے۔ آخر میں جو اس کی متحرک صورت ہے اس کو دو چیزیں روکتی ہیں Hospitality (مہمان نوازی) اور خیرات اور آپ کے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو عمر آخر میں کثرت سے خیرات کرنے والے ہو گئے اور ماشاء اللہ اب بھی ہو گئے اور ان کو اپنی اس چنی اذیت سے نجات ہو گئی۔ خواتین کو قصور بڑا سوت کرنا ہے جیسے مردوں میں یہ اثرات ہوتے ہیں خواتین میں ذرا مختلف ہیں کہ وہ اپنا مچ کبھی بھی ختم نہیں کر سکتیں۔ ان کو constant comparisons سے واسطہ پڑتا ہے اور قصور میں خواتین مردوں سے زیادہ active ہونے کی کوشش میں ساری زندگی گزار دیتی ہیں۔ They will like to do business they will do۔ anything which men can do. اگر ان کو پانس مل جائے تو وہ آپ سے بہتر بزنس میں ہوں۔ قصور کی تین بڑی تسبیحات ”یا سلام، یا مومن یا اللہ“ ہیں۔ یہ سلامتی، ذہن و تسکین ہیں کیونکہ جہاں پر بھی بزنس atmosphere ہوتا ہے وہاں ایک rapid attitude پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے depressive شیزوفرینیا پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسری تسبیح ”یا رحمن یا رحیم یا کریم“ ہے۔ یہ ہر شے کے لئے ہے۔ اللہ سے ہمارا contract ہے۔ اللہ نے وعدہ کیا ہوا ہے اور لکھ کر دیا ہوا ہے: ”وَكُفِّ بِعَلَى نَفْسِهِ رَحْمَةً“ کہ میں ہر حال میں تم لوگوں پر رحمت کروں گا۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم بار بار اُسے یاد کریں اور تیسری تسبیح ہے ”یا ولی یا نصیر“ وُكْفَى بِاللّٰهِ نَصِيرًا“ (نساء: ۴۵) وہی اللہ ہے جو بہترین دوست ہے وہی اللہ ہے جو فتح و نصرت کی عزت بخشے والا ہے۔

توحید، ایمان اور عمل

أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَّسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

خواتین و حضرات! اس بہت ہی خوبصورت تعارف کا شانیدہ میں اتنا حقدار نہیں تھا مگر

محبت کے بہت سارے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

آج کے موضوع کی جو بڑی عجیب و غریب بات تھی جو مجھے شروع سے عجیب لگ رہی تھی کا ایک ایسے وقت میں، ایمان اور عمل کا تو کوئی ضابطہ ہو سکتا ہے کوئی تعلق کوئی واسطہ ہو سکتا ہے مگر توحید کے concept کا شعور حاصل کرنا، خدا کو جاننے کی کوشش کرنا، خدا کی تسلیم کرنا، ایک بہت high philosophical concept (اعلیٰ فلسفاتی تصور) ہے جس کیلئے مازک اذہان کو اس شناخت پر بہت زور دینا پڑتا ہے۔ جہاں تک ہمارے ہاں مروجہ ایمان و عمل کی بات ہے اور جہاں تک لوگ جب ایمان کی بات کرتے ہیں تو لازماً ایک بات اس میں بھول جاتے ہیں کہ کسی قسم کا علمی اور عقلی faith (یقین) محض blind faith (اندھا یقین) ہونا ہے یا علمی faith ہونا ہے۔ اگر آپ اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو کوئی ایسا تصور، کوئی ایسا خیال جو زمان و مکان

کے توار دے نہ گزرے جس پر آپ خود تنقید نہ کریں جس پر زمانہ تنقید نہ کرے، جو سوال و جواب کے توار دے نہ گزرے وہ ایمان، وہ خیال و نظر یہ کبھی بھی سلامت نہیں بچتا۔ اگر آپ ایک ایسے ایمان پر قائم ہو، ایسے تصور خدا پر قائم ہو جو اس محرائے تفکیک میں کسی شک کا وجود نہیں بہہ سکتا جو عقیدتوں کا اتنا پابند ہے کہ آپ کا ایک لفظ، ایک جملہ آپ کے گناہ و ثواب کا حصہ بن جاتا ہے۔ جب تصور خدا پر سوچنا بھی آپکو محال لگتا ہے۔ جب تو حید کا ذکر کرتے ہوئے یا خدا کا ذکر کرتے ہوئے ہمارے بچ میں اتنی کائناتوں کی اجنبیت آ جاتی ہے کہ ہم سوچتے ہیں کہ خدا کے بارے میں سوچنا ایک غیر ضروری فعل ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ خدا کا خیال کرنا یا خدا کے تصور میں کھو جانا یا اس پر تحقیق و جستجو کرنا ایک ایسا فعل ہے جس میں سوائے بے کاوے کے..... اور سوائے بھٹکنے کے کوئی چیز ہماری زندگی میں شامل نہیں ہے تو ہم خوف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

تمام مذہب میں اور science میں ایک بنیادی فرق تھا جس کی وجہ سے ایک طرف کی تحقیق و جستجو مسلسل جاری رہی اور مذہب کی تمام تر جستجو local (مقامی) اور متضاد ہو گئی۔ فرق یہ تھا کہ آج بھی ptolemy (تولیمی) غلطی ہو نے کے باوجود سائنسدان سمجھا جاتا ہے۔ آج بھی copernicus (کاپرنیکس) باوجود غلطی ہو نے کے سائنسدان سمجھا جاتا ہے۔ آنے والے سائنسدانوں نے ان پہلے سائنسدانوں کو reject (رد) نہیں کیا، تاخر سے نہیں دیکھا۔ ان کو یہ نہیں کہا کہ یہ کوئی غلط کار اور سیاہ کار لوگ تھے جنہوں نے سائنسی ترقی کو روکا بلکہ انہوں نے ان کو اپنے آباؤ اجداد مانا۔ ان کو وہاں سوشل علماء مانا جنہوں نے جستجو کا پہلا پتھر پھینکا، جنہوں نے پہلی کوشش کی اور سائنسی عمل کو آگے بڑھایا، جستجو اور تحقیق کو آگے بڑھایا اور اس وقت سے چلے ہوئے آج اگر ptolemy صحیح نہیں بھی.....، copernicus صحیح نہیں بھی..... آج اگر گلیلیو apologetic (مذرت خواہ) ہے مگر اسکے باوجود ہم ان کو اس تعلیمی نظام کا سربراہ مانتے ہیں جب انسان نے پہلی، جزاؤ متو فکری، پہلا خیال اور شعور برپا اور کائنات کو پرکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ سب مذہب کے ساتھ نہیں ہوا۔ مذہب بنیادی طور پر آفاقی حقیقتوں کا سب سے بڑا سنی تھا، وہ انسانی ہدایت کا بہت بڑا سنی تھا، اس سے انسان نے زندگی شروع کی تھی۔ anthropology (علم الانسان) کا آغاز ہمیں بتاتا ہے کہ ابتدائی تمام سوسائٹیاں priest (پادری) سوسائٹیاں تھیں۔ تمام علیت کے وہ مقام تھے جہاں علمائے وقت نے اپنی ابتدائی سوسائٹیوں کو مرتب کیا، جہاں بادشاہ نکران نہیں ہوتا تھا۔ پروہت یا priest نکران ہوتا تھا، کوئی

نہی حکمران ہوتا تھا، خدا کا فرستادہ کوئی پیغامبر حکمران ہوتا تھا مگر جب مذہب آگے بڑھا تو بدترین آفت اس پر قوم یہودی کی وجہ سے طاری ہوئی۔ قوم یہود نے اپنے نکل اور اپنی حماقتوں کی وجہ سے مذہب کا ستیلا اس کر دیا۔ میں ایک اچھا خیر بات ضرور بتانا چلوں کہ تارے ہاں تصور کیا جاتا ہے کہ یہودی بہت ذہین اور مابذ قوم تھی، بہت عالمانہ تھی اور ایک آدھ بندے کے وجود کی وجہ سے ان کو رنگ لگا جیسے آئن سٹائن ہے مگر آپ اس قوم کے بارے میں کیا کہو گے جس کا پیغمبر تلک آسمان کے بارے میں یہ رائے دیتا ہے۔

”أَنكُودُ بِاللّٰهِ اَن اَكُوْنِ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ“ (۶۷: ۲)

(اے پروردگار! میں ان جاہلوں کی قوم سے بہت تلک ہوں، میں ان سے پناہ مانگتا ہوں)

اور یہ حقیقت ہے کہ سب سے بڑی جہالت جو یہود نے مذہب کے ساتھ کی کہ انہوں نے مذہب کو گھر میں ڈال دیا۔ اس آفاقی حقیقت کو انہوں نے محدود کر دیا۔ انہوں نے اسے خاندانی مسئلہ بنا لیا۔ انہوں نے یہووا (Jovaha) کو اپنے خاندان اور قبیلے کا خدا مانا اور اس پر کسی اور انسان کو حق حاصل نہ تھا۔ وہی محبوب خداوند ٹھہرے، وہی لاڈلے بن گئے اور اللہ کو انہوں نے اپنی ذات میں محدود کر لیا۔ جب Christians (عیسائی) آئے تو early Christians (شروع کے عیسائی) بھی یہودی تھے۔ انہی کے ٹوٹے پھوٹے لوگ تھے جنہوں نے یہودی philistines (ایک جنگجو قوم جو بنی اسرائیل کو فلسطین میں پریشان کرتی تھی) سے تلک آ کر بلا آخر christianity کو، آسمانی بادشاہت کو رجوع کیا مگر انہوں نے اس سے بھی بڑا عظم کیا۔ یہودیوں نے تو خدا کو اپنے خاندان میں قید کیا تھا مگر ان لوگوں نے اسے بیوی بچے بھی دے دیئے۔ انہوں نے اللہ کا خاندان بھی مرتب کر لیا اور جیسے قوم یہود نے اپنے بعد آنے والے تمام مذہبی سائنسدانوں کا بظلم کیا، تمام پیغمبروں کا نکار کیا اسی طرح Christians (عیسائیوں) نے اپنے بعد آنے والے مذہب کی کوئی continuity (تسلل) نہیں دیکھی۔ یہ وہالیہ تھا جو شروع میں مذہب کی تحقیق و جستجو میں پیش آیا۔ جہاں science متفق، مربوط اور منصرف کوششوں کی وجہ سے آگے بڑھتی رہی وہاں مذہب پر یہ آفت آئی کہ ہر آنے والے نے مذہب کو اپنا ایک گھریلو خادم سمجھتے ہوئے، خدا کی تحقیق و جستجو کو نہ صرف محدود کیا بلکہ اسے حوضبانہ possession (ملکیت) کر دیا یا قبضہ گروپ کر دیا۔ جہاں جہاں بھی مذہب جس جس راستے سے گزرا، مختلف اقوام نے قبضہ گروپ کی طرح اسے چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹ دیا اور نتیجے

یہ ہوا کہ message of the God (خدا کا پیغام) وہ آفاقیت اور universal attitude (کائناتی رویہ) ختم ہو گیا۔

اسکے علاوہ ایک اور بڑی بد قسمتی پیش آئی، وہ بد قسمتی یہ تھی کہ ہم نے خدا کو معرفت اپنے زمینی مسائل سے سمجھا۔ ہم نے خدا کو معرفت اپنی آنکھوں سے سمجھا۔ Greek mythology (یونانی دیومالا) میں جب برائی بہت بڑھ گئی تو تمام برائیاں Zeus God (یونان کا سب سے بڑا دیوتا) کے ساتھ منسوب ہو گئیں۔ Homo sexuality (ہم جنسی) اس کے نام لگ گئی۔ کثرت بدکاری اس کے نام لگ گئی۔ لوگ جب اپنی کمزوریوں کو نہ بھاسکے تو انہیں اپنی ذات سے باہر نکال کے دیوتاؤں کے نام دے دیئے اور پوری کی پوری mythologies کی adjustment (دیوتاؤں کے قصوں کی ترتیب) اس وجہ سے ہوئی کہ لوگوں نے اپنی کمزوریاں، اپنے گناہ چونکہ تسلیم کرنے سے انکار کیا اس لیے خداؤں کے نام دے کر ان کو کبھی Zeus کہا، کبھی Hefastus (ہیفاسٹس) کہا، کبھی Afrodite (ایفرودائٹ) کہا اور ان کے نام و جہانم غلاظتیں منسوب ہو گئیں جو انسان liberty (آزادی) کے نام پر حاصل کرنا چاہتا تھا، جو انسان مذہبی بندشوں سے ہٹ کر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کچھ لوگ جو armed chair intellectuals تھے وہ اپنی روشن خیالی میں جو کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ انہوں نے مذاہب سے ہٹ کر ان جہوں کے نام پر داخل کر دیا اور اسی طرح mythology, Indian (ہندو دیومالا) میں شروع میں Aryans (آریا) ایک دیوتا لے کر، ایک خدائے واحد لے کر ہندوستان میں آئے اور اس کا نام ”اندر“ تھا مگر تھوڑے عرصے کے بعد آتے ہی اس کی دو شاخیاں ”ورودا“ اور ”تھرا“ سے کروادیں اور پہلی trinity وجود میں آئی۔ تھوڑے عرصے کے بعد پہلی trinity کو زوال ہوا تو اس کے کچھ عرصے بعد برہما، شیوا اور وشنو trinities وجود میں آ گئیں اور multiply (بڑھتے) ہوتے ہوئے دیوی اور دیوتاؤں کا یہ ایک ایسا جنگل بن گیا کہ پورے کا پورا دین، پورے کا پورا معاشرہ اسی دیوانی نظام کی نذر رہ گیا۔

جہاں تک اللہ کبریا کا تعلق ہے کچھ different بات تھی۔ خدا نے فرمایا کہ شروع میں سب مواد تھے بعد میں انہوں نے بت پرستی شروع کی، خواتین و حضرات! اگر آپ نے یہ جانتا ہو کہ شروع میں سب مواد تھے کہ نہیں تھے تو آپ کو عمومی تاریخ سے پیچھے جانا پڑے گا۔ آپ کو ”علم الاحتام“ سے پیچھے جانا پڑے گا۔ علم الاحتام بھی ایک recorded history (مخطوط

شعہ تاریخ) ہے مگر اس history سے بھی پیچھے جانا پڑتا ہے۔ آپ حیران ہو گئے کہ تمام mythologies (دیو مالائی قصوں) کی اساس میں single God (ایک خدا) ہے۔ Greek mythology کے پانچ بڑے دیوتاؤں اور اولہ پائی نظام کے پیچھے ایک خدا ہے جسے ہم Chronus (کرونس) کہتے ہیں۔ داستان دلچسپ ہے کہ Chronus ٹکٹے ہی اپنے بچوں کو کھا جاتا تھا۔ جب Zeus پیدا ہوا تو وہ وہاں سے بھاگ کر اپنے بہن بھائیوں کے پاس crete (کریٹ) چلا گیا۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ خدائے واحد کی پرستش پہلے ایک fundamental faith (بنیادی عقیدہ) تھی اور وہ اپنے کسی مخالف کو پیدا نہیں ہونے دیتی تھی۔ پھر لوگوں نے center (مرکز) سے ہٹ کر کریٹ کے جزیرے میں اس خدائے واحد کے نظام کو مسترد کرتے ہوئے دیوتاائی نظام حاصل کر لیا اور یہ جتنے بچے پیدا ہوئے، یہ جتنی دیو مالائی complications (بیچیدگیاں) پیدا ہوئیں یا اس نظام سے ہٹ کر پیدا ہوئیں۔

یہی بات اللہ نے نوح کو کہی، جب ایک دفعہ ساری زمین اہل کفر سے صاف کر دی تو پھر اللہ نے حضرت نوح سے کہا کہ آج تو اور تیرے بچے اور یہ کشتی، نوح کے مسافر خدائے واحد کے پرستار ہیں مگر یہ پھر اسی طرح کی غلطیاں کریں گے، اسی طرح کی حماقتیں کریں گے۔ یہ میری توحید میں شریک لائیں گے اور پھر میں ان پر وہی قانون نافذ کروں گا جو پہلی قوموں پر کیا اور پھر ان پر وہی عذاب و ثواب گذریں گے جیسے میں نے پہلی گستاخ قوموں پر کیے۔

اگر ہم خدا پر اعتبار رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے This is not a practical question. This is an intellectual question. (یہ ایک عملی سوال نہیں ہے یہ ذہانت کا سوال ہے۔) خدائے واحد مابعد الطبیعیاتی reality ہے۔ یہ حقیقت کبریٰ ہے۔ یہ creation (تخلیق) نہیں، creator (تخلیق کار) ہے۔ قرآن کتاب تخلیق ہے اور science کتاب تحقیق ہے۔ جب آپ تحقیق سے آگے بڑھتے ہو اور تخلیق کار کی بارگاہ میں جانے کی کوشش کرتے ہو تو سب سے پہلا سوال یہ نہیں ہونا کہ وہ کون ہے۔ سب سے پہلے تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ میں اسے تسلیم نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنی غلامی کی سند خود نہیں لکھنا چاہتا۔ میں ایسے خدا کو کیسے مان سکتا ہوں جو میرے ابتدائی سانس میں مداخلت کرنا ہے جو میرے آخری سانس میں مداخلت کرنا ہے، جو مجھے ہر چیز کے manners (طریق کار) سکھاتا ہے، جو مجھے business (کاروبار) کے قواعد سکھاتا ہے۔ ”وَأَقِمْ وَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا

المیزان“ (۹:۵۵) جو میرے اعمال کی ایک ایک چھوٹی سے چھوٹی شق میں جاتا ہے کہ جب کسی گھر کے دروازے پر جاؤ تو اندر مت جھاگو۔ اجازت لو اور اجازت نہ ملے تو پلٹ جاؤ۔ میں ایسے خدا کو کہاں لے کر جاسکتا ہوں جو راہ چلتے ہوئے مجھے پیام دیتا ہے کہ اگر کوئی تمہیں دُعا دے تو اُس سے بہتر دُعا دو۔ اگر بہتر نہ دے سکو تو کم از کم برآمدہ کی دعا اور پھر مجھے کہتا ہے کہ یہ کیا اصول تم نے اپنا رکھا ہے؟ کیا تمہیں علوم نہیں کہ میں نے قومِ شعیب کو عرفِ سلیمان کا کیا کیا لیتے ہوئے زیادہ مال لیتے تھے اور دیتے ہوئے کم دیتے تھے۔ جو خدا زندگی کے ہر شعبے میں اتنی گہری مداخلت رکھے Its not a western faith. (یہ مغربی عقیدہ نہیں ہے۔) جو اسلام کا قرآن کا، مصدق ترین version (روایت) کا خدا ہے وہ آپ کے ہر سانس میں مداخلت کرتا ہے۔ آپ کی آرزوؤں میں مداخلت کرتا ہے۔ آپ کی جستجو میں مداخلت کرتا ہے۔ خواہش و ارادے میں مداخلت کرتا ہے:

”وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ“

(تم نہیں چاہ سکتے اگر میں نہ چاہوں)

اب ایسے خدا سے آپ کیسے مخالفت کر سکتے ہیں؟ You got one basic question in life to settle. (آپ نے زندگی میں صرف ایک سوال حل کرنا ہے۔) کسے علم کہیں؟ کسے عالم کہیں؟ کسے عقل کہیں؟ کسے عقلمند کہیں؟ آپ کا خیال ہے کہ میں رسل کو عقلمند کیوں گا۔ میں ”برگسان“ اور ”میسے“ کو عقلمند کیوں گا۔ میں ”فائنسن“ کو عقلمند کیوں گا؟ جب ان میں سے کسی نے زندگی کے آغاز سے اپنے آپ سے وہ سوال ہی نہیں پوچھا تو میں کسے عقل مند کیوں؟

زندگی کو شروع کرنے سے پہلے اگر آپ نے اس مسئلے کو حل نہیں کیا تو پھر ساری زندگی آپ پکڑنڈیوں پر کھویں گے۔ آپ کو کبھی رستہ نصیب نہیں ہوگا۔ وہ کون عقل مند ہے جو زندگی گزارنے سے پہلے یہ فیصلہ نہ کرے کہ میں آزاد ہوں کہ غلام ہوں۔ اگر میں کسی خدا کے واحد کو ماننا ہوں تو پھر میں غلام ہوں۔ اگر میں خدا کو نہیں ماننا، اگر میں اللہ کو نہیں ماننا تو میں آزاد ہوں۔ میں جو چاہوں کروں۔ میں شراب پیوں گا، اگر خدا نہیں ہے تو پھر میں ہر قسم کی وہ برائی کروں گا جس سے خدا مجھے رات کو روکتا ہے اور اگر وہ ہے تو پھر میں آزاد نہیں ہوں۔ میں نے اپنی تمام تر زندگی اس شعور سے گزارنی ہے کہ کوئی مجھ پر نگران ہے، کسی نے مجھے ضابطہ حیات دے رکھا ہے اصول اور conduct دے رکھا ہے اور میں نے اس اصول اور conduct کے مطابق اگر زندگی نہ گذاری تو میرا انجام billions اور trillions (لاکھوں اور کروڑوں) سالوں کی جہنم

ہے۔ خواتین و حضرات! یہ بڑا بُرا سودا ہے۔ ان سانچہ برسوں کے بدلے یہ بڑا بُرا سودا ہے۔
 Trillion years of galaxial life, good or bad, acceptable or
 not acceptable. اگر میں ان trillion years of the life (کھریوں سالوں
 کی زندگی) بلکہ unimaginable (خیال سے ورا) ایک طویل زندگی کا سودا ان سانچہ سالوں
 سے کر رہا ہوں تو I'm a very bad businessman. (میں بہت برا دکاندار
 ہوں) میں بہت بُرا انسان ہوں جو واضح طور پر ایک بہت بڑے سودے کو ignore (نظر انداز)
 کر رہا ہے جس کو حقیقت کا پتہ نہیں ہے کہ وہ اس زندگی، مختصر کا سودا بہت بڑی اور طویل زندگی کے
 عذاب و ثواب سے کر رہا ہے۔

یورپ میں اور ہم میں ایک بنیادی فرق ہے اور وہ فرق بھی اللہ ہی کی وجہ سے ہے۔
 اُن کا خیال یہ ہے کہ We live only once. (ہم صرف ایک بار زندگی پاتے ہیں۔) اُن
 کا خیال یہ ہے کہ جیسے قرآن نے کہا کہ ”جب ہم مرجائیں گے تو بھلا بوسیدہ ہڈیوں میں بھی کبھی
 جان پرستی ہے۔“ یہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے! بیٹھے نے خدا پر غور کیا یا نہیں کیا، برگساں نے خدا پر غور
 کیا یا نہ کیا مگر دونوں ایک چیز پر متفق ہیں لیکن ذرا سے رجحان بدل کر..... ایک کہتا ہے کہ زمانہ
 ہمیں energy (توانائی) کی شکل میں exhaust (صرف) کر رہا ہے۔ ہم سب energy
 کی شکلیں ہیں اور زمانہ ہمیں exhaust کر رہا ہے۔ جب ساری shapes ختم ہو جائیں گی تو
 زمانہ دوبارہ ہمیں تخلیق کرنا شروع کر دے گا۔ (ہو سکتا ہے کہ ارب ہزار سال کے بعد اسی شاف
 کالج میں اسی طرح ہم آئے سانسے بیٹھے ہوں۔ تو کوئی پائیند ہٹان کیوں نہ بتایا جائے یہاں تا
 نا کہ پھر کبھی آئیں تو پہچان سکیں) اور دوسرا concept یہ ہے کہ ایک فلم ہے جو already بن
 چکی ہے جیسا کہ برگساں Stream of consciousness (Elan vital) میں کہتا
 ہے۔ یہ دونوں کے دونوں حضرات، یہ معتبر فلاسفر زمان و مکاں کو بنیادی، تخلیقی اکائی قرار دیتے
 ہیں مگر دیکھئے خدا و جد کریم نے قرآن میں کیا فرمایا..... This long before
 "Bargsaan" was born, long before "Nittshay" was born,
 long before "Whitehead" and "Russel" was born. (برگساں
 کے پیدا ہونے سے لمبا عرصہ پہلے، نیٹسے وائٹ ہیڈ اور رسل کے پیدا ہونے سے بھی پہلے، بہت
 پہلے) اللہ کہتا ہے کہ ”یہ دانشور یہ خیال کرتے ہیں کہ زمانہ ہمیں زندہ رکھتا ہے اور زمانہ ہمیں مارتا

ہے۔ اُن کا علم جو کم ہے۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ یہ جاہل مطلق ہیں، یہ نہیں کہا کہ انہوں نے سوچنے کی کوشش نہیں کی مگر ایک بات بڑی خوبصورتی سے کہی کہ ان کا علم جو کم ہے۔ اگر ان کو زیادہ علم ہوتا تو یہ بہتر بات کرتے۔ جہاں کہیں بھی رب کریم کسی کو challenge دیتا ہے (برامہ کی بات تو وہ کر نہیں سکتا) مگر جہاں بھی کسی اعلیٰ ترین عقلی مخلوق کی بات کرنا ہے تو یہ ضرور کہتا ہے کہ یہ بے چارے کیا کریں، ان کا علم جو کم ہے۔ خواتین و حضرات! یہ کونسا خدائے مطلق ہے جو بار بار ہم کو آپ کو علم کی کمی کا طعن دیتا ہے۔ ادھر ہم لوگ blind faith (اندھے معتقد) ہیں۔ ہم لوگ blind faith کو بڑا معتبر سمجھتے ہیں۔ بہت سے حضرات کہتے ہیں کہ ہمیں سوچ و سوچ سے کوئی تعلق نہیں ہے ہمیں تو بس یہ پتہ ہے کہ خدا ہے اور ہم نے اُسے مان لیا ہے۔ مگر یہ کوئی faith (یقین) نہیں ہے۔ اگر یہ faith ہوتا تو اللہ اس کی تعریف میں ایک جملہ کہتا مگر تعریف تو بڑی دور کی بات ہے، وہ تو طعن زن ہے۔ اہل کفر پر وہ طعن زن ہے کہ اگر تم میں عقل ہوتی، اگر تمہیں شعور ہوتا تو تم آباؤ اجداد کے مسلک پر نہ جاتے۔ وہ اہل کفر کو طعن دیتا ہے کہ اگر تم عقل و شعور اور فہم و تدبر سے کام لیتے تو تم اپنے آباؤ اجداد کے دین پر نہ جاتے بلکہ تم غور و فکر کرتے کیونکہ رب کائنات کی بے شمار نشانیاں ہیں، آیات و ائمہ ہیں، علامات ہیں۔ تم ان میں سے کسی نہ کسی طریقے سے اپنے اللہ کو پہچان لیتے۔ میں ایک سوال آپ سے کرنا چاہتا ہوں کہ کیا خدا اتنا انصاف ہے کہ جو طعن و جاہل کفر کو دے رہا ہے وہ آپ کو نہیں دے گا کہ

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد

اے قوم مسلم! اے! کہ ہم اور آپ تمام اپنے آباؤ اجداد کے دین پر قائم ہیں۔ اس کی خدا کے نزدیک کیا value (قدر) ہو سکتی ہے۔ جنہوں نے کبھی توحید پر غور نہیں کیا، کبھی ایمان پر غور نہیں کیا سوائے اس کے کہ میراث میں ہمیں اللہ مل گیا۔ ہم نے اللہ کو دیکھا سنا بالکل کوئی نہیں ہم نے اُسے اپنی زندگی میں داخل نہیں کیا۔ ہمارے پاس ایک ایسا اللہ ہے جو نہ ہمیں زما سے روکتا ہے، نہ ہمیں چوری سے روکتا ہے، نہ ہمیں جھوٹے بولنے سے روکتا ہے، نہ رشوت سے روکتا ہے، ہمیں کسی کام سے یہ اللہ نہیں روکتا۔ یہ میراث میں آیا ہوا اللہ..... اس کا کوئی effect (اثر) ہماری practical (عملی) زندگی میں نہیں ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ خدا اس سے خوش ہوگا۔ ہاں ایک advantage ضرور ہو سکتا تھا۔ ایک advantage (فائدہ) اس اللہ کیلئے ضرور ہو سکتا تھا کہ جب ہمارا دین شرک کا نہ ہو تو خدائے واحد کی طرف آتے ہوئے ہمیں دشواری ہوتی..... اگر ہم

denial (کار) کے فلسفے پر ہوں تو accept (تسلیم) کرنا ہماری ضد اورانا کا مسئلہ بن جاتا۔ ایک آسانی بحیثیت مسلمان کے آپ کو نصیب تھی کہ آپ کو خدا کے تصور سے پہلے سے آشنائی تھی اور آپ allergic نہیں تھے۔ جیسے اب لوگ allergic ہیں پہلے لوگ allergic نہیں تھے۔ تو پھر اس advantage (فائدہ) کو آپ کو غور و فکر کیلئے استعمال کرنا چاہیے تھا مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوا اور جب آپ کو خدا ملا یا اللہ کا تصور ملا تو آپ نے اُسے جزدان میں سمیٹ کر خوبصورت خوشبوئیں لگائیں اور طاقتوں میں رکھ دیا۔ بالکل ان عزاروں کی طرح جن کی چادریں چوم کر آپ کی زندگی کو سکون مل جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کو اور اس کی تعلیمات کو آپ نے اتنی دور رکھ دیا کہ وہ آپ کی زندگی میں کوئی حصہ نہیں رکھتا۔

کوئی ایسا thesis (نظریہ) زندگی میں کامیاب نہیں ہو سکتا جو زمان و مکان کی پرکھ پر پورا نہ اترے۔ اگر آپ نے اللہ کے بارے میں سوچا نہیں، اگر آپ نے یقین و اعتقاد کے بارے میں نہیں سوچا، اگر خدائے واحد کے بارے میں آپ کا غور و فکر نہیں ہے تو آپ کبھی بھی

”برأئتمو عاشقان“ نہیں پا سکتے۔ You will never reach the God.

”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ“ (۹۲:۳)

تم کبھی بھی مجھے نہیں حاصل کر سکتے۔ تم میری برائت حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ میری راہ میں محبتیں قربان نہ کرو۔ جب تک کہ میرے لیے مانگے نہ دو۔

دیکھئے! عجیب سی بات ہے خدا عہد کریم نے جب ایمان بالغیب ذکر کیے تو اس کے مظاہر کیا رکھے:

”وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ“ (۳:۲)

(وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دینے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔)

کہ جس کو غیب پر یا جس کو غیب میں موجود اللہ کا خیال ہے وہ ظاہر میں دو باتیں ضرور کرنا ہے۔ ایک تو یہ کہ نماز پڑھتا ہے۔ ایسا کوئی بھی انسان باقاعدگی سے نماز نہیں پڑھ سکتا جس کو غیب میں اللہ پر یقین نہ ہو اور دوسری بات یہ کہ وہ خرچ کرتا ہے۔ آپ خود سوچو کہ یا ایمان بالغیب کو کتنا پہلو ہے۔ مگر اگر آپ تھوڑی سی وضاحت سے سوچو تو آپ اس بات پر حیران ہو جاؤ گے کہ وجود غیب پر ایمان بڑا ضروری ہے اسلئے کہ خرچہ تو وہ ہے جسے یہ یقین ہے کہ کوئی غیب میں ایسی ہستی موجود ہے جو میرے خرچ کا مجھے معاوضہ دے گی۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ میں جو راہ خدا میں خرچتا ہوں، جو

مال میں لگا رہا ہوں، کوئی ہستی موجود ہے، اللہ موجود ہے اور وہ یقیناً میرے نقصان کا ازالہ کر دے گا اور خداوند کریم نے اس فرپنے کے aspect (پیلو) کو بھی ایمان بالغیب کا حصہ قرار دیا ہے۔ Which you don't be practical. (جو آپ عملی طور پر نہیں ہو) اور جو جتنا بڑا بخیل ہوگا اتنا ہی وہ اللہ سے دور ہوگا کیونکہ بخیل کو یقین نہیں ہے کہ میں جو فرچوں گا وہ پورا کر دیا جائے گا۔ اگر اس کو یہ یقین نہیں ہے تو اُسے اللہ پر ایمان بالغیب بھی نہیں ہے۔ جسے اللہ پر یقین ہے اُسے اللہ کی باتوں پر بھی یقین ہے۔ ”مَنْ كَالَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً“ (البقرہ: ۲۴۵) خدا کہتا ہے کہ جو مجھے قرض دیتا ہے، جو میرے سام پر فرچتا ہے میں اضافہ کر کے اُسے لوٹا دیتا ہوں۔ We don't believe, so we don't spend. (ہمیں یقین نہیں ہے اس لئے ہم فرچتے نہیں ہیں۔) یعنی زندگی کے دو بڑے aspects ہیں ایک عبادات کا اور دوسرا فرچ اور اخراجات کا اور اگر خدائے واحد پر یقین نہ ہو تو انسان ان دونوں پر عمل نہیں کر سکتا۔ دیکھئے! جب عرب میں عبادات ہوتی تھیں تو ایک عجیب سا concept (تصور) تھا۔ وہ عجیب سا concept اب بھی ہمارے اندر موجود ہے کہ ایک بے چارہ خدا کیا کیا کام کرنا ہوگا۔ How long can he do? ایک خدا.....! کہ اتنے سارے دنیا کے کھڑے ہوئے کام ہیں۔ وہ سارے کام اکیلا کیسے سرانجام دے گا۔ اہل کفر کہہ جاتے تھے وہ اللہ کے کام سے پہلے بھی آشنا تھے۔ انکے پاس ’اللہ‘ نام موجود تھا۔ وہ خدائے واحد کا نام تھا۔ آخر وہ حضرت ابراہیم کے زمانے سے خدائے واحد سے آشنا تھے۔ اُن کا اصرار یہ تھا کہ ایک خدا سارے کام کیسے کر لیتا ہے اس لئے انہوں نے خدا کی تین بیٹیاں بنائیں۔ لات، منات اور عزی.....! اور یہ تین بیٹیاں خدا کے مختلف کام بنانے کے لئے تھیں۔

”شُرک یا خدائی میں شریک کرنا بنیادی طور پر اس کمزوری کی وجہ سے پیدا

ہوتا ہے کہ خدائے واحد سے اپنے تعلق کو بہت مشکل سمجھتے ہوئے سچ

میں ایسے رابطے پیدا کرتے ہیں جو اسی dignity (مرتبے) کے حامل

ہوں جس کا خدا حامل ہے۔“

وہ اس کے گروہ، اس کی برادری، اس کے اشکال ایسے پیدا کرتے ہیں جو توحید پر براہ راست ضرب مارتی ہے اور اس کی بنیادی وجہ انسان کا یہ concept ہے کہ ایک خدا آخر اتنی بڑی کائنات کا کیسے احاطہ کرنا ہے۔ جیسے میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ انسان کی سب سے بڑی

غلطی یہ ہے کہ وہ خدا پر اپنے angle (زاویے) سے غور کرتا ہے۔ اپنی limitations (حدود) سے غور کرتا ہے، اپنی محدود ذہانتوں سے غور کرتا ہے۔ کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا کہ اللہ کتنا بڑا ہے اور اس کا وجود عالی کتنا مکرم و معجز اور معزز ہے۔ چونکہ ہم خدا کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں اور جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے اس لیے ہمیں خدا سے ایک اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ Does God feel the same? I don't think so. (کیا خدا بھی ایسا ہی محسوس کرتا ہے؟ میں ایسا نہیں سمجھتا۔) بلکہ اگر ہم اللہ کی طرف سے دیکھیں تو بہت ساری مخلوقات زمین و آسمان میں سے، ملائکہ، جنات ہر قسم کے شیاطین جو بھی اُس نے پیدا کیے تجرباتی ادوار سے گذرتے ہوئے کائنات میں اُس نے سب کو محدود intelligence (ذہانت) سے نوازا۔ کسی کو ایک کام کیلئے memory دی اور کسی کو دوسرے کام کیلئے ----- But he was looking for something very very different. (لیکن وہ کوئی بہت ہی انوکھی چیز ڈھونڈ رہا تھا۔) کسی نے سید جھویر سے پوچھا کہ اللہ ظاہر کیوں نہ ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر اللہ ظاہر ہو جاتا تو ایمان جبر ہو جاتا۔ پھر آپ اُس سے انکار نہ کر سکتے۔ مگر اگر جبر ہو جاتا تو پھر بھی آپ گناہ کرتے، گستاخیاں کرتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ آدم سے خطا ہوئی۔ ہمیں معلوم ہے کہ شیطان نے حکم خداوند سے انکار کیا۔ اگر ایسی صورت حال پیدا ہوتی تو نسل انسان کی بناء کیلئے کوئی جہت نہ رہتی اس لیے خدا نے کرم فرمایا۔ یہ اُس کی رحمت کبیر کا ایک حصہ تھا کہ اُس نے اپنے آپ کو اوٹھل کر دیا۔ خواتین و حضرات! سوال یہ ہے کہ کیا پھر اللہ نے اپنے حقیقی وجود یا موجودگی کیلئے کوئی ثبوت چھوڑا۔ There are two aspects which we can discuss. (یہ دو پہلو ہیں جن پر ہم بحث کر سکتے ہیں۔) ایک وجود خداوند ----- اور دوسرا موجودگی خداوند -----

ہم جو اپنے گلی اور محلے کے لوگوں کو پورا نہیں جانتے With the best of installations, with Hubble in the skies and with the best instruments of sensitivity which we have created in sciences we are not yet able to understand things around us. (بہترین آلات کے ساتھ آسمانوں میں اور جدید سائنسی حساس ترین آلات کے ساتھ بھی ہم اپنے ارد گرد کی چیزوں کو جاننے کے قائل نہیں ہیں۔) ہم میں اپنے سماجی شعور مکمل

نہیں، اخلاقی شعور مکمل نہیں، آپ اندازہ کیجئے کہ زندگی کبھی اتنی غیر محفوظ نہیں تھی جتنی آج ہے۔ اس ترقی اور تمدن کے باوجود، اس دعویٰ عزت کے باوجود جس کی وجہ سے انسان پچھلے زمانوں پر تقاضے محسوس کرتا ہے، زندگی کبھی بھی اتنی غیر محفوظ نہیں تھی جتنی آج ہے۔ اتنا بڑا risk (خطرہ) زندگی انسان کو پہلے کبھی نصیب نہیں تھا اور آج جب کہ طبعی ہلاکت کے بے پناہ سامان موجود ہیں۔ We can finish ourselves any time. (ہم اپنے آپ کو کسی بھی وقت ختم کر سکتے ہیں۔)

قرآن کی آیت ہے کہ: اگر یہ دوبارہ ایسا کریں گے تو ہم زمین پر ان کے ہاتھوں سے ان کو سزا دیں گے (مانند: ۱۱۵) اور وہ وقت یقیناً اتنا قریب نظر آ رہا ہے کہ اس حقیقت سے کوئی انکار ممکن نہیں ہے۔ اپنی اصطلاحات، اپنی دانشوری اور عقل کے باوجود ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم احاطہ وجود خداوند کریں اور پھر اگر ایک شخص یہ دعویٰ بھی کرے کہ میں خدا کے بارے میں کچھ جانتا ہوں تو کم سے کم اُس کو ان چوبیس لوگوں کے مختلف احساسات و خیالات کا بھی جائزہ لینا ہوگا جو ہر فرد واحد خدا کے بارے میں رکھتا ہے۔ تب کہیں جا کر اللہ کے وجود کے بارے میں ایک معمولی سی miss judgement (غیر حتمی رائے) create ہوگی مگر دوسرا طریقہ بڑا واضح ہے۔ اگر ہم وجود خداوند سے شناسائی نہیں رکھتے تو کم از کم اسکی موجودگی ہم ضرور پرکھ سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کوئی romantic reason (خیالی وجہ) دیں۔ ہمارے پاس ایک perfect scientific reason (مکمل سائنسی وجہ) موجود ہے جسکو کوئی شخص کسی بھی وقت چیک کر کے خدا کے وجود اور موجودگی کے بارے میں discuss (بحث) کر سکتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو سب سے بڑے اعتراضات اللہ کے وجود کے بارے میں آئے وہ چانچے تھے۔ اُن میں سے کچھ قابل غور تھے اور کچھ قطعاً قابل غور نہیں تھے۔ Anthropologists (ماہرین علم الانسان) نے کہا:

There is no God and if there had been no God man would have created one.

چونکہ خدا ضرورت انسان تھا اسلئے اگر خدا نہیں ہے اور نہ بھی ہوتا تو انسان اپنے لئے خدا کو ضرور تخلیق کر لیتا، کیونکہ کسی بڑی سی super concept (اعلیٰ ترین ہستی) کے خوف کے بغیر society کسی قیمت پر چلتی نہ تھی اسلئے معاشروں کو خدا کے تصور کو تخلیق کرنا پڑا کہ کسی نہ کسی

ما فوق الفطرت کا خوف کوئی taboo یا کوئی totem انسانوں کو تاپو میں رکھے اور پھر ان کو
 قانون کے مطابق کام کرنے پر مجبور کرے۔ communists (کمیونسٹ) نے کہا:
 religion is opium (مذہب تو افیون ہے) یہ تو غریب لوگوں کی تسکین پہلے امراء نے ان
 کو ایک ”کھنڈ“ دیا ہوا ہے تاکہ یہ بغاوت پر آمادہ نہ ہوں تاکہ thesis (نظریہ) کے الٹ
 Anti thesis (رد نظریہ) نہ پیدا ہو جائیں۔ غلام اور آقا کی آپس میں جنگ نہ ہو۔ پھر
 semantics (ماہرین لسان) والوں نے کہا کہ خدا ایک لفظ ہے۔ اس لفظ کا کوئی وجود نہیں۔
 پیاز کے چھلکے ہیں، انار تے جاؤ، آخر میں خلا رہ جائے گا۔ آپ رحمان و رحیم کو چھوڑو بہت بڑے
 الفاظ جو صبح و شام آپ بولتے رہتے ہو ان کو چھوڑو۔ اگر ان کی جستجو کرو گے تو خالی سی شے نکلے گی۔
 ہم نے خود ہی ایک تصور کو بڑی طاقت بخشی ہوئی ہے ورنہ خدا ہے ہی نہیں۔ مگر سب سے معتبر
 اعتراض logical positivists نے دیا۔ منطقی استدلال والوں نے کہا کہ ہمارے ذہن
 میں ہر چیز کا ایک construct logical (منطقی خاک) ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ یہ میز ہے،
 میرے ذہن میں میز کا ایک construct ہے۔ اس قسم کے میز ہر جگہ نہیں ہوتے مگر میز دھانگوں
 والا ہو، ایک مانگ والا ہو یا دس مانگوں والا ہو جب بھی میں کوئی ایسی چیز دیکھوں گا جو اس سے
 مشابہ ہوگی تو میں اسے میز کہوں گا کیونکہ میرے دماغ میں ایک logical construct موجود
 ہے، ایک جزو منطقی موجود ہے کہ اس قسم کی چیز کو ہم میز کہیں اور خدا کے بارے میں کوئی logical
 construct موجود نہیں۔ قطعاً نہیں، باقی کتاب پڑھا ہے مگر جس اندھے نے زندگی بھر نہیں دیکھا
 آپ اسے ہزار convince (قائل) کرو اسے کوئی پتہ نہیں کہ باقی کیا ہے۔ logical
 positivists یہ کہتے تھے کہ خدا کا کوئی data (اعداد و شمار) زمین پر موجود نہیں ہے اسلئے خدا
 کوئی نہیں ہے۔ It's a nonsense. (یہ خدا بے عقلی کی بات ہے۔) یہاں جملہ لوگ غلط
 بیانی کر رہے تھے اسلئے کہ انہوں نے خدا کو کبھی تلاش نہیں کیا تھا، کبھی ڈھونڈا نہیں تھا کبھی اس کے
 بارے میں شجیدہ نہیں ہوئے تھے اسلئے جملہ لوگ ایک غلطی کر رہے تھے خدا کا بہت بڑا data
 زمین پر موجود تھا۔ جس کو خدا claim (دعوئی) کر رہا تھا۔ اگر خدا یہ claim کرے کہ یہ چیز
 میری ہے پھر ہم اس چیز میں سے نقص نکال دیں تو پھر کم از کم خدا کی fallibility اس کی غلطی تو
 ہمارے سامنے آ جائے گی اور یہ یاد رکھیے کہ انسان ہزار غلطی کرے تو اس کی انسانیت ختم نہیں
 ہوتی وہ انسان ہی رہتا ہے مگر خدا ایک بھی غلطی کرے تو خدا نہیں رہتا، سو جب اللہ یہ claim کر

رہا ہے کہ دیکھو ساری کتابوں میں سے میں کسی کو own نہیں کر رہا۔ میں تو رات نہیں own کر رہا یہ کتاب میری تھی مگر میں اب اسکے پیچھے نہیں ہوں۔ میں اسکی قبولیت نہیں دیکھ رہا۔ یہ mistrust (بے یقین) ہو چکی ہے۔ اسکے facts 'corrupt' (حقائق مسخ) ہو چکے ہیں۔ I am not being presented by this book so I wouldn't say. (اب میں اس کتاب سے ظاہر نہیں ہوں گا اس لئے اب میں یہ نہیں کہوں گا کہ آپ مجھ پر argument (دلیل) دیتے ہوئے اس کتاب کو consult (رجوع) کرو۔ یہی تو رات، نامود، انجیل، صحیفہ ابراہیم دوسری کا حال تھا مگر ایک کتاب ایسی ہے جو میری جہاں میں اسکی پوری پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔ اس کا ایک ایک لفظ میرا ہے اور نہ صرف میرا ہے بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ قیامت تک اس کی حفاظت رہے گی۔ یہ میرے بارے میں غیر متغیر، مستند اور معتبر ترین data ہے۔

”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ (۹: ۱۵)

(ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم اسکی حفاظت کر رہے ہیں۔)

اگر ہم پر حجت چاہئے تو پھر اس کتاب کو سند بنا لو۔ قرآن سے کچھ غلا کر لو۔ قرآن کی کسی بات کو جھٹلا لو، کسی fact کو جھٹلا لو۔ کسی انداز کو جھٹلا لو تو تمہیں خدا سے نجات مل جائے گی خواتین و حضرات یہ عجیب و غریب کتاب ہے جس کی پہلی آیت کا دعویٰ یہی ہے کہ

”الَمْ ۝ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ“ (۲: ۲)

یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ ہے شک تو نکال لو۔ یہ کتاب ابتدائی میں ہر سوچنے بگھنے والے کو ایک چیلنج دیتی ہے۔ دیکھئے آگے خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ

”ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ“ (۱۷۶: ۲)

(اس کتاب کو ہم نے سچائی سے اتارا ہے)

مگر شروع میں یہ نہیں کہا، شروع میں یہ کہا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کو تمہارے تجسس، تمہارے نظروں، تمہارے انداز، seminars سارے مل کر بھی غلا نہ بت نہیں کر سکتے۔ اے جہلائے زمین اور اے فضلاء وقت! آؤ اور مل کر اس کتاب پر غور کرو اور اس میں سے کوئی، شک کی بات نکال دو۔۔۔۔۔ اور یہ تمہیں میں کہہ رہا ہوں۔ میں خدا نے واحد یہ کہہ رہا ہوں۔ میں جو تمہارا اللہ ہوں، یہ کہہ رہا ہوں کہ: ”الَمْ ۝ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ“ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ مگر ہم

اسے پر نہیں گئے کیسے.....؟ فرض کرو اللہ کہتا ہے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھو۔ میں کہتا ہوں: ”نہیں پڑھتا۔“ تو پھر اس سے judgement (پرکھ) کیسے ہو سکتی ہے کہ یہ کتاب صحیح ہے یا غلط ہے۔ اس کتاب میں بے شمار احکامات ہیں:

”يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ“ (۲: ۲۱۵)

(تم سے پوچھتے ہیں کہ خرچ کیا کریں)

”قُلِ الْعَفْوَ“ (کہہ دو کہ جو ضرورت سے بچے خرچ کر دو) چلو ضرورت میں بھی اگر تھوڑا آسائش کے لیے رکھنا چاہو تو وہ بھی رکھ لو پھر خرچ کرو۔ یہ نہ ہو کہ ایک صدی کے تحفظات لے کر پھر خرچ کرنا شروع کر دو۔ اگر یہ بھی کرنا ہے تو کر لو..... پھر اس کے بعد ہزار با سوالات ایسے پوچھے جاتے ہیں جو اعمال کے ہیں جو conduct پر ہیں جن سے خدا کی judgement نہیں ہوتی مگر اسی کتاب میں ہزار بابی آیات ہیں جو سکہ بند سائنسی حقائق پر ہیں اور وہ حقائق جو ابھی تک ثابت نہیں ہوئے۔ ایسے حقائق اس کتاب میں موجود ہیں کہ جملہ سائنسدان، جملہ ترقی یافتہ تہذیبوں کے انسان اگر چاہیں تو اس کتاب کو judge (پرکھ) کر سکتے ہیں۔ صرف دو آیات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ بے شمار آیات ہیں مگر ہمارا دستور عمل یہ ہونا چاہیے، میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ آزاد لوگ ہیں تو آپ کو چاہیے تھا کہ آپ قرآن اور خدا سے آزادی حاصل کرتے If you want to live your own life, the way you want to live your life you must get rid of God first. اور اگر نہیں ہے تو پھر آپ کو دوبارہ سوچنا ہو گا کہ جس خدا سے کسی قیمت پر نجات نہیں ہے تو پھر اس کی تعمیل ارشاد کے سوا آپ کیا کر سکتے ہیں۔ یہ تو ایک عقلی مجبوری ہے۔ ذہانت کی commitment ہے۔ اللہ نے فرمایا:

”أَوَلَمْ يَرِ الْيَتِيمَ أَكْثَرُ“.....

How dare you deny me. ذرا اندازہ دیکھئے..... کہ تمہیں جرأت کیسے ہوئی۔ تمہیں خیال کیسے ہوا کہ تم رب کائنات کے انکار کی مجال رکھتے ہو۔ In the beginning heavens and earth were one mass. یہ تمام کائنات ایک وجود مطلق تھا۔ پھر ہم نے اسے چاروں طرف کے ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا۔ This was the origin of universe (یکائنات کا آغاز تھا)

”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ“ (۲۱: ۳۰)

And we created all life out of water.

(اور ہم نے تمام زندگی کو پانی سے پیدا کیا ہے)

خواتین و حضرات! یہ عباداتی حکم تو نہیں ہے۔ یہ Scientific (سائنسی حقائق) facts ہیں۔ پندرہ سو برس پہلے کوئی لیبارٹری تو نہیں تھی۔ کوئی مجتوں تو تھا نہیں..... یہ کسی Psychopath (ذہنی مریض) کے لفظ تو نہیں تھا..... یہ خدا نے ایک بات کہی تھی اور اس نے آپ کو ایک آزادی دے دی کہ زمانہ آخر تک Check کرو سوچو سمجھو، کیا سوچئے اور اسے جاننے کے لئے یہ دوایات ہی کافی نہیں تھیں۔

اس کتاب میں اُسے سماجی قانون دیئے، Social قانون دیئے۔ ذرا Anthropologist سے پوچھ کر بتائیے کہ بھائی! زندگی کیسے بنی.....؟

”وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤأَيُّهَاۤ اَلۡاَلۡبَابُ ؕ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ“ (۱۷۹:۲)

اے اہل عقل! اگر تم غور کرو تو ہم نے قصاص میں زندگی رکھی ہے۔ اگر شروع سے انسان، انسانوں کو اسی طرح قتل کرتے رہتے اور وہ ایک آدمی کے بدلے ایک قبیلہ قتل کر دیتے تو تم یہاں اکیسویں صدی تک چوارب ہو کر نہ پہنچتے۔ ہم نے پھر اصول دیا۔ ہم نے قصاص زندگی کا قانون دیا کہ دیکھو قتل میں زیادتی نہ کرو جس نے ایک دانت نکالا ہے اس کا ایک دانت نکالو۔ جس کا کان کٹا ہے وہ کان کٹوائے۔ جس نے مکہ مارا ہے وہ ایک مکہ کھائے۔ جس نے جان لی ہے وہ جان لے مگر اس سے زیادہ زیادتی نہ کرو کیونکہ اس سے زیادہ اگر آگے بڑھو گے تو پھر تمہارا معاشرہ، تمہاری زندگی، تمہارا کردار حیات تمام تباہ ہو جائے گا اور تم ایک صدی سے دوسری صدی تک جانے کے قابل نہیں رہو گے پھر عجیب سی بات فرمائی اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ مدتوں بعد وہ بات آئن سٹائن کو سمجھ آ گئی مگر ہمارے کسی مسلمان عالم نے جستجو ہی نہیں کی۔ نہ کسی کتاب حقیقت میں اسے لکھا کہ باقی باتیں تو درست ہیں مگر ہمارا ”اللہ تو فرما رہا ہے کہ“

”وَالسَّمَآءُ بَنَيْنَهَا يٰۤاَيُّدُ“

(ہم نے آسمان کو اپنے زور بازو سے بنایا ہے)

ہم بنانے والے ہیں ہم میں طاقت ہے اسے بنانے کی۔

”وَ اِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنُ“ (۴۷:۵۱)

(اور ہم اسے وسیع تر کر رہے ہیں)

پندرہ سو برس پہلے پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے ارد گرد جو کائنات بنائی ہے ہم اسے وسیع تر کر رہے ہیں۔ یہ سائنس کی وجہاتیں ہیں جو پہلے سے درج تھیں اور ایسی بے شمار باتیں اور بھی ہیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسانوں کا علم، ان کی Sciences اتنی ترقی کر چکی ہیں کہ حرف خدا تمام ہو چکا ہے یا ہمیں یہ طعن دیا جائے کہ ادھر سائنس کی دریافت ہوتی ہے ادھر قرآن سے تم آیتیں نکال لیتے ہو۔ یہ کہاں کے اصول ہیں کہ ادھر Science نکلی ادھر مسلمانوں نے زور زوری کر کے قرآن کی آیت اس پر تھوپ دی۔ مگر ابھی تو قرآن پورا ہی نہیں ہوا، ابھی تو اللہ ہی کی باتیں پوری نہیں ہوئیں اور خداوند کریم کے علم کی مثال..... یہاں چھوٹے سے جملہ میں آپ کو ضرور سنا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس کائنات میں زمین کی حیثیت ایسی ہے جیسے کسی بہت بڑے جنگل میں ایک جھل پھینک دو اور پھر اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرو۔ اب ذرا دیکھئے کہ James Jeans کیا کہتے ہیں۔ مثالوں کا تقابلی آپ دیکھئے گا، بڑی دور کی بات ہے کہ اللہ تو اللہ ہے مگر اس کا رسول بھی علم میں بے پناہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جو source (سرچشمہ) ہے اسی نے یہ علم اسے ٹرانسفر کیا ہے..... James Jeans کہتا ہے کہ یہ ساری کائنات اور سارے دنیا کے صحرا اگر اکٹھے ہو جائیں تو پھر ہماری زمین صحرا کے ایک ڈرے کی طرح ہے۔ اگر آپ تطابقت دیکھیں تو جیسے خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر سارا گھٹا جنگل ہو جائے اور اس میں ایک چھلا پھینک دیا جائے تو وہ چھلا کبھی بھی آپ کو نہیں ملے گا۔ یعنی اس مثال میں ایک بہت بڑے سائنسدان کی تشیل اور ایک پیغمبر عظیم کی تشیل ایک جیسی ہیں مگر خداوند کریم ان تشیل میں بڑے exactitude (درست) سے کام لیتا ہے۔ اس کو علوم ہے کہ قرآن واحد کتاب ہے کہ جس کی language کے pattern (انداز) ہر زمانے میں ایک جیسے ہیں۔ سولہویں صدی میں جیفری چوسر (Jeffery Chaucer) ماڈرن انگریزی کا بانی سمجھا جاتا تھا۔ مگر چوسر کی انگریزی اور آج کی انگریزی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ چار سو برسوں میں زبان کی transformation (تبدیلی، صورت) کتنی بدل جاتی ہے۔ کیا قرآن بھی اتنا changeable (قابل تغیر) ہے؟ کیا پندرہ سو برس کے زمانی و مکانی فاصلوں کے بعد آج بھی ایک بچے کو، بڑے کو، بوڑھے کو قرآن ایسے ہی لگتا ہے جیسے ”جیفری چوسر“ کی language آج ہمیں لگتی ہے؟ یہ کبھی نہیں ہوا۔ یہ الہیاتی زبان ہے۔ خدا کہتا ہے کہ تمام زمان و مکان کے جائزے لے کر ہم نے ایک ایسی زبان میں اسے لکھا جو قابل تغیر

نہ تھی ہم نے اسکی ایک ایک آیت کو پرکھ لیا۔ یہ کسی زمانے میں ما قابل فہم نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ قدیم ادب و علم کا کوئی شخص خصوصاً اگر اسی علم و ادب کی شاخ کو جائے، اس میں post graduation کرے تو پھر اسے ”چوسر“ کی سمجھ آ جائے گی کہ یہ کیا ہے مگر یہ قانون قرآن پر لاگو نہیں ہوتا۔ قانون میں نو زائید و بچہ چار چھ سال کے بعد سب سے پہلے جس کتاب پر گرفت حاصل کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ قرآن ہے۔ ”کیا سہل کی ہم نے زبان.....؟“ کیا اللہ نے فرمایا نہیں کہ ہم نے اس زبان کو، اس کتاب کو، اس کے خیالات کو سہل کر دیا۔ یہ وہ خدائے حکیم ہے جو مستقبل کی خبر دیتے ہوئے کہتا ہے..... دیکھئے ایک چھوٹی سی آیت ہے مگر اگر انسان غور کرے تو سمجھ آتی ہے اور نہ غور کرے تو نہیں سمجھ آتی۔ جب آپ کائنات کی بات کرتے ہیں تو آپکو یہ سمجھ نہیں آتا کہ کائنات سے اللہ کی مراد کیا ہے مگر دیکھئے تو کسی جو بظاہر اس بڑی عظمت سے issue ہوتا ہے وہاں اشارہ بڑا معمولی سا ہے فرمایا:

”إِنَّا زَيْنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ“ (۵: ۶۷)

(ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا ہے۔)

جب آپ آنکھیں اٹھا کے پوری کائنات کو دیکھو تو وہ آپ کے vision میں ہوتی ہے۔ جہاں جہاں نظر جائے وہاں وہاں آسمان دنیا ہے۔ اگر آپ scientific (سائنسی) اصطلاح میں جائیں تو خدا پوری کائنات کی بات کرنا ہے۔ وہ صرف ایک constellation کی بات نہیں کرنا۔ صرف ایک چھوٹی سی galaxy کی بات نہیں کرنا بلکہ

”اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ“ (۱۲: ۶۵)

اللہ تو وہ ہے جس نے سات کائناتیں تخلیق کیں اور اسی کی طرح کی سات زمینیں اور وہ زمینیں مردہ (dead) نہیں ہیں۔ ہم تو بڑے خود پسند لوگ ہیں۔ ہماری عورتیں خود پسندی کا شکار ہیں۔ ہمارا intellectual خود پسندی کا شکار ہے۔ جو پوری انسانی محکم شخصیت ہے وہ خود پسندی کا شکار ہے۔ اور بدترین خود پسندی یہ ہے کہ ہم زمین پر اپنے آپ کو واحد سمجھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ ایک زمین بنا کر تھک گیا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ We are the only life belt in this universe ہمیں ارد گرد جب زندگی کے آثار نظر نہیں آتے تو ہم اس قافرا کا اور اس زکیمیت کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اسے خدائے واحد ہم بڑے سنا زان ہیں کہ تو نے صرف ہمیں پیدا کیا ہے اور پھر اپنے تخلیقی process کو اتنے خوبصورت لوگ پیدا کر کے بند کر دیا ہے۔ ان خوبصورت چھوٹے

میں سے پانچ بلین اللہ سے بالکل گریزاں ہیں مگر خداوند کریم کیلئے judgement اور پانچ پرکھ کا ایک scientific طریقہ ہے۔

”اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ“ (۱۲: ۶۵)

ازل سے سات زمینوں کے دوائر جاری ہیں، تو کیا یہ زمینیں خالی ہیں؟ کیا صرف ہماری life belt زندہ ہے اور باقی بخر ہیں؟ نہیں۔۔۔۔

”وَيُنَزِّلُ الْأَمْوَالَ بَيْنَهُنَّ“

(ان ساری زمینوں میں ہمارا حکم اترتا ہے)

”لَتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔۔۔۔۔“

(نا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کتنا بڑا اور کتنی قدرت والا ہے۔)

We can't imagine, We just can't imagine. (ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، بالکل نہیں کر سکتے) ہماری imaginations (تصورات) کو ان علمائے دین نے محدود کیا ہے کہ جو کنویں میں مینڈک کی طرح ہیں۔ آپ اندازہ کرو کہ ہمارا جنت کا کیا تصور ہے، ہمارا دوزخ کا کیا تصور ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ تین باغ ہیں جنت کے اوپر کھڑے، ان کی limitations (حدود) ہیں مگر خدا سے تو پوچھ کر دیکھو کہ جنت ہے کیا؟ وہ کہتا ہے کہ تمہیں ایک ایسی جنت کو بھیجا جائے گا کہ:

”عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ“ (۱۳۳: ۳)

جس کی چوڑائی ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی لمبائی کے برابر ہے، صرف ایک کائنات کو آپ نے ابھی پوری طرح نہیں دیکھا۔ اُس کا قریب ترین یا دور ترین یا اس کے border سے قریب ترین ستارہ جو اس وقت ہمیں نظر آ رہا ہے وہ پندرہ کھرب نوری سالوں کے فاصلے پر ہے۔ fifteen trillion light years آپ اندازہ کرو کہ وہ جنت کتنی بڑی ہوگی۔ اللہ نے وہ جنت کتنی بڑی بنائی ہوگی جس کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ وہ نوری سالوں کے فاصلے پر ہے۔ اتنی بڑی جنت کا تصور ایک مسجد کا ملا کیسے کر سکتا ہے؟ How would he do it? اُس کے آنے جانے کیلئے کوئی یکیاں گھوڑے تو نہیں ہونگے۔ ظاہر ہے کہ کوئی جراتی طریقہ ہو گا۔ کوئی conversion (تغیر) ہوگی، کوئی اور ذرائع ہوتے ہونگے ایک گھر سے دوسرے گھر جانے کیلئے۔ جنت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک گھر سے دوسرے گھر کا فاصلہ پانچ سو برس کا

ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کا نبی ﷺ time کے scale (پیمانے) میں بات کرتا ہے۔ یعنی اس scale میں جہاں سائنسدان بات کرتے ہیں وہ light year (نوری سالوں) میں بات کرتے ہیں۔

He is not talking in miles, He is talking in time scale that one house from the other house is five hundred light years away. پوچھا گیا، یا رسول اللہ ﷺ! ”وہاں سفر کیسے ہو گا۔“ فرمایا: ”براق سے“..... اسی طریقے کے کوئی electronic (برقیاتی) ذرائع ہو گئے یا کوئی conversion کے ذرائع ہو گئے۔ اگر زمین پر بھی conversion کا ایک process ہوتا تھا کہ ملک بلیس کا ”جہت سہا“ fusion (آمیژش) اور diffusion (پھیلاؤ) کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ گیا تو ظاہر ہے کہ جہت میں مقبول ترین ذریعہ مواملاات بھی یہی ہو گا۔ fusion اور diffusion ہو گا اور آپ واحد میں ایک گھر سے آپ دوسرے گھر کو پہنچ جائیں گے اس کے علاوہ تو پھر جہت cover (طے) ہی نہیں ہو سکتی۔ حضرات گرامی! اتنے بڑے خدا کا مقابل ڈھونڈنا یا اتنے بڑے خدا کے اقتدار میں ساجھی بنا کیا عقل و ہوش کا شیعہ ہے؟ اتنے بڑے پروردگار عالم کے بارے میں سوچتے ہوئے ہماری imaginations (قوت خیال) محدود ہو جاتی ہیں۔ اس کی high limits تک پہنچنا ہمارے بس کا کام نہیں ہے۔

اس کا تمام جہر انسانوں کی بہتری کیلئے ہے۔ ہم اُسے مطلق خدا سمجھتے ہیں مگر مجھے حیرانی ہے اس خدا پر کہ اتنی بڑی طاقت اور عروج..... ناقابل بیان سرحدوں سے گزرتا ہوا اس کا جاہ و جلال اور دیکھو زمین پر اپنا نشان کتنا سادہ بنانا ہے۔ کیا یہ سبق نہیں ہے اقتدار اعلیٰ کیلئے؟ کیا آپ نے کعبہ دیکھا ہے؟ چار دیواریں تلخ اندھیروں سے بنی ہوئیں جیسے نو نے پھونے پتھروں کو ادھر ادھر جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ اتنی بڑی قدرت والا رب.....! اور اتنا سادہ اظہار خدائی.....! کیا سبق نہیں ہے اُن علمائے اقتدار کیلئے، ان بادشاہان وقت کیلئے جو اقتدار کو اپنی ذاتی خواہشات، تمرد اور تکبر کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے بڑی طاقت کس کو نصیب ہے مگر زمین پر اپنا symbol کتنا سادہ رکھتا ہے۔ شاید زمین پر اپنے بندوں کو اس اقتدار کی مثال دے رہا ہے کہ میرے پاس تو سارا زرمال ہے، ساری کائنات ہے۔ میں چاہتا تو اپنے لئے زمرہ دار سونے کا گھر تخلیق کر سکتا تھا مگر میں نے تمہیں کتنی سادہ ہی مثال دی ہے کہ طاقت کو خلاف نفس استعمال کرو۔

”وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ“ (۴۰: ۸۰)

(وہ جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا)

”وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ“

(اور اس نے اپنے نفس اور خواہش کی مخالفت کی)

خواتین و حضرات! نفس repeat کرنے والا ہے۔ دہرانے والا۔۔۔۔۔ نفسیات کا نفس اور بجا اور اللہ جس نفس کی بات کرنا ہے وہ اور ہے۔ نفسیات کا نفس انسان کو بے کاری، تسال psychosis, neurosis, depression اور tension میں ڈالتا ہے۔ یہ اسکے بعد گولیاں کھانے سے ٹھیک بھی ہو سکتا ہے، تھوڑی سی medicine (دوائی) لی اور ٹھیک ہو گئے نیند آ گئی مگر یہ ہمیشہ اسیلئے ہے کہ ایک بے کار self (ذاتی) کو ایک با کار self بنا دیتا ہے۔ زندگی سے گریز کرنے والے ایک وجود کو دوبارہ زندگی کی main line (اہم راستے) میں دھکیل دیتا ہے۔ اسکے علاوہ psychology کا کوئی مقصد نہیں۔ نفسیات خدا کے بندے پیدا کرنے کیلئے نہیں ہے۔ Psychology if applied to your own self is mysticism, if applied to others is a science. میں آگئی چاہتے ہو، اگر اللہ کے بارے میں آگئی چاہتے ہو تو نفسیات کو دوسروں پر استعمال کرنے کے بجائے سب سے پہلے اپنی ذات پر استعمال کرو اور یہ دیکھنے کی کوشش کرو کہ آپ کی تحقیق و جستجو میں وہ کونسے عوامل ہیں جو آپ کی fully inquiry (مکمل تحقیق) کو روکتے ہیں، جو آپ کو ایک نتیجے پر پہنچنے سے روکتے ہیں۔ خواتین و حضرات! علم، دانش، عقل، زبان آپ کی intellectualism (دانشوری) کا صرف ایک natural (قدرتی) نتیجہ ہے اور وہ یہ کہ انسان چلتا چلا ایک بہتر سمت سے خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر آپ علم و دانش سے خدا تک نہیں پہنچتے تو ذرا واپس آئے۔ check کیجئے کہ approach کہاں غلط ہو گئی۔ کہیں possessions (احساس ملکیت) تو نہیں آگئیں۔ کوئی inferiority (احساس کمتری) تو نہیں آگئی۔ کوئی ایسی گریز تو نہیں ہو گئی approach (رسائی) میں جس نے آپ کی علمی تحقیق کے دروازے روک دیئے ہوں یا غلط کر دیئے ہوں یا اسے ہکی سڑک سے کسی پگڈنڈی پر ڈال دیا ہو۔ آپ کو پتہ چل جائے گا اور دوبارہ جب سمت درست ہوگی تو خدا وجد کریم تک اور تو حید تک آپ ضرور پہنچ جائو گے۔

ایمان اس سے بھی زیادہ سادہ ہے ایمان variable (تغیر پذیر) ہے۔ باوجود اللہ پر اعتبار کرنے کے انسان کی اضطرانی کیفیتیں changeable (بدلتے والی) ہیں اسلئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی خطایا گناہ کرنا ہے تو اُسکا ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ پھر دوبارہ واپس آ جاتا ہے۔ اسلئے ایمان ایک ہاتھ سے جانے والی چیز ہے۔ جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن کے بارے میں فرمایا کہ قرآن ایک رسی سے بندھا ہوا خارجی اونٹ کی طرح ہے۔ اسکا اگر نہ پرہو گے، نہ دہراؤ گے تو رسی ریزا کر بھاگ جائے گا۔ کسی نے حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے پوچھا کہ یا حضرت! یہ تو بتائیے کہ ایک لاکھ چھمیس ہزار احادیث آپ کو اسناد سے کیسے یاد ہیں؟ (امام بخاری کو لوگ امیر المؤمنین فی الحدیث بھی کہتے تھے اور امام مسلم نے کہا کہ ”ہذا یخیر فی الحدیث“) اتنی memory کیسے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نظر کرنا رہتا ہوں۔ This is one of the most wonderful law of memory. (یادداشت کا یہ ایک خوبصورت اصول ہے۔) امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے فرمایا کہ میں نظر کرنا رہتا ہوں۔ میں ایک دفعہ نہیں دیکھتا بلکہ ساری زندگی ہو گئی کہ میں اس کو دہراتا رہتا ہوں، جس سے میری memory fresh رہتی ہے۔ This is one of the most valid law of memory۔ کہ جب آپ کسی چیز کو یاد کر رہے ہیں اور اسے محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو پھر اُس پر نظر کرتے رہیں تو وہ آپ کے حافظے میں ضائع نہیں ہوگی۔ ایمان کے بارے میں بھی سب سے پہلی حدیث بڑی لطیف ہے کہ اصحاب رسول ﷺ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو دوسو سے بہت آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”یٰ عین ایمان ہے“۔ حضور ﷺ کا اس بیان مبارک کی مصلحت یہ تھی کہ بھلا شیطان آپ کو باہر نکل کیوں کرے گا۔ جب آپ اُس کے ساتھ ہو تو وہ آپ کو کیوں نکل کرے گا۔ جب آپ جھوٹ بول رہے ہو تو وہ آپ کو کیوں نکل کرے گا۔ جب کم تول رہے ہو تو کیوں نکل کرے گا۔ جب لوگوں کو نکل کر رہے ہو تو کیوں نکل کرے گا۔ وہ آپ کے ساتھ ہے وہ ہلکے بڑا خوش ہے کہ آج بندگان پروردگار جو ہیں وہ میرا پورا پورا ساتھ دے رہے ہیں۔ آپ اس دوران ایک حماقت کے مرتکب ہوتے ہو کہ وہاں سے نماز میں کھڑے ہو جاتے ہو۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کیا ہنگامہ ہے، یہ کیا لالچتی ہے۔ اچھے بھلے میرے ساتھ وقت گزارتے ہوئے سارا دن گپ شپ جھوٹ، سچ بولتے، مکر و فریب کرتے ہوئے اچانک ہی نماز میں چلا گیا۔ یہ تو بہت بڑی غلطی کی اس نے۔ So he will only

concentrate at the time when you are standing in the
 Nimaz۔ کیونکہ یہ اس کو پسند نہیں۔ اگر آپ نے قرآن کی جملہ آیات نماز پر غور کیا ہو تو ایک
 آیت میں مستقل ایک ہی جملہ آتا ہے ”اقِمِ الصَّلَاةَ“ ”اقِمِ الصَّلَاةَ“ ”اقِمِ الصَّلَاةَ“ (۱۴: ۲۰)
 یعنی خشوع و خضوع کی ہدایت بہت کم ہیں اور نماز قائم رکھنے کی ہدایت مسلسل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ
 پانچ وقت کی نماز کوئی ایک تسلسل، ایک مزاج اور ایک موڈ سے نہیں پڑھ سکتا۔ آپ کے جملہ
 اوقات میں جملہ tension اور انداز فکر جدا جدا ہوتے ہیں۔ صبح کسی اور فکر میں پڑھی جاتی ہے۔
 دوپہر مستی اور کسل مندی میں پڑھ جاتی ہے عصر عجلت میں پڑھی جاتی ہے۔ مغرب تنگی میں پڑھی
 جاتی ہے اور عشاء..... عشاء کا تو مالک ہی اللہ ہے۔ یہ سارے سو ڈالتے different ہوتے ہیں
 کہ انسان کبھی ان میں باقاعدگی حاصل نہیں کر سکتا اور ایک دن دوسرے دن کی طرح نہیں ہوتا۔
 ایک ہفتہ دوسرے ہفتے کی طرح نہیں ہوتا۔ معاملات انسان مسلسل متغیر رہتے ہیں، سکون محال
 ہے..... بس ایک تغیر ہے جو مستقل رہتا ہے۔

سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

ایسے عالم میں اللہ نے خوب دیکھ لیا کہ اگر میں ان سے یہ کہوں کہ ہر وقت تم خدا کے خوف میں نماز
 پڑھو تو یہ نہیں پڑھ سکیں گے۔ اللہ جاننے والا ہے کہ خدا کی محبت میں بھی نہیں پڑھو گے۔ ہزار ہا سال
 کے بعد شاید یا ہزار ہا سالوں کے بعد شاید ایک نماز آپ کو نصیب ہو جائے گی بقول اقبال کہ
 وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ کبھی ہزار سجدوں کے بعد ہی نصیب ہوتا ہے۔ ہزار سجدے تو بس سر پہننے کے برابر ہو گئے مگر لازم
 یہ ہے کہ یہ دور قائم رہے۔ ”اقِمِ الصَّلَاةَ“ سگر اس سے کچھ بڑی باتیں بھی اللہ آپ سے demand
 کرتا ہے کہ اگر آپ نے خدا کو جانا ہوا ہے ماما ہوا ہے یا اگر خدائے واحد کی تسلیم آپ کے دل و دماغ
 میں آگئی ہے تو ایمان یہ کہتا ہے کہ کچھ جدوجہد personal relations (ذاتی تعلق) کے
 لیے ضروری ہے۔ دیکھئے اللہ ہو یا اس کا رسول ﷺ ہو personal relationship کو
 بہت اہمیت حاصل ہے۔ زمین و آسمان میں حاصل ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ
 فاروقؓ میں تلخی ہو گئی۔ حضرت ابو بکرؓ تھے عمرؓ تھے۔ تھوڑے عرصے کے بعد حضرت ابو بکرؓ

حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ میں معافی چاہتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ عمرؓ نے کہا کہ میں تو نہیں معاف کرنا اور آپ کو پتہ ہے کہ عمرؓ عادت میں سخت تھے۔ حضرت ابو بکرؓ گلے لے کر رسول اکرم ﷺ کے پاس گئے اور کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! دیکھیں! مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں نے عمر سے معافی بھی مانگی مگر یہ مجھے معاف نہیں کرنا۔“ جلال بن عمرؓ عروج پر آ گیا۔ سرکار مآب ﷺ مسند پر طلوع ہوئے۔ آل ابو بکرؓ کا حسان گونائے اور ایک جملہ بار بار دہراتے تھے: ”اے لوگو! تم میرے دوست کو بھی نہیں چھوڑتے اے لوگو! تم میرے دوست کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اور اے لوگو! تم میرے دوست کو بھی نہیں چھوڑتے“ جب مسلسل عرفاروقؓ نے یہ بات سنی تو رونے اور اپنے گھٹنوں کے بل سکتے ہوئے بیٹھ گئے اور کہا کہ میری تو بہ جو میں آئندہ آپ کے دوست سے کوئی شکایت کروں۔ یعنی personal relationship اتنی valueable (قیمتی) ہوتی ہے کہ یہ خدا کو بھی پسند ہے اور اسکے رسول کو بھی پسند ہے اور personal relationship (ذاتی تعلق) پر اخلاص کی بنیاد ہے۔ جب اللہ اپنے بندے سے personal relationship طلب کر رہا ہے تو اس کا ایمان اس پر مکمل ہو جاتا ہے۔

مسلم کی آخری حدیث ہے کہ بے شمار لوگ، بڑے علماء، علماء، جبہ..... دستار..... مقدسین وقت، مطہرین زمانہ کو جب ملائکہ جنت میں لے جا رہے ہو گئے تو آواز آ گئی: ”اے میرے ملائکہ! ان کو جہنم میں پھینک دو“ ملائکہ عرض کریں گے: ”صرف اپنی تسبی اور تجسس کیلئے اگر اجازت ہو تو ہم آپ سے پوچھیں کہ ان کے سامہ اعمال کی نیکیاں لکھ لکھ کے ہمارے کاغذات شرعاً ختم ہو گئے اور آپ ارشاد فرماتے ہو کہ انہیں جہنم میں پھینک دو۔“ اللہ نے فرمایا کہ میرا اور میرے بندے کا ایک معاملہ ہے جسے میں ہی جانتا ہوں اور وہ اخلاص ہے۔ خواتین و حضرات! آٹھ چیزوں پر مار دوزخ حرام ہے اور ان میں سے ایک وہ جو ان یا وہ شخص ہے جس کی آنکھ سے اللہ کیلئے ایک آنسو نکلے۔ ”برأت عاشقان“ بہت کم ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آگئی۔ فرمایا، جب زمین پر ایک بھی ”اللہ اللہ“ کہنے والا نہیں رہے گا۔ یا اس لیے بارزی کا انجام ہے۔ دیکھئے! ہر فیکٹری سے کچھ income (آمدنی) چاہیے ہوتی ہے۔ کچھ out come (نتائج) چاہیے ہوتے ہیں۔ اگر مطلوب حاصل ہو رہا ہو تو نقصان کے باوجود فیکٹری جاری رہ سکتی ہے۔ ذرا یقین فرمائیے کہ اس پوری زمین کا معیار production (پیداوار) یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ کے مطابق اگر ایک شخص بھی اللہ کو ”اللہ اللہ“

کرنے والا مل گیا تو یہ فیکٹری قائم رہے گی۔ Lowest possible standards of production (پیداوار کے کمترین معیار) کو آپ چپکے کیجئے کہ ایک شخص بھی اگر یہاں خدا کا شکر ادا کرے، محبت کرنے والا ہو، صاحبِ اخلاص ہو، صاحبِ ایمان ہو، تو یہ دنیا اس شخص کے صدقے میں قائم رکھی جائے گی۔ اتنا کم standard ہے مگر خداوند کریم اس تعلق کو محبت سے قائم رکھنا چاہتا ہے۔

جائے نامکامی متاعِ کارواں جانا رہا

اللہ کے بارے میں تمام رجحانات غلط پھیل گئے۔ اُسی کو ہم پر ٹھونسا گیا۔ اُدھر خداوند کریم ارشاد فرما رہا تھا کہ میں نے تمام کائنات اور دنیا و مخلوقات اور اے حضرت! انسان تجھے پیدا کرنے سے پہلے یہ فیصلہ کر لیا کہ میری رحمت میری تمام چیزوں پر غالب آئے گی اور اس پر بازی لے جائے گی۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنے بندوں پر مہربان ہوں۔ کمال کی بات ہے خواتین و حضرات! کہ اس نے فیصلہ کیا کہ میں ہر حال میں اپنے بندوں پر مہربانی فرماؤں گا اور آپ نے اُسی کو challenge (چیلنج) کر دیا۔ آپ نے اُسے غضب سے present ((پیش)) کیا۔ آپ نے اُسے جاہ و قہار علی بنادیا آپ نے عرف اس کے عذاب و ثواب سے لوگوں کو آشنا کیا۔ وہ رحمت کی بات کر رہا تھا، وہ محبت کی بات کر رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ جس نے مجھ سے ایک لوحہ کیلئے اخلاص برتا، اُسکے لئے میں نے دوزخ کی آگ حرام کر دی اور جملہ مقدسین علم فرما رہے تھے کہ اللہ بہت سخت ہے۔ اللہ بہت جاہر ہے۔ ظالم ہے، ظاہر ہے، کیا عجیب بات ہے کہ قرآن کو اتنا mis represent (غلط پیش) کیا گیا۔

”قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَعْلٰی اَنْفُسِهِمْ“ (۵۳:۳۹)

تم نے بہت اسراف کیا۔ میں نے صلاحیتیں کسی اور کام کی خاطر دی تھیں۔ تم نے کسی اور کام میں خرچہ دیں۔ میں نے تو جنس reproduction (نسل) کیلئے دی تھی بیوی بچوں کیلئے دی تھی تم نے اسے اتنے واہیات کاموں میں لگا دیا۔ میں نے تمہیں مالِ خدا کیلئے خرچے کو دیا تھا تم نے اسے نکل کی نذر کر دیا۔ تم نے اسے possession اور حرام کاری کی نذر کر دیا۔ یہ اسراف ہے۔ جو کوئی جہلت غیر ضروری کاموں میں صرف ہو کے خرچ ہو جائے گی تو یہ اسراف ہے، اس میں عباسؑ نے فرمایا کہ ”لا خیر فی الاسراف“ (اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے) لہذا تو خرچے میں خیر نہیں، شان و شوکت، نام و نمود پر خرچ میں کوئی خیر نہیں، مگر دوسری طرف خیر کے باب میں کہا:

”لَا إِسْرَافَ فِي الْغَيْرِ“ (خیر میں کوئی اسراف نہیں ہے) جو مرضی خرچ کر دو، جتنا مرضی دے دو، اللہ کیلئے دے دو، خدا کی رضا کیلئے دے دو، تسلی، قلب کیلئے دے دو۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ شخص جہنمی ہے جس نے ذاتی نام و نمود کی خاطر خرچہ کیا مگر دوسری طرف قرآن میں ایک عجیب و غریب بات فرمائی کہ:

”الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالْإِلَى وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ (۲: ۲۷۴)

یعنی چھپا کر دیا یا بتا کر دیا دونوں میں اجر ہے۔ بتا کے ملنے دیا کہ اگر کوئی شخص کام اللہ کیلئے کر رہا ہے مگر بتا کے بھی کر رہا ہے تو بھی اللہ اسے قبول کرتا ہے مگر ایک شخص جس نے خیرات و صدقات ذاتی حرم کیلئے کی، ذاتی تکبر اس کیلئے کی اس میں خدا کا نام و نشان نہیں تھا تو اس کا ٹھکانہ اس کے مال کا ٹھکانہ دوزخ کے سوا کچھ نہیں۔ پروردگار عالم اسی محبت کی وجہ سے یہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تمہارے ایمان کی علامت یہ ہے کہ personal relationship قائم کرو۔ بہت سے لوگ اعمال صالحہ کو بھی ذکر سمجھتے ہیں مگر خدا پر ایمان نہیں سمجھتا۔ اعمال علیحدہ ہیں اور ان کا رابٹی جگہ ہیں۔ نماز ذکر ہے قرآن ذکر ہے قرآن کے بارے میں اللہ نے فرمایا: ”قُلْ مَا أَوْحَى إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ“ (کتاب کی تلاوت کرو۔ ۲۹: ۲۵) پھر فرمایا ”تَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ (۹: ۱۵) یہ ذکر ہے، پھر نماز کا ذکر فرمایا: ”وَاقِمِ الصَّلَاةَ“ نماز قائم کرو۔ ”إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ“ (۲۹: ۴۵) یہ تمہیں قس و منکر سے یعنی اعمال شرعی سے روکتی ہے۔ ساتھ ہی یوں بھی فرمایا: ”اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي“ (۲۰: ۱۴) نماز میری یاد کیلئے قائم کرو۔ یعنی قرآن بھی ذکر ہے، نماز بھی ذکر ہے اور ان کے functions (کام) علیحدہ علیحدہ ہیں مگر اسی آیت میں فرمایا: ”وَلِذِكْرِ اللَّهِ اَكْبَرُ“ (۲۹: ۴۵) مگر میری یاد تو بہت بڑی بات ہے۔ یعنی قرآن پر حق، نماز قائم رکھو مگر اگر تمہیں personal relationship چاہئے تو ”وَلِذِكْرِ اللَّهِ اَكْبَرُ“ (میری یاد تو بہت بڑی بات ہے) یہ یاد دہانے کو کہتے ہیں؟ کیا ”نکمرے“ لگے ہوئے.....؟ اللہ کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ Not at all, these are

not manners which were taught by the prophet.

علم ایک اصول ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا علم غیر معتدل میں ہے؟ کیا علم کسی extremist (شدت پسند) میں ہے؟ کیا علم کسی below the cadre میں ہے؟ نہیں۔

علم یہ ہے کہ قرآن بہترین علم ہے اور محمد ﷺ اُس کے حامل ہیں۔ اس لئے اگر بہترین علم کا حامل جو ہے وہ بہترین اعتدال میں ہے تو All extremists are not knowledgeable (تمام شدت پسندی جاہل علم نہیں ہے) یہ بات یاد رکھئے کہ بہترین علم قرآن ہے اور بہترین اعتدال حامل قرآن میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (دیکھئے کیا انداز ہے.....!) ”اعتدال اختیار کرو اور اگر مکمل اعتدال نہ اختیار کر سکو تو اُسکے قریب ترین رہو۔“ یہ رسول ﷺ تھے جنہوں نے دنیا میں پہلی بار یہ بتایا کہ اعتدال ایک rigidity اور سختی نہیں ہے۔ اعتدال وہ ہے جس میں آپ زیادتی کرو گے، کچھ نہ کچھ خطائیں کرو گے۔ وہ اعتدال کو نہیں توڑیں گی۔ اعتدال اُس وقت ٹوٹتا ہے جب تم ”حدود اللہ“ کو cross کرو گے۔ ”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا السَّئَْاسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَئَِّاسُهُمْ لِيَكُوْنُوْا فِى الْغَلٰٓظِیْنِ ۚ وَ مَن يَتَّبِعْهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ“ (۲۴۹:۲) تو تم روشنیوں سے اندھیروں میں چلے جاؤ گے۔

خواتین و حضرات! شرع کیا ہے؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ ایک طاقتور خدا نے جبراً شرع آپ پر ٹھونس دی اور اس کو کوئی غرض نہیں تھی کہ بندے کیا ہیں؟ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ وہ narcissist (نرکسیٹ پسند) خدا بیٹھا ہوا تھا۔ اذیت پسند خدا ہے اور اس نے تم کو بھی اذیت دینی چاہی۔ اس نے کہا کہ اٹھو روزے رکھو! اٹھو یہ کرو! اٹھو یہ کرو! مگر خدا اس قسم کا کوئی تصور نہیں رکھتا۔ اُس نے انسان کو چلایا ہے۔ آدم سے لے کر آخری انسان تک اُس نے کچھ rules بنائے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کن چیزوں کے گریز سے societies ختم ہوئیں۔ ایک society نہیں بلکہ بے شمار ختم ہوئیں۔ دیکھو ذرا زمین گھوم کر..... کتنی بستیاں انہی پڑی ہوئی ہیں۔ مونہجی دڑو، بڑ پے، میسو پوٹیمیا..... ساری دنیا بھری پڑی ہے۔ ”پومپائی“ کو دیکھو کہ ہر جگہ تباہی و ہلاکت کے مناظر بھرے ہوئے ہیں کیونکہ چند اصولوں سے انہوں نے مطابقت نہ کی۔ چند اصول انہوں نے توڑے اور کچھ اپنے اصول بنائے۔

پاسِ خاطرِ آشفۃِ حلال

بنامِ سئلہِ روشنِ خیال

کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو جدید تر اور معتبر سمجھتے ہوئے ایسے قوانین بنائے۔ خدا کے قوانین میں اپنے قوانین داخل کر لئے تو معاشرہ کی حفاظت کیلئے خدا نے انہیں تباہ کر دیا۔ جو معاشرہ اللہ کے قوانین پر چلتا ہے وہ لمبی عمر پاتا ہے۔ امن و سکون پاتا ہے۔ اگر آپ تھوڑی سی history پر غلط

وائس تو۔ All histories of the world will tell you (دنیا کی تمام تواریخ آپ کو بتائیں گی) کہ کوئی culture ڈیڑھ سو، دو سو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہا۔ Greeks نہیں رہے۔ Eliens نہیں رہے۔ Troyens نہیں رہے۔ Carthagians نہیں رہے۔ Indians نہیں رہے۔ Aryans نہیں رہے۔ Hunds نہیں رہے۔ If you look at your spots of the history, all these nations did not stay. یہ برباد ہو گئے مگر مسلمان رہا۔ پندرہ سو برس مسلمان رہا۔ تیرہ سو برس مسلمان شرق و مغرب میں حکمران رہا۔ اگر سلطنتِ بغداد کو زوال آیا تو عبدالرحمن الداخل اسپین میں جا گھسا۔ وہاں سے مسلمان بچے تو پھر آپ سلطنتِ عثمانیہ کو دیکھئے۔ سلطنتِ عثمانیہ کیا تھی؟..... where nothing was important (جس کا کچھ بھی اہم نہ تھا۔) مگر ایک اصول تھا..... مظلوم پر رحم کرنے کا..... ”سلطان ارطغرل“ انا طویہ کے میدان میں داخل ہوا۔ That's the beginning of the Ottoman Empire (یہ سلطنتِ عثمانیہ کا آغاز تھا) جس نے دنیا پر تین سو سال بالکل ایک super power (سپر پاور) کی طرح حکومت کی۔ یہ ابھی کل کی بات ہے۔ ترکی کبھی غلام نہیں ہوا۔ ترکی خراب تو اس وقت ہوا جب وہ secular (سیکولر) ہوا۔ بے چارے کی آن بان ہی جاتی رہی مگر جب تک اس پر اسلام کا غلبہ تھا، وہ حکمران تھا۔ اسکا آغاز حیران کن ہے۔ اسکا آغاز اسلامی ہے۔ سلطان ارطغرل دو سو ہندے لے کر انا طویہ کے میدان میں اترا تو دیکھا کہ جنگ ہو رہی ہے اور منگول ایک غریب سے بادشاہ کو بالکل برباد کرنے والے ہیں۔ اس نے ہمراہیوں سے مشورہ کیا کہ ہم کیا کریں۔ ہم بھی بھوکے ہیں۔ ہمیں بھی کھانا چاہیے، انہوں نے کہا کہ سلطان، بات یہ ہے کہ اب شکست تو ہو ہی چکی ہے تو ہم جیتنے والوں کے ساتھ مل جاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ حصہ ہمیں بھی مل ہی جائے گا۔ اس پر سلطان ارطغرل نے کہا: ”یہ مردوں کا کام نہیں ہے۔ ہم اس غریب سیلے لڑیں گے چاہے زندگی رہے چاہے نہ رہے۔“ سلطان ارطغرل اپنے دو سو ساتھیوں کے ساتھ منگولوں کے عتب سے آیا اور ان پر جا پڑا۔ منگولوں کو شکست ہوئی اور سلطان علاؤ الدین نے اسکے بدلے میں انا طویہ کی ساری زمین ان کو بخشی اور اس کے بیٹے سلطان عثمان کو اپنی بیٹی دی اور پھر یہ Ottoman Empire (سلطنتِ عثمانیہ) وجود میں آئی جس نے یورپ کے دل میں ہنگری، بوڈاپسٹ، بلغاریہ، رومانیہ وغیرہ یورپ کی ریاستیں فتح کیں اور کبھی یہ دستور تھا کہ یورپ کی مائیں ملی چو ہے سے بچوں کو نہیں ڈراتی تھیں بلکہ

کہتی تھیں: Hush! the Turks are coming. (چپ کر جاؤ! ترک آرہے ہیں۔) آج آپ Bush (بش) سے ڈراتے ہو۔ ہم تو نہیں ڈرتے مگر ڈرانے والے بہت ڈراتے ہیں۔

یہ ایک دستور زندگی ہے۔ یہ قوموں کے اصول تھے جن کو شرع میں ڈھال دیا گیا۔ شرع اُس زاور راہ کو کہتے ہیں جو کم سے کم ہو۔ یہ سفر کیلئے وہ سامان ہے جو کم سے کم ہو جسے افعال و اعمال میں انجام دے کر آپ زندگی کی آخری منزل تک آرام و سکون اور حفاظت سے پہنچتے ہو اور اگلی منزل کی پہلی منزل تک آپ آرام سے جاتے ہو۔ جب آپ قبر میں جاتے ہو، The passport to Hell and Heaven (جہنم اور جنت کا پاسپورٹ) یہ قریظہ ہے۔ جیسے باہر سے آئے ہوئے کو پہلے قریظہ میں ڈالا جاتا ہے کہ pollution اتنی نہ ہو کہ باہر پھیل جائے۔ تھوڑی دیر کیلئے جب آپ نئی دنیا کو جا رہے ہو تو قریظہ میں لاش ڈالی جاتی ہے پھر اٹھا کے پوچھا جاتا ہے کہ Who are you? where you are going? تمہیں رزق ملا، زندگی ملی۔ اعزہ و اقارب ملے۔ یہ بتاؤ کیا لے کے آئے ہو؟ Who is your God? مَنْ رَبُّكَ؟ اگر آپ نے اللہ کو ملا ہے اور اخلاص سے ایک مرتبہ بھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہے تو آپ کو کبھی قبر کے اس test میں مایوسی نہیں ہوگی۔ خدا بخواسہ اگر آپ بھول گئے۔۔۔۔۔ آخر stress (دباؤ) پراری ہوتی ہے تو پھر آپ سے دوسرا سوال پوچھا جاتا ہے۔ مَنْ نَبِيَّكَ تمہارا نبی کون ہے؟ خواتین و حضرات یہ یاد رکھئے کہ ایمان تین چیزوں میں ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ خدا کو ایسے مانو جیسے اُسے ماننے کا حق ہے۔ رسولِ کرم ﷺ نے فرمایا کہ بندے پر اللہ کا ایک حق ہے کہ تعویذ، جادو اور سحر تو نہ نہ مانا جائے۔ اللہ کا اقتدار باعنا نہ جائے۔ تقسیم نہ کیا جائے۔ کلی کوچ میں حساب کتاب والے آپ کا مقدر رزق حیب نہیں دیتے۔ اللہ دیتا ہے۔ یہ مت کہو کہ کسی کے سحر کی وجہ سے رزق بند ہو گیا۔ شادی بند ہو گئی۔ ایسا مت کہو۔ یہ کفر ہے۔ خالص کفر ہے۔ اللہ کی حاکمیت کو cancel کرنا ہے۔ اُس کی طاقت کو کسی دوسرے کے کام کر دینا ہے ورنہ آپ ہل مکہ کی طرح ہو جاؤ گے کہ خدا سارے کام آپ نہیں کر سکتا۔ اُس نے نیچے کسی جادوگر کے ذمے لگا دیا ہے۔ کسی تعویذ والے کو یہ department (شعبہ) دے دیا ہے۔ ایسا قطعاً نہیں ہوتا۔ اللہ کے احکامات نازل ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ جس کو اللہ پر اعتبار نہ رہے تو خدا پھر اُسے شیاطین کے حوالے کر دیتا ہے۔

”وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ“

(جو اللہ کے ذکر سے غافل ہوا۔)

”تَقْبِضُ لَهُ شِبْطًا“ (۳۶: ۴۳)

(ہم اُس پر ایک شیطان کو غلبہ دیتے ہیں)

”فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ“

(پس وہ اس کے قریب رہتا ہے۔)

جب آپ اللہ کی توہین کر رہے ہو، جب آپ اللہ کے اقتدار کو challenge کر رہے ہو، جب اسکی محبتوں سے ہٹ کر ان لوگوں کی صحبتیں پا لو گے، محروم ہو گریں گے تو پھر خدا آپ کے ساتھ نہیں رہے گا۔

احتیاط کیجئے گا کہ اللہ کو تقسیم نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا ایک حق ہے بندوں پر اور وہ یہ ہے کہ وہ اسے اللہ ہی مانیں۔ اس کے اقتدار اعلیٰ میں کسی کو شریک نہ کریں۔ اپنی آرزو مندی کا مرکز صرف اور صرف اللہ کو بنائیں اور پھر بندوں کا اللہ پر ایک حق ہے“ پوچھا گیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! بندوں کا کیا حق ہے اللہ پر۔“ فرمایا: ”جو اللہ کو اس طرح مانتے تو پھر بندوں کا یہ حق ہے کہ اللہ انہیں کسی قسم کا کوئی عذاب نہ دے۔“ پھر بندوں کا یہ حق بن جاتا ہے کہ وہ خدا کو چیلنج کر کے کہہ سکیں کہ میرے اللہ جیسے تو نے چاہا میں نے تجھے ویسے ملا تو پھر خدا کہتا ہے کہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اگر تم نے مجھے میرے انداز میں چاہا جیسے میں نے کہا ویسے مجھے چاہا، تو مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دوں۔ ”إِنْ شَكَرْتُمْ وَأَمْسَكْتُ“ اگر تم شکر والے ہو اور شکر کا مطلب ہے یاد دہانے ہو۔ اگر تم ہمیں اپنی زندگی کا ایک حصہ بنائے رکھتے ہو، اگر تم ہمیں اپنی یادوں میں سمائے رکھتے ہو تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دیں۔ ”إِنْ شَكَرْتُمْ وَأَمْسَكْتُ“ یہی شکر ہے، یہی ایمان ہے ”فَاذْكُرُوا اللَّهَ“ جب تم کام کا ختم کر لو۔ ”فَإِذَا قُضِيَتْ مِنْكُمْ أَمَلَاتُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ“ (البقرہ ۲۰۰) مجھے ایسے یاد کرو جیسے belongings کو کرتے ہو، جیسے ماں باپ کو کرتے ہو۔ بتائیے! کیا خدا نے یہ کہا کہ خوف سے یاد کرو، اذیت سے یاد کرو۔ مجھے تبر اور تبر سے یاد کرو بلکہ کہا کہ مجھے ایسے یاد کرو جیسے ماں باپ کو کرتے ہو۔ محبت سے، انس سے، کیا مہربان کریم رب ہے! جو آپ سے وعدہ کیے بیٹھا ہے۔ ”ثَقُلَ يُعَادَى الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ“ جتنے مرضی بھی تم نے گناہ کیے ہوئے ہیں مگر ایک بڑا گناہ نہ کر بیٹھنا۔ بہت بڑا گناہ ”لَا

تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ (۵۳:۳۹) یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ جتنے مرضی خطا کار ہو، جتنے مرضی گناہ گار ہو مگر میری رحمت سے مایوس نہ ہوا۔ یہ وہ طلسانی پتھر ہے۔ یہ وہ touch stone ہے۔ یہ وہ پارس ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کو دے رہا ہے۔ ”قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ“ چاہے تم نے کچھ بھی کیا ہو بہت بڑی خطا نہ کر بیٹھنا۔ بہت بڑا گناہ نہ کر بیٹھنا، ”لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ میری رحمت سے مایوس نہ ہوا۔ کیوں؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک اصول بتایا ہوا ہے۔ ”اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا“ میں نے یہ اصول بتایا ہے کہ تمام گناہ معاف کر دوں گا اور اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ اس statement میں تخصیص نہیں کی کہ یہ بڑا بڑا چھوٹا ہے۔ لفظ جَمِیْعًا سے مراد ہے کہ total گناہ معاف ہیں۔ مگر یا ر معاف کرنے والے کا تو تمہیں پتہ ہو کہ کون کرے گا۔ یہ تو پتہ ہو کہ کرے گا کون۔ اگر تم کو یہی نہیں پتہ کہ معاف کرنے والا کون ہے تو بخشش کس سے کراؤ گے۔ وہ قبر میں جا کے جب کسی ہندو، کافر یا صاحبِ تخلیق سے سوال کریں گے تو سب سے بڑا confusion ہی ہوگا۔ کیوں بھی! کون تھا تہارا رب، شیوا؟ no اندرا؟ no وشنو؟ نہیں۔ کھنڈام؟ نہیں۔ سرسوتی؟ نہیں۔ درگا؟ نہیں پا روتی؟ یعنی confusion یہ ہے کہ consulting authority کا ہی نہیں پتہ۔ اُس کو یہ نہیں پتہ کہ معاف کرنے والا کون ہے۔ اُس کو نہیں پتہ کہ Holy ghost ہے کہ christ ہے کہ Al God ہے اُس کو نہیں پتہ۔۔۔۔۔

ہندوستان میں جتنے بھی مذہب آئے ہندو ازم ان سب کو کھا گیا۔ یہ اتنا چالاک مذہب تھا کہ جین مت کو کھا گیا، بدھ مت کو کھا گیا، shintoism شینوا ازم کو کھا گیا۔ یہاں سارے کے سارے مذاہب تباہ ہو گئے۔ پھر اسلام آیا۔ اس عفریت نے اسے بھی کھانے کی کوشش کی۔ رسم و رواج کھا گیا۔ آنتوں میں داخل ہوگا۔ چھوٹی چھوٹی رسم و رواج میں داخل ہو گیا۔ برادری ازم میں داخل ہو گیا۔ برہمن، کھشتر یہ شو درا اور ویش کی تقسیم آ گئی۔ inferiorities بڑھ گئیں، رتبوں میں داخل ہو گیا مگر ایک چیز بچ گئی، ایک کام یہ نہیں کر سکا۔۔۔۔۔ Encyclopedia of religion کے مصنف نے کہا: There was such a geometrical precision, about the oneness of God in Islam that no mythology was possible. (اس سختی سے اسلام اپنے نظریہ وحدانیت کی حفاظت کرنا ہے کہ اس میں کوئی اصنام پرستی ممکن نہیں ہے۔) مگر اب ہے کہ خدا نے واحد کو تادم مطلق سمجھتے

ہوئے بھی، اقتدار اعلیٰ کا مالک سمجھے ہوئے بھی اسکی قوتیں اور اس کے مظاہر کی تقسیم مسلمانوں نے عام کر دیں۔ Astrologists (نجومیوں) کے سپرد کر دیں۔ جادوگروں کے سپرد کر دیں۔ حساب کتاب والوں کے سپرد کر دیں۔ پڑھے لکھوں نے سپرد کیں۔ ان پڑھوں نے سپرد کیں۔ ایسے لگتا ہے خواتین و حضرات کہ اس ملک کی جو داستان میں سمجھتا ہوں جو میرے پاس محفوظ ہے کہ آدھا ملک جادو کر رہا رہا ہے اور آدھے ملک پر جادو ہو رہا ہے۔ یہ کیا طریقہ ہے fathers (ماننے والوں) کا.....؟ کہاں کا اسلام، کہاں کی یہ دوستی ہے پروردگار سے..... وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ ”فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ“ مجھے ایسے یاد کرو جیسے محبت سے ماما دادا کو کرتے ہو۔ جیسے اماں ابا کو کرتے ہو، جیسے اپنے پیاروں کو کرتے ہو، محبوبوں کو کرتے ہو، ہاں، مگر برابر کا نہیں ”اَوْ اَشَدُّ ذِكْرًا“ ذرا زیادہ..... اے میرے بندے! ذرا زیادہ کرنا تاکہ مجھے علوم ہو کہ تم ہر چیز سے بڑھ کے مجھے یاد کرتے ہو۔ مجھ سے پیار کرتے ہو۔

خواتین و حضرات! رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی علامت تین چیزوں میں ہے۔ اگر ایمان کا مزہ پکھٹا ہے تو تین چیزوں میں ایمان کا مزہ ہے۔ ایک تو خدا کی ذات میں کسی کو شریک نہ کرنا اور دوسرا مجھے اپنی جان اور مال ہر چیز سے زیادہ عزیز تر سمجھنا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بغیر اللہ نہیں ملتا۔ کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور جیسے حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور کہا کہ تم میرے دوست کو بھی نہیں چھوڑتے، تو اگر تم رسول ﷺ کے بغیر کھڑے ہو گئے اور خدا نے پوچھا کہ میرا دوست کہاں ہے۔ اس کی نسبت کہاں ہے۔ اس کی معرفت کہاں ہے۔ تو پھر کیا کرو گے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کے بغیر خدا کی مہربانی کا نہیں سوچا جاسکتا کیونکہ اس نے یہ تو ضرور کہا: ”وَكُنْ بِرَحْمَةِ اللَّهِ رَحِيمًا“ کہ میں نے حضرت انسان تجھے پیدا کرنے سے پہلے تیرے نصیب میں اپنی رحمت لکھ دی ہے مگر یہ ساری رحمتیں سمیٹ کر کیا بنایا..... ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ رحمت اللعالمین کے بغیر رحمت خداوند کا کیا تصور ہوگا؟ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم جان و مال اور اپنی عزتوں سے بڑھ کر مجھ سے پیار نہیں کرو گے تو ایمان نہیں چکھ سکتے۔ حضرت عمر فاروقؓ شریف لائے۔ رسول ﷺ نے پوچھا: ”عمر! میں تمہیں کتنا عزیز ہوں؟“ فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہر چیز سے بڑھ کر۔ میری اپنی جان سے کم اور ہر چیز سے زیادہ۔“ فرمایا: ”عمر! ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک میں تمہیں اپنی جان سے بھی عزیز نہ ہو جاؤں۔“ عمر بن خطابؓ نے فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آج کے بعد آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔“

ایک دفعہ ایک مسئلہ پر گیا۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی۔ فرمایا: ”تم نے قیامت کیلئے کیا تیاری کی ہے؟ کیا نمازیں بہت پڑھی ہیں؟“ اس نے کہا کہ بس پوری ہی پڑھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا روزے بہت رکھے ہیں۔ اس نے کہا: ”واجبی واجب رکھے ہیں، کوئی چھوٹ بھی جاتے ہیں۔ خیرات و صدقات تو تقاضا ہی نہیں پلے۔ کیا دیتا“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر کس برے پر قیامت کو پوچھتے ہو، کس برے پر..... اور ہے کیا جس کی بنا پر قیامت کا پوچھتے ہو۔ اس نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے آپ سے محبت بہت ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر قیامت کے روز لوگ اسی کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جس سے انہیں محبت ہو گی۔“ خواتین و حضرات ایمان کی حلاوت اسکے بغیر نہیں کہ اسم گرامی محمد ﷺ آپ کے جذبوں میں ارتعاش نہ پیدا کر دے مگر آج کل کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ:

وہ فائدہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اسکے بدن سے نکال دو

یہ seculars کا خاصہ ہے۔ They can't understand how much we love our Prophet, they have no sense. ان کو گمان ہی نہیں ہوتا۔ ان کے تصور میں ہی نہیں ہے کہ یہ مسلمان اپنے Prophet سے کیوں اتنی محبت کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ جہنم کے گڑھوں پر کھڑے ہیں اور میں ان کو پیچھے دھکیل رہا ہوں۔ لوگوں کی کمر میں ہاتھ ڈال ڈال کر میں ان کو آگ سے بچا رہا ہوں۔ حضرات گرامی جو پیغمبر، جو ہمارا مربی، جو ہمارا باپ، جو ہمارا محسن ہمیں جہنم کے گڑھے سے اُڑے کر رہا ہے۔ کھینچ کھینچ کر، جان ہار ہار کے..... تو کیا ہم اُس سے محبت نہ رکھیں۔ کیا ہم اُس سے اُنس نہ رکھیں تو ایمان بنیادی طور پر محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کا نام بھی ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ جب ہدایت نصیب ہو جائے، جب عقل نصیب ہو جائے، جب معرفت نصیب ہو جائے تو پھر حماقت کو چھوڑنا ایمان کے خلاف بہت بڑی بات ہے۔ پھر دوبارہ حالت کفر و شرک کو جانا ایمان کا مزہ ختم کر دیتا ہے کہ جب ایک دفعہ آپ ایمان و ہدایت و روشنی پا جائیں تو پھر سب سے زیادہ نفرت اس بات سے ہو کہ خدا وہ پہلی حالت دوبارہ مجھ پر نہ لائے۔ وہ جاہلیت مجھ پر نہ لائے۔ جب یہ centericity (مرکزیت) قائم ہو جاتی ہے۔ جب خدا یا درہتا ہے محبت سے، اُنس سے تو پھر love labour is very sweet. اس بات کی سمجھ جو ان لوگوں اور لڑکیوں کو دیکھ کر آتی

ہے کہ راتیں آنکھوں میں، دن آنکھوں میں۔ زمین و آسمان میں، بازاروں میں، گلیوں میں، کوچوں میں ہر وقت محبوب ہی سامنے ہوتا ہے اور اگر کوئی ایسا لوحِ حیات آجائے کہ خدا سامنے ہو اور خدا کی تعریف سامنے ہو اور اخلاص و محبت سے اللہ کو چاہا جائے تو پھر نماز کس کو بوجھل لگے گی۔ پھر محبت کی محنت سے زیادہ کون سی محنت اچھی لگے گی۔ پھر بندہ ہر وقت پیسے نہیں کما سکتا، خدا اور جانا لگتا ہے، پھر بندہ اس کے احکامات کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ پھر دنیا میں honesty ساز نے جانے جانے والی نہیں ہوتی، بد خلقی والی نہیں ہوتی۔ وہ کیسا ایماندار ہے جو ایمان برتا ہو، دیا شتدار ہو اور سزا ہو۔ کیا ایمان خوشی نہیں، کیا ایمان اور محبت خوشی نہیں۔ ایمان میں اتنی بڑی خوشی ہے کہ ساری زندگی خدا کے اس طمینان کے سہارے گزارا کر سکتی ہے۔ ”لَا اِنَّ اُولَیْئَا اللّٰہُ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ“ (۶۴:۱۰)

کیا خدا کے بندوں کی تعریف یہ ہے کہ وہ امیر و رئیس ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے تو اولیاء کی تعریف ہی بڑی مختصر کی ہے کہ ”لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ“ کہ ہم ان پر fears اور frustrations (خوف و غم) نہیں رہنے دیتے۔ خواتین و حضرات اگر ایک شخص پر fear اور frustration نہیں ہیں تو اس پوری دنیا میں اس پرے زمانے میں جس کا نام ہی age of fear and frustration (غم و وزن کا دور) ہے۔ اگر اس میں کوئی ایسا پھرنا ہے کہ جس کو fear اور frustration نہیں ہے تو وہ اگر اللہ کا ولی ہے تو وہ خدا کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اعمال کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ کسی نے شیخ ابوحداد سے پوچھا..... خواتین و حضرات یہ مشکل بات ہے، یہ صرف آپ کو سمجھنا سنا رہا ہوں..... جنیدؒ کے پاس ابوحداد آئے اور پوچھا کہ ”حضرت مروت کیا ہے، مردانگی کیا ہے۔“ یعنی وہ عمل کیا ہے جسے ہم جدائت کا عمل کہتے ہیں تو فرمایا جو تمہارے ذمے لوگوں کا حق ہے اُسے پورا پورا ادا کرو اور جو تمہارا حق لوگوں کے ذمے ہے اُسے بھول جاؤ ”اِذَاءُ الْاِنْصَافِ“ یہ ہے مردانگی..... خواتین و حضرات! اگر ہم اس درجہ عالیہ تک نہ جاسکیں تو کم از کم ہم ایک درجہ نیچے یہ تو کر سکتے ہیں کہ لوگوں کا حق پورا دیں اور اپنا حق پورا لیں مگر ہم اپنا حق پورا لے لیتے ہیں اور لوگوں کا حق پورا ادا نہیں کرتے accountability (خود احتسابی) کا center (مرکز) حکومت نہیں ہو سکتی۔ سرزنش نہیں ہو سکتی۔ کوئی department نہیں ہو سکتا۔ کوئی department کا head نہیں ہو سکتا۔ مسلمان کی accountability کا center اور معرف اللہ کی ذات ہے۔ اگر آپ کا رجحان، آپ کی

طلب، آپکے اعمال کا سرچشمہ خدا کی محبت (خوف نہیں) ہے تو آپ خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اُس وقت سے آپ ضرور ڈرو، ایسے اعمال سے ضرور ڈرو..... ایسا نہ ہو کہ آپ خدا کے نسیاں میں چلے جائے۔ خدا جس پر سب سے بڑا neglect (نسیاں) کرتا ہے۔ جسکو ترک کرنا چاہتا ہے تو خدا کہتا ہے کہ انہوں نے مجھے بھلا دیا، میں نے انہیں بھلا دیا۔ دیکھئے فراق میں محبت زیادہ چمکتی ہے۔

تو نہ می داند ہنوز شوق ببرد ز وصل
تو نہیں جانتا کہ وصال سے شوق مر جاتا ہے۔

چھت حیات و دام سو نغس ما تمام
اور زندگی کی بقا تو ساری زندگی چلنے میں ہے۔ خدا کی آرزو میں ہے۔
فصل دل کے نکلس پر ستارہ بخیرا غم
حیری طلب تجھے پانے کی آرزو، حیرا غم

We should accept this true thing and reality that Allah is for us. (ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہئے کہ خدا ہمارے لئے ہے۔) کاش کہ آپ یہ جان سکو کہ سورہ پے کا نوٹ کتنا مشکل ہے اور اللہ کا حصول آسان ہے۔ وہ آپ کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ بایزید نے کہا: ”میں نے چالیس برس اللہ کی تلاش کی، جب میں نے اُسے پایا تو مجھے علوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے میری تلاش میں تھا۔“ یہ خالی بایزید کا قول نہیں ہے۔ The truth is that he is looking for you. (بلکہ یہ حقیقت ہے کہ وہ ہماری تلاش میں ہے۔) دیکھئے قرآن میں ہم پر خدا حسرت کرتا ہے: ”بَحْسَرَةُ الْعِبَاد“ اے لوگو! مجھے حسرت ہے، میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

چلے بر شب ہیں آسمان پہ چراغ
جانے یزداں ہے مٹھر کس کا

آپ کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔ وہ آپ کا انتظار کر رہا ہے کہ کب کوئی بھولا بھٹکا، زندگی کے تواتر سے جتا ہوا، معروفیات زندگی سے، شہوات و ذات سے جتا ہوا کب کوئی خیال کرے کہ میں ان کاموں کیلئے نہیں بنا۔ میں تو معرف اور معرف خدا کی محبت و انس کیلئے بنا تھا۔

”رَبِّ النَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۚ فَلَئِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. (ال عمران ۱۴:۳)

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا قَلِيلٌ ۚ ان مختصر سے ساٹھ سالوں کی کیا اوقات ہے اس چھوٹی سی مشغولیت میں عقل دھوکھا تسلیم نہیں کرتی۔ یہ سب چھوٹی چھوٹی مصروفیات ہیں جنہوں نے آپ کو گھیرا ہوا ہے۔ قبر تک کون پہنچتا ہے آسانی سے۔۔۔۔۔ وہی جس کا ذہن ان چیزوں سے آزاد ہو۔ رشتوں سے، ماطوں سے، زندگی کے لمبوں سے گذرتے ہوئے آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ موت تک پہنچنے کا ذریعہ صرف ایک ہے۔ possessions سے آزادی۔۔۔۔۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

سوال و جواب

سوال: تقدیر یا جبر کدھ رکیا ہے؟

جواب: پروردگار عالم نے فرمایا کہ زندگی اور آسمان و زمین پیدا کرنے سے پہلے ہمارے ہاں جو کچھ بھی ہونے والا تھا، جو کچھ مہیا کیا جانے والا تھا، جو کچھ چھینا جانے والا تھا، سب کتاب محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اسی کے مطابق تمام واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ”وَمَا مِنْ دَآئِیَةٍ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ إِلَّا عَلَی اللَّهِ ذِیُّ الْفَرْقِ“ (یونس: ۶) کہ رزق کہاں کہاں ہے۔ sources کہاں ہیں۔ زندگی کہاں ہے۔ آتا جانا کہاں ہے۔ تو determinism جسکو تقدیر کہتے ہیں دراصل اس کا وہ مطلب نہیں۔ اسم ”جبر“ کے تحت اللہ نے زمین کو arrange کیا ہے۔ اک لمحہ زمانہ کو اک مقام زمین میں سمونے کا نام تقدیر ہے۔ اگر time and space کو ایک ترتیب سے نہ رکھا جاتا۔ انہیں سمیٹا نہ جاتا تو آج اس مقام پر کبھی بھی ہم اکٹھے نہ ہو سکتے اور زمان و مکان کا توازن different ہوتا۔ زمین کسی اور جگہ ہوتی، زمان کسی اور جگہ ہوتا۔ تو سب سے بڑا کام تقدیر کے تحت جو اللہ نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ زمان و مکان میں ایک دوسرے کو اس ترتیب سے سمیٹا ہے کہ انسان کیلئے بہتری ہو۔ دوسری بات خواتین و حضرات کہ ہم جبر مطلق کے جتنے بھی ذرائع دیکھتے ہیں جیسے آسمان ہے، زمین ہے، جیسے سورج اور چاند ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ تمام کا تمام جبر سہولت ہے۔ اگر سورج ایک لاکھ میل اوجھڑ آجائے تو زندگی جل کے خاک ہو جائے۔ اگر ایک لاکھ میل پرے چلا جائے تو زندگی freeze ہو جائے۔ اگر چاند اپنے اس مقام سے نکل جائے تو اس کے فوائد ختم ہو جائیں۔ سمندر طغیانیوں کی نذر ہو جائیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اگر دیکھنا ایک life belt کو قائم رکھنے کیلئے (اس زمین کو ہم life belt کہیں گے) زندگی کی افزائش کیلئے، اس کی حفاظت کیلئے سب سے پہلے ایک کائناتی جبر قائم کیا گیا۔ ستاروں کو ایک جگہ رکھا گیا اور تمام galaxies کو اس کے مطابق مرتب کیا گیا تاکہ زمین پر انسانی زندگی بہتر ہو جائے۔ اسکے بعد اللہ نے زمین کو بنایا۔ جب زمین کو بنایا تو اس کے بعد اسے کہا کہ دو دن لگائے ہم نے زمین بنانے میں اور دو دن لگائے ہم نے اس میں اسباب ضرورت انسان رکھنے میں۔ مثلاً اس نے اس وقت جو lead crystal (سیسہ) زمین میں رکھی وہ آج کے دن uranium (یورینیم) میں تبدیل ہوئی اور چونکہ اس کی ضرورت آج بھی تو جو پہلا انسان اترنا اس کو کھتی باڑی آتی تھی، نڈا سلکو کوئی ہنر آتا تھا۔ اس کو کچھ

بھی نہیں آتا تھا۔ مدتوں زمانے میں انسان ایسے رہا کہ نہ وہ پیدائشی طور پر قابل ذکر تھا نہ وہ عملی طور پر قابل ذکر تھا۔ اگر اس وقت اللہ و جاسہاب زندگی مہیا نہ کرنا جو اسکے جینے کیلئے ضروری تھیں ان بچوں کو نہ رکھتا، ان درختوں کو نہ رکھتا جو اسکی زندگی کیلئے ضروری تھے تو شاید انسان وہیں ختم ہو جاتا۔ ”وَالنَّسِیْنَ وَالنَّزْبِیْنَ هٗ وَطُورِ سِیْنِیْنِ هٗ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ“ (۹۵: ۳-۱) خدا ان تخلیقات کی قسم اسلئے لکھا ہے کہ جب زندگی میں کچھ بھی نہیں تھا۔ انسان میں کوئی ہنر نہ تھا۔ تخلیقی مراحل سے ابھی انسان نہیں گذرا تھا تو مدتوں اسکو پالنے کا کام عرف اور عرف Alien interference (بیرونی مداخلت) سے کیا گیا۔ اس کیلئے خدا نے چاہے ملائکہ بھیجے، چاہے آدم کو کسی طرف راغب کیا یا اشارہ اور کنا یہ دیا۔ تیسرا مقدر خواتین و حضرات اس وقت آیا جب اس نے آپ سے پوچھا نہیں کہ میں آپ کو کہاں بھیج رہا ہوں۔ تمام انسانوں پر ایک تیسرا جبر مطلق یہ تھا کہ آپ کو نہ ماں باپ کی ذمہ داری، نہ بہن بھائیوں کی، نہ ماحول کی۔ اگر انسانوں کے پاس choice ہوتی تو سارے شاید آج ”بل گیٹ“ کے گھر پیدا ہونے کی آرزو کرتے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ چونکہ انسان کے بچے میں اور جانور کے بچے میں ایک بنیادی فرق ہے اور یہ فرق بہت نمایاں ہے کہ جانور کا بچہ ماں کے پیٹ سے نکل کر فعال ہو جاتا ہے۔ سانپ کا بچہ انڈے سے نکل کر سر سرانا ہوا غائب ہو جاتا ہے۔ بکری کا بچہ آدمی گھڑی کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کے تلاش زندگی کر سکتا ہے۔ This same does not happen with the child of men. اسکو وقت چاہیئے۔ اس کو کوئی نہیں پال سکتا باپ کے سوا۔ نہ عرف ایک دن بلکہ پندرہ سولہ برس تک وہ اپنی زندگی میں سر اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسکو ایک محفوظ تر family چاہیئے۔ ایک programming چاہیئے۔ اس programme کیلئے اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے دلوں میں محبتیں اور باپ کے دل میں شفقتیں ڈالیں تاکہ وہ اپنے بچوں کی تنہائی کریں حالانکہ ان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک individual units ہوتے ہیں جن کو زمین میں آنا اور اپنے اپنے مراحل تربیت و آزمائش سے گذرنا ہوتا ہے مگر اس کے باوجود اللہ نے ماں اور باپ کے دل میں یہ نفس تخلیق کئے۔ آپ اگر یورپ کو دیکھیں تو سولہ سال تک ایک بچہ انتظار کرتا ہے کہ کب اسے ماں باپ نکال دیں اور ماں باپ انتظار کرتے ہیں کہ کب سولہ برس ہوں اور ہم بچوں کو گھروں سے نکالیں۔ یہ وہ ہے جو انسان کی خود غرضی اور اسکی دانست میں ایک سوچا سمجھا قدم ہے۔ جس کی وجہ سے non descript, non behaving

generations پیدا ہوتی ہیں جن کو نہاں ملتی ہے نہ باپ ملتا ہے بلکہ اب تو یہ حال ہے کہ رشتہ داری اور رابطہ داری میں شادی کا لفظ ہی یورپ میں گناہ سمجھا جاتا ہے اور وہاں انکی بجائے partnership کا تصور آگیا ہے اور so common (غیر قانونی بچوں کی پیدائش اتنی عام ہے) کہ اسے کوئی خاندان بھی ڈھونڈنے میں مدد نہیں مل رہی۔

اسکے باوجود خواتین و حضرات ایک چوتھا مرحلہ ایک بہت بڑا مرحلہ ہے کہ ہم ہمیشہ مقدر کے اوپر un scientific (غیر سائنسی) انداز میں سوچتے ہیں۔ یہ صرف ہم پر لاگو نہیں ہے۔ ہمارے علاوہ ایک بلین مخلوقات اور بھی ہیں زمین پر۔ اگر ہم تھوڑے سے عرصے پہلے یہ دعویٰ بھی کریں کہ مقدر ہم نے built کیا ہے یا ہمارے قبضہ قدرت میں ہے یا ہم نے یہ کام کیا ہے یا ہم نے یہ کام کرنا ہے۔ تو، What about a bird, what about an animal, what about an ant, what about a mosquito. زندگی میں بھی مقدر کے حصول کی ایسی چیز، ایسی intelligence نظر آتی ہے جیسے بندے اپنے لیے claim کرتے ہیں۔ خدا عہد کریم نے ان کا بھی بندوبست کرنا تھا آپکا بھی کرنا تھا۔ زمین میں تمام ذخائر، انداز، تمام sources اس لحاظ سے رکھے گئے تو کچھ sources زمانوں کے ساتھ reveal (ظاہر) ہوتے گئے۔ جب انسانوں کی آبادیاں بڑھ گئیں جب جنگ عظیم میں بے شمار انسان قتل ہو رہے تھے اور کوئی سبب نہ تھا زندگی بچانے کا تو اللہ نے حادثہ اتفاقاً miraculously (معجزانہ طور پر) الیگزینڈر فلمینگ کو penicillin (پینسلین) دے دی اور وہ انکی ہمت کا حصہ نہیں تھا۔ وہ اس کی ریسرچ کا حصہ نہیں تھا۔ بس ایک بڑھیا نے کھڑکی کھولی۔ اوپر سے ڈبل روٹی پھینک دی اور اس کا ایک ڈزہ اُنکی plate، culture میں آگیا اور plate، culture کے جراثیم مر گئے۔ ڈاکٹر نے دیکھا کہ یہ کہاں سے واقع ہوا۔ کیسے ہو گیا۔ جب اُس نے research کی تو penicillin دریافت ہوئی۔ یہی حال mycene (مائی سین) کا تھا۔ یعنی زندگی کے بڑے بڑے مراحل میں خدا عہد کریم نے انسانوں کی سہولت کیلئے اسے نت نئی ایجادات سے نوازا اور اس میں ایمان والے اور غیر ایمان والے کی تخصیص نہیں تھی۔ ہر وہ آدمی جو خلوص سے محنت کرنا تھا اسکو خدا عہد کریم نے صلہ دیا۔ یعنی آپ دیکھو کہ نیوٹن نے بارہ سال کے بعد law دریافت نہیں کیا جب تک کہ اُس کے وجدان

میں اللہ نے اشارہ نہیں ڈال دیا اور اس نے کشش ثقل دریافت کر لی۔ بات یہ ہے کہ مقدر کے بارے میں:

سنی حکمت ہستی تو درمیاں سے سنی

We don't know what happened in the past ہمیں نہ اپنی ابتداء نے حیات کی خبر ہے، نہ ہمیں مستقبل کی خبر ہے۔ جب زندگی کے دور سے گزرے، activity سے گزرے، پھر دوبارہ dependence شروع ہو گئی بیٹوں پر، بچوں پر..... علامات زندگی نہ رہی، بیانی ختم ہوئی۔ سننے کی طاقت گئی۔ Sans taste, sans teeth, sans everything. یعنی وہی دور جو بچپن کا دور تھا، جہاں ہمیں protection اور زندگی کی ضرورت تھی۔ یہ خطرہ، جوانی المعری ختم ہوا اور اب پھر وہی مسکینی و محتاجی پوزھوں میں شروع ہو گئی۔ کوئی شوگر سے پڑا ہے، کوئی anxiety سے مردہ پڑا ہے، کوئی لپاچ ہوا ہے، یعنی صرف تھوڑے سے عرصے کیلئے انسان یہ خیال کرنا ہے کہ جو کچھ کر رہا ہوں میں کر رہا ہوں اور میں اپنی زندگی کیلئے responsible ہوں۔

سنی حکمت ہستی تو درمیاں سے سنی

نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انجام کی خبر

خواتین و حضرات! مسئلہ یہ پیدا ہونا ہے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ اب ایک اور بات سیکھے فرض کرو کہ آپ قبر تک گئے اور اللہ نے کہا کہ تمہارا رب کون تھا۔ آپ نے کہا: "Sorry" اللہ میاں! آپ نے فرصت دی ہوتی تو میں سوچتا، آپ نے مجھے پیدا کیا مصیبتیں ڈال دیں، روٹی میرے ذمے لگا دی، صحت کرنی میرے نکلے ڈال دی، میں کام کاج کرنا رہا۔ میں ماں باپ سنبھالتا رہا۔ میں نے بہن بھائیوں کی ذمہ داریاں اٹھائیں اور پھر اسکے بعد نوکری علیحدہ، اوپر Bosses کی سرگرمیاں سنبھالتے سنبھالتے میری عمر تمام ہوئی۔ خداوند اگر تو فرصت دیتا تو میں جاننے کی کوشش کرنا کہ تو کون ہے کیا ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ reason اچھی نہیں ہے؟ میرا تو خیال ہے کہ یہ بڑی معقول reason ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر انسان واقعی ایسا سب کچھ کرنا ہے اور خدا کے سامنے یہ عذر رکھے کہ میں مصروف تھا۔ مجھے پڑو نے قرض رکھا ہوا تھا زندگیوں کا..... لوگوں کے مسائل رکھے ہوئے تھے۔ ماں باپ کے فرائض رکھے ہوئے تھے۔ I didn't have much time, i didn't have much time to do all this to

know about you. تو ربّ کعبہ کی قسم ہے کہ انسان کی دُنیل میں وزن تھا مگر خدا کہتا ہے کہ بندہ جھوٹ بولا ہے۔ اسکے ذمے کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ اسکے ماں باپ، نہ اسکے بہن بھائی، نہ اسکے بچے، نہ اسکا رزق، نہ اسکی عزت، نہ اسکی توہین، نہ اسکے مراتب مغلیہ، نہ اسکے درجات عالیہ اس میں کچھ بھی اسکے ذمے نہیں تھا۔ پھر لوگوں نے پوچھا: ”یا رسول اللہ ﷺ! پھر ہم کرتے کیا ہیں؟ ہم کیوں بھانکتے دوڑتے پھرتے ہیں؟ (بے سون کشکاش میں پڑے ہوئے کبھی ادھر کی نوکری کبھی ادھر کی) آپ ﷺ نے فرمایا اور بہت سچ فرمایا: ”قال اللہ“ اور ”قال الرسول“ دیکھئے۔ فرمایا: ”مَا مِنْ ذَا بِيَةِ الْاَهِلِ الْاُخُو اِحْدُكُمْ بِنَا صَيِّتَهَا اِنَّ رَبِّي عَلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ“ (حدود ۵۶) کہ تمہارا رب سیدھے راستے پر ہے اور تمام ذی حیات کا اتھا اُس نے تمام رکھا ہے۔ خواتین و حضرات! The modern researches will tell you کہ ماتھے کے پیچھے fore brain ہے۔ forebrain قوت و ارادہ کا center ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ تمام تخلیقات کے fore brain میں اللہ نے ایک ریوٹ کنٹرول رکھا ہوا ہے ورنہ کوئی حادثہ نہ ہو، کوئی سانپ کیوں کانے؟ کوئی بچھو کیوں ڈنگ مارے، کوئی غلطی کیوں ہو؟ کوئی کوئی کیوں ہو کہ جبر مطلق کا جو سلسلہ اللہ نے چلا دیا ہے۔ وہ بغیر ریوٹ کنٹرول کے نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی کی فطرت میں اس نے ایسا نہیں ڈالا بلکہ وہ اپنی حکمت عالیہ سے fore brain پر کنٹرول رکھتا ہے اور جو کچھ انسان اعمال کرتے ہیں وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اُس fore brain کے کنٹرول سے کرتے ہیں۔ وہ انسان کو چھ جگہ apply کر دیتا ہے۔ ادھر بھاگ رہا ہے۔ ادھر بھاگ رہا ہے۔ کوئی سفارش و صوفی رہا ہے۔ کوئی توکل کر رہا ہے۔ یہ سارے اعمال آپ نے کرنے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کوئی کام کرانے ہوتے ہیں تو ارادہ اور قوت (drive motives) کو قبضے میں لے لیتا ہے۔ انسانوں کے drive motives کو وہ قبضے میں لے لیتا ہے اور پھر جو چاہتا ہے وہ ان سے کرانا ہے۔ جس طرح چاہتا ہے اُن سے کرانا ہے۔ خواتین و حضرات اگر یہ سارا protocol تسلیم کر لیا جائے تو پھر ایک بہت بڑا سوال کیا جائے گا Why God has created us? اگر اس روٹھن سے گزرا تھا تو پھر خدا نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ What for we are here? What does he mean to do with us? یہ کیا تمہارے؟ یا جان بارڈی کا قول ہے کہ ”ہم مٹیوں کی طرح ہیں جنہیں وہ اپنے کھیاں میں مارتا ہے۔“ خواتین و حضرات یہ متھد نہیں تھا..... ”وَاذْ قَالِ رَبِّكَ لِلْعَالَمِیْنَ

جاء عمل فی الارض خلیفة“ (البقرہ: ۳۰) کہ میں نے زمین پر ایک بڑی معزز ہستی کی بنیاد رکھنی ہے۔ میں نے اُسے اپنی کمالات کا مالک و مختار بنانا ہے۔ یہ واحد حقوق ہے جسے میں نے artificial intelligence دے دی۔ باقی حقوق کو نہیں دی۔ فرشتوں کو نہیں دی۔ باقی سب اپنی routines (عادات) کے قیدی ہیں۔ وہ تجربہ جو آج کا انسان اپنے روبوٹس پر نہیں کرنا چاہتا پروردگار عالم نے، خدائے مطلق نے اس انسان پر کیا کہ اسے artificial intelligence دے دی۔ اسکو decision power (قوت فیصلہ) دے دی۔ اسکو فیصلہ کرنے کی طاقت دے دی مگر دی بڑے عجیب اور انوکھے کاموں کیلئے..... خواتین و حضرات! سورۃ دہر کی آیات کا مطالعہ فرمائیے:

”هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا“ (الدھر ۷: ۱)
 بلاشبہ ارب بارب سال انسان زمانے میں ایسے رہا کہ کوئی قابل ذکر شے نہیں تھا۔ پھر اللہ نے کہا کہ میں نے چاہا کہ (پہلے یہ single cell میں تھا) single cell سے یہ double cell میں چلا جائے۔ ”ان خلقنا الانسان من نطفة امشاج“ پھر ہم نے اس کا نطفہ تھوڑا کر دیا۔ پہلے امیبا Amoeba کی صورت میں تھا۔ اب ہم نے اسکو double cellular (دوہرے نطفے) کی صورت دے دی۔ female (مادہ) اور male (نر) بنا دیئے تاکہ production (نسل) کی بہتری ہو جائے۔ ہم اسے آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ ”نبشله فيجعلنه سميعا بصيرا“ ہم نے اسے بڑا special gene دیا تھا۔ اس حقوق کو ہم آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ اس سے ہمارا ایک خاص مقصد وابستہ تھا۔ ہم نے اسے سماعت اور بصارت کے system دے دیئے۔ but not yet, he was not able to do. what ever God present to do. stage آئی۔ Homo-habilis مکمل ہو گئی۔ Homo-erectus سے Homo-habilis۔ انسان ترقی کرنا ہوا جسمانی وجود میں بالغ ہو گیا مگر ابھی اسکو عقل سے واسطہ نہیں تھا۔ وہ جو شعور آدم ہے وہ ابھی اس میں پیدا نہیں ہوا تھا لیکن pre-neolithic age (ما قبل دور حجری) کے بعد انسان اچانک بستیاں بسانا نظر آتا ہے۔ میاں بیوی نے کام بانٹ لیے ہیں۔ اچانک لگتا ہے اس کو عقل کی معرفت نصیب ہو گئی ہے۔ اس پر دو اقوال ہیں۔ ”شاكر محمد الدين دس عربی“ نے کہا:

”پھر انسان کو بنا کر اللہ نے اسے چالیس ہزار سال سے دیکھا کیا۔ پھر اس پر ماگہاں چلی، بڑاں
فرمائی اور یہ سوچنا ہوا انسان ہو گیا۔“
will Durant نے کہا:

We only know this much about human beings, ”
perhaps after the ice-age he was such a kind of person.

(ہم انسان کے بارے میں صرف اتنا جانتے ہیں۔ شاید برافانی دور کے بعد جو انسان تھا وہ ایسا ہی تھا)

Some where heavy electric shock came from the skies
and heaven and he had more brain.

جھکا آیا اور اس کا دماغ بڑھ گیا (پھر اسکے ذہن کی مقدار بڑھ گئی تو یہ سوچنے کے قابل ہو گیا۔ مگر

اس کا مقصد کیا تھا؟ صرف قرآن یہ واضح کرتا ہے۔ خواتین و حضرات یا رکھیے کہ دنیا کا کوئی بھی

thesis (نظریہ) زندگی کی کسی happening (آغاز) کی مکمل تعریف نہیں کر سکتا۔ کسی بھی

نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے آپکی معلومات بھی نامکمل رہ جائیں گی۔ خیال بھی نامکمل رہ جائے گا

تمام حقائق معمولی بن جاتے ہیں سوائے خدا کے جب missing links (درمیانی

رابطے) بیکار ہو جائیں تو پھر قرآن کو ہمارا پڑنا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اس چوتھی stage پر ہم نے

اسے ذہن عطا فرمایا، دماغ دیا۔ صلاحیت فکری دی اور ایک مقصد بتایا: ”إِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ

إِنَّمَا شَاكِرُوا وَإِنَّمَا كُفُّورًا“ (۳: ۷۶) چاہو تو ہمیں مانو چاہو تو ہمارا انکار کر دو۔ خواتین و حضرات یہ

زندگی کی top priority (ترجیح اول) ہے۔ یہ thinking (فکر) کی priority ہے۔ یہ

existence (ہذا) کی priority ہے۔ اعمال کی priority ہے۔ We only come

here to admit to one major fact, do we have God or do

we not? اسکے علاوہ زندگی کا کوئی اور prior (بڑا) مقصد نہیں ہے۔ باقی تمام protocol

(سیولت) ہے۔ یہ سب اللہ نے دی ہیں۔ مقدر یہاں نہیں ہے خواتین و حضرات کیا ساٹھ

برس مقدر ہے جسے اللہ نے interfere (مداخلت) ہی نہیں کرا، جہاں ظالم ظلم سے آزما جا رہا

ہے مظلوم، مظلومیت میں اپنے رجحانات سے آزما جا رہا ہے۔ جہاں قاتل بخشا جا رہا ہے۔

مقتول سزا پا رہا ہے۔ جس کے بارے میں نیات کا آپ کو علم ہی نہیں ہے وہ کیسے جائیں گے

امتحان گاہ میں کیسے result کی interference ہو سکتی ہے؟ اصل میں مقدر تو قبر کے

بعد شروع ہوتا ہے۔ قبر کے بعد آپ کا اصلی مقدر ہے۔ آپ نے جت جانا بچا دوزخ جانا ہے۔
یہاں کونسا مقدر ہے؟ یہاں تو صرف سبوتیں ہیں جو اللہ نے آپ کو سوچنے کیلئے دی ہیں اس لیے
میرا نہیں خیال کہ مقدر آپ کو کسی چیز سے روکتا ہے یا نہیں روکتا۔ آپ کے اسباب متعین، آپ کا
رزق متعین، ہر چیز متعین..... جس نے مقدر کا انکار کیا اس نے اپنے آپ کا انکار کیا۔ یہ علیحدہ بات
ہے کہ کسی کو ایک حالت میں رہنے نہیں دیا جاتا۔ ”مَلِكِ الْاَيَّامِ نَسَا وَلِهَاسِيْنَ النَّاسِ“ (ہم
لوگوں پر ایک جیسے دن نہیں رہنے دیتے۔) کسی کو غربت سے امارت کو چلایا جاتا ہے۔ کسی کو امارت
سے غربت کی طرف چلایا جاتا ہے۔ کسی کو درمیان میں رکھا جاتا ہے۔ There are only
three ways of (یہ صرف تین راستے ہیں) جسے آپ تقدیر کہتے ہیں۔ Three ways of
existence are being tested. (جنگل کے تین طریقوں سے آزمایا جاتا ہے) جب
آپ کو غریب بنایا، دشوار زندگی دی تو آپ کے اندر qualities جمع کر دیں۔ آپ نے کبھی تاریخ
کا قول سنا کہ Adversity is the school of all greatness. (غربت ہی
تمام عظمت کا گوارہ ہے) کسی کو غربت دے دے کے اُسے عظیم qualities دے دیں۔ کسی کو امارت
دے دے کے اُسے tension اور گھبراہٹ دے دی۔ وہ سب کا حساب برابر رکھتا ہے۔ کسی کو
درمیان سے گذارا تو نیچے سے تکبر اور اوپر سے inferiority (احساس کمتری) دے دی۔ He
is checking the people only within these stages till we
believe there is a God and we believe in him and we go
to grave. اور مسئلہ وہی ہے کہ میں نے ایک شخص کو پیسے دیئے اور کہا کہ ”لاہور میں میرا کام
کر آنا۔ یہ ہیں کرائے کے پیسے..... یہ ہوٹل میں ٹھہرنے کے پیسے..... یہ قرض کے پیسے..... فلم
دیکھ لینا، میر کر لینا، کھانا ٹھیک ٹھاک کھانا۔ یہ letter deliver کر کے آ جانا“ اور خواتین و
حضرات وہاں آئے تین دن کے قیام کے بعد..... کہے ”جی میں نے بہت enjoy کیا۔ میں
نے سنتوش کمار کی پرانی فلم دیکھی بہت مزہ آیا۔ میں نے فلاں جگہ تماشا دیکھا۔ الحراء میں ڈرامہ
دیکھا اور میں نے کھانا بھی بہت اچھا جی.....! میں تو food street میں جانا رہا ہوں۔ برا
enjoy کیا۔ پیسے میرے پاس خوب تھے۔ بندوبست خوب تھا“..... ”بھئی! میرے letter کا
کیا کیا۔ وہ دے کے آئے؟“

"OH, sorry, I forgot to deliver", that's exactly was going

to happen to us after the end of this world and Allah is going to ask this question. "normally I gave you life, facilities, children, I gave you a very strong system of living, I gave you so much comforts. I gave you courage to overcome all difficulties of the way... Now tell me have you done your job. Do you know who is your God?" "Sorry, Allah mian! I was too busy. I could not have time to think over this question".

خواتین و حضرات! اپر نوکول facility (سہولت) ہے اور اصول یہ decision making (فیصلہ کرنے) میں آپکو مدد دیتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں creator (خالق) ہوں یا میں نے یہ create, facilities کی ہیں یا یہ اسباب اور ذرائع میری تخلیق ہیں۔ سب اللہ کا ہے اور آج سے پچاس سال پہلے ان professions میں جواب موجود ہیں کوئی adjust نہیں کرتا تھا۔ قدرتی طور پر جو انسانوں کی تعداد بڑھتی ہے، اندازہ زندگی بڑھتے ہیں تو اسکے ساتھ نئے professions (پیشے) تخلیق ہوتے ہیں۔ یہ سارا اللہ کا کام ہے کہ اُسے انسانیت کو بڑھتے ہوئے مدد دی اور اس کو منتظر کرتے ہوئے بھی مدد دی۔

سوال: انسانی جسم کے اندر روح، دماغ، عقل، نفس اور شیطان کا آپس میں کیا تعلق ہے اور consciousness یعنی زندگی ہونے کا احساس کیا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! اتنا بڑا سوال! حال ہی میں میں نے چار پارچے گھنٹے کا ایک لیکچر کیا ہے اور اس کا عنوان تھا۔ Self Satan and Man (نفس، انسان اور شیطان) اور ان میں سے ایک ایک چیز بھی بہت تفصیل مانتی ہے اور میں مجبور ہوں کہ اس مختصر سے وقت میں شاید اس کی تفصیل میں نہ جاسکوں۔ کیونکہ میرے جتنے بھی لیکچرز ہیں وہ عام طور پر ان موضوعات پر ہوتے ہیں جو کسی وقت کسی ایک آدھ confusion کا نتیجہ ہوں تو میں مختصر آپ کو بتاؤں گا۔ اگر آپ میری کتاب ”مقدمۃ القرآن“ دیکھ لیں تو اس میں پہلی دفعہ self کو میں نے جہتوں کے پیکٹ کے طور پر explain کیا ہے کیونکہ ہم بہت عرصہ جانوروں میں رہے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہم زمین پر کوئی اتنی لاکھ سال سے شعوری طور پر exist کر رہے ہیں اور patterns میں

exist کر رہے ہیں اُس وقت تو ہم آج جیسے انسان نہیں تھے یعنی اگر آپ primates (ہندو نما انسان) کو دیکھیں کہ جس شکل میں انسان موجود تھا۔ تو primate کو دیکھ کے بچے ڈر تو سکتے ہیں اور خوفزدہ ہو سکتے ہیں مگر primates کو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تارے آباؤ اجداد تھے۔ وہ اتنے بدبخت ہیں تو اتنی لاکھ سال پہلے حقوق زمین میں ایک فیصلہ ہوا۔ کچھ زمین کے بلوں میں گھس گئے۔ کچھ اوپر چڑھنے والے تھے۔ اُن میں ہم بھی تھے، حضرت انسان بھی تھا تو ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم آسمانوں کو بلند ہوں۔ This was the first effort۔ (یہ وہ پہلی کوشش تھی) یعنی فیصلہ کرنے کی..... جسکے بعد انسان درختوں پر چڑھے، اُن کی آنکھیں کھولنی شروع ہوئیں۔ And we made this decision مگر اسکے باوجود جب تک ہدایت ہم کو نہ پہنچی تھی، جب ہم ایک جسمانی تربیت کے مراحل سے گزر رہے تھے تو اس وقت یہ لازم تھا کہ ہم جانوروں کی عادات لے لیں کیونکہ لاکھوں برس ہم جانوروں کے ساتھ رہے تھے۔ جانوروں کی جس جلی اقدار کے ساتھ ہم نے وقت گزارا ہے، چالیس ہزار برس جو ہم نے زندگی گزاری ہے جہاں ہم تھوڑا سا شعور بھی حاصل کر چکے تھے تو پھر بھی ہم اُن جانوروں کی محبت سے گریزاں نہیں تھے۔ اس لئے ہماری عادات میں defence (حفاظت) کی، grab (چھینا جھپٹی) کی، لالچ اور انس کی، قبضے کی، یہ ساری انہیں کی طرف سے آئی ہیں۔ ان سب سے ایک self بنتا ہے۔ It is a packet of instincts (یہ جملوں کا ایک پکٹ ہے) جس نے مل کر ہمارے نفس کی تخلیق کی ہے مگر پھر ان سب سے اوپر عقل کی عکرائی اللہ نے آدم کے ذریعے انسان کو دی اور ان میں فرق کیا مگر یہ نفس جو ہے ہمیشہ ہمیں retrogression (مراجعت) اور نیچے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ مہذب ترین بھی کیوں نہ ہو پھر بھی retrogression کو جاتا ہے۔ نفسیات میں یہ فرق ہے کہ یہ اس کو بہتر self گنتی ہے مگر اللہ اسے ہر حال میں حریف گنتا ہے۔ حدیث قدسی ﷺ ہے کہ انسان کے نفس کی شکل میں اللہ نے اپنا سب سے بڑا دشمن تخلیق کیا کیونکہ بہر حال اللہ کی معرفت عقل سے ہے اور جملیں عقل کی دشمن ہیں۔ یہ emotional stance (جذباتی ترتیب) پر ہیں۔ self (نفس) کو ہوا دینے والی دو چیزیں ہیں۔ self کا اور شیطان کا میں آپ کو بنیادی فرق بتا دوں کہ self وہ ہے جو repeat کرتا ہے۔ یہ recurrent (متواتر وقوع پذیر) ہے۔ جب آپ کے اندر ایک خواہش پیدا ہوتی ہے تو یہ بار بار repeat کرے گا۔ اگر آپ نے نئی وی لینا ہے تو آپ بھول نہیں سکتے۔ ہر روز یہ آپ کو نئی وی یاد کرانے لگا۔ ”یارتی وی

لیتے کیوں نہیں۔ یا رگازی چاہئے، گاڑی لیتے کیوں نہیں، دیکھو فلاں کے پاس آگئی آپ کیوں نہیں گاڑی لیتے ہو۔ یا رکتا ہوا لگتا ہوں پیدل چلتے ہوئے، دیکھو ساری دنیا گاڑیوں پر سے گزرتی ہے۔“ یہ آپ کو بار بار repeat کریگا۔ اتنی بار repeat کرے گا کہ یہ state of anxiety، (بے چینی کی حالت) پیدا کر دے گا۔ جہاں اُٹھو گے گلے لے کے، جہاں بیٹھو گے گلے لے کے، اور یہ آپ کی عمر گنتا دے گا۔ خواتین و حضرات اسکی مثال ایک بڑے مشہور چھوٹے سے افسانے میں دی گئی کہ ایک خاتون کو بڑا شوق تھا۔ مارکیٹ میں گئی، اُس نے دیکھا کہ ایک چمچاتی ہوئی خوبصورت نئی گاڑی کھڑی ہے، وہ بہت افسردہ اور بے چین ہوئی کہ کتنی خوبصورت ہے، وہ قریب گئی تو اُس نے دیکھا کہ ایک بڑی بد بیعت قسم کی بڑھیا اُسے چلا رہی ہے تو اُسکے دل میں خیال آیا۔ بھلا یہ بھی deserve کرتی ہے گاڑی کو۔ اس گاڑی میں تو میں deserve کرتی ہوں۔ میں جو اس قدر خوبصورت ہوں۔ I'm such a beautiful women, deserve میں such a graceful girl. کرتی ہوں تو اُسے عہد کیا کہ میں گاڑی خرید کر چھوڑوں گی۔۔۔۔۔ پھر اُس نے پیسے بچائے، محنتیں کیں۔ اُس نے رنگ اباڑ لیا۔ اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالا۔ After about ten or twelve years she was able to buy a car. تو اس میں اسکی خوشی کی کیا انتہا ہوگی۔ وہ خرید کر مارکیٹ میں گئی تو قریب سے گزرتے ہوئے دو شوخ لڑکیوں نے کہا: ”دیکھو! گاڑی کتنی خوبصورت ہے اور یہ کتنی بد صورت ہے۔“ دراصل self یا نفس آپکی کسی خواہش کو آسب کی طرح آپ پر مسلط کر دیتا ہے۔ اسی طرح neurosis (اعصابی غفل) اور psychosis (نفسی بیماریوں) میں آپ دیکھتے ہو کہ ذہن ایک خیال کو بار بار چلتا رہا ہوتا ہے۔ بار بار آپ پر obsessions (وہم) ڈال دیتا ہے۔ تمام psychological diseases are born because of the repetitive self. (تمام نفسیاتی بیماریاں نفس کی تکرار سے پیدا ہوتی ہیں۔) یہ کسی بھی possession یا کسی خیال کو aggressively repeat کرتا ہے۔ اس کا کوئی علاج نہیں سوائے اللہ کے۔۔۔۔۔ ڈاکٹروں کے پاس بھی کوئی علاج نہیں (معاف کرنا) میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ کوئی بھی Pshychological Obsession fully curable (نفسیاتی وہم مکمل طور پر قابل علاج) نہیں ہوتا صرف اسکے سلسلے توڑنے ہوتے ہیں جیسے پرانے زمانے میں لوگ جنات کے مریضوں کو جوتاں مارتے تھے یا انکا کاتے تھے، یا دھوئی دیتے تھے

مرچوں کی، تو اسل میں وہ اس لیے دیتے تھے کہ اس کو موت کا ڈر پیدا ہو کیونکہ موت کا ڈر واحد ڈر ہے جو اس قسم کے بگاڑ پر غالب آتا ہے۔ پھر آخر مار کھا کے پجاری کوئی لڑکی، لڑکا پکار کے کہتا ہے۔ ”نہیں جی! بس جن چلا گیا۔“ I'm OK. یہ حال آجکل ڈاکٹر کرتے ہیں۔ From synthetic to electric shock centre of brain (مرکب دماغ) میں جو thought یا خیال repeat ہو رہا ہوتا ہے وہ اسے shift کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چاہے سزا سے کریں۔ But this is not fully curable. (لیکن یہ مکمل طور پر قابل علاج نہیں ہوتا۔) یعنی ابھی ہم دیکھتے ہیں کہ پورے امریکہ میں بھی schizophrenia قابل علاج ہے۔ صرف وقتی طور پر heavy matter سے سوسلا کے قہوڑا آرام دے کر اس کی شدت کو کم کر دیا جاتا ہے۔

سوال: قرآن مجید، فرقان حمید قلب محمد ﷺ پر اتارا گیا تو کیا قلب کا درجہ دماغ سے بلند ہے؟ کیا قلب دماغ سے زیادہ مضبوط ہے؟ اور کیا قلب سے مراد وہی گوشت کا لوتھڑا ہے جسے medical science جانتی ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! اصل میں اس سوال کے حوالے سے کچھ چیزیں فرض کر لی گئی ہیں۔ باقی جو جی کے آثار ہم تک پہنچتے ہیں اس میں دل کی بجائے دماغ receptive (قبولیت) کا نشان ہے کہ حضور گرامی مرتبت ﷺ کو سخت پسینہ آیا کرنا تھا اور ان کی جبین مبارک عرق آلود ہو جاتا کرتی تھی اور وہ بڑی اذیت محسوس کرتے تھے تو اصل میں کسی بھی چیز میں دل جو ہے وہ emotions (جذبات) کا مرکز ہے۔ اس سلسلے میں میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ feelings احساسات، جذبات emotions سب sciences ہیں چونکہ بعض چیزوں تک ہماری نظر نہیں گئی تو ہم ان کو non scientific سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان تمام کام تمام انتہائی delicate نزاکت کے اصول پر بنایا گیا ہے اور دل سے چلا ہوا emotion یا ایک directive (حکم) دماغ میں آدھے سینکڑ تک پہنچتا ہے۔ یہ ایک emotion، blind، (اندہ عاجز ہے) ہوتا ہے جس کو دماغ interpret (واضح) کرنا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کچھ نہیں۔ اگر آپ نے اس میں پلاسی کاسن نہیں ڈالا ہوا تو آپ جتنا مرضی زور لگا لو یہ پلاسی کاسن آپ کو کال کے نہیں جتا سکتا۔ یہ fully fed computer ہے (مکمل تربیت یافتہ) اور کسی بھی emotion کو یہ interpret کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی دل ادا اس ہے اور دماغ کو

مکمل بھیجے کہ میں کیوں اُداس ہوں تو یہ بتائے گا کہ آپ کی مہر کی کاچہ مر گیا، اسلئے اُداس ہو۔ یہ سارا brain کا stance (خاص انداز) ہے۔ یہ وہ نہیں ترین computer ہے خواہ مخواہ حضرات کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ You cannot imagine کہ اس کے connections اتنے مازک ہیں کہ ان کی تعداد 9×10^{36} ہے بلکہ جب ایک کانڈ پر آپ کانڈ رکھتے ہو اور اس پر دوسرا کانڈ رکھتے ہو تو پندرہ ارب سال تک اگر کانڈ رکھتے چلے جاؤ تو پھر کہیں جا کر یہ brain connections (ذہن کے رابطے) پورے ہوتے ہیں۔ ہمارے اندر اس قدر مازک ترین وسعت ہے۔ اصل میں ہمارا پورا دماغ 007 (دولت) چارج پر چل رہا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ دماغ کا اس قدر مازک ترین نظام 007 چارج پر چل رہا ہے۔ دماغ کے کسی حصے میں جب fixation (مرکزیت) پیدا ہوتی ہے تو charge بعض حصوں کو جلا بند ہو جاتا ہے اور کچھ حصے کو زیادہ جانے لگتا ہے۔ یہ تمام ذہنی گڑبڑ اس charge کی concentration کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے نہ اس قسم کی کوئی specification (تفصیل) موجود ہے کہ اگر حضور ﷺ کے دل پر یہ اثر پایا الفاظ میں اللہ ہوتا۔ اگرچہ یہ بھی ایک صورت موجود ہے کہ ان کو اللہ بھی کیا گیا۔ وحی کے چونکہ بہت سے ذرائع ہیں کہ جس میں باہر سے ایک شخص (جبرائیل) نے آ کے کوئی بات کہی۔ یا دل کے اندر سے نکلا۔ براہ راست ہم تک وحی کی صرف ایک صورت پہنچی ہے جو رسول اکرم ﷺ نے ہمیں بتائی ہے کہ جیسے زنجیروں کے ’سنگے‘ کی آواز ہوتی ہے تو بڑی اذیت سے ذہن کی ایک خاص frequency (رفتار) پر یہ خیال اترتے تھے۔

یہاں میں ایک بات بتانا چلوں کہ بہت سے لوگ حدیث کا مرتبہ نہیں جانتے۔ اصل میں قرآن establish ہی نہیں ہوتا جب تک ہم حدیث پر آ سرا نہیں کر لیتے۔ اگر رسول اکرم ﷺ ہمیں نہ بتائیں کہ یہ قرآن ہے تو ہمارے پاس کوئی source بھی نہیں ہے یہ جاننے کا کہ قرآن کیا ہے۔ یہ بات اچھی طرح یاد رکھئے کہ حضور ﷺ کی زبان سے دو لفظ مبارک نکلتے ہیں۔ ایک قرآن ہے اور دوسرا حدیث ہے۔ اگر ہم حدیث پر trust (اعتبار) نہیں کریں گے تو ہم قرآن پر trust نہیں کر سکتے البتہ ہمارے پاس ایک liberty (آزادی) موجود ہے کہ جب کسی کو حضور ﷺ نے قرآن کہہ دیا تو اس پر ہم questioning (اعتراض) نہیں کر سکتے۔ مگر جب یہ کہا جائے کہ یہ حضور ﷺ کا دوسرا قول مبارک ہے تو بھی ہم اس پر

discussion کرنے میں احتیاط کرتے ہیں اور حدیث کی افادیت اتنی زیادہ مضبوط ہے کہ وہ شخص جو قول رسول ﷺ کا منکر ہے وہ قرآن کا بھی منکر ہے اس لیے کہ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہے کہ قرآن، قرآن ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ اس کی عربی اچھی ہے تو وہ تو میرا خیال ہے چند ایک معزز عربی دانوں کو ہی سمجھ آ سکتی۔ ہمیں تو اُس آدمی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اس کی عربی زیادہ اچھی ہے یا بُری ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ اُس کا style جدا ہے تو میرا خیال ہے کہ ہم میں سے بے شمار لوگ عربی کا style سرے سے جانتے ہی نہیں ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ اُس میں خدا بولتا ہے تو خدا تعالیٰ سمجھا جائے گا جب عربی پر گرفت ہوگی۔ اُس میں بے شمار ایسی باتیں ہوگی جن تک ہماری رسائی نہیں ہے مگر اس قرآن کی صداقت کو ثابت کرنے کیلئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے messenger کی صداقت کو ثابت کیا۔ چالیس برس تک صادق اور امین عرف سلیم رسول اللہ ﷺ کو کہلایا کہ جب یہ شخص بات کرے تو لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ شخص کوئی غلط بات نہ کہہ سکتا ہے نہ کر سکتا ہے اور جو کچھ یہ دے رہا ہے یہ سچ ہے حتیٰ کہ جب ”کوہ فاران“ پر حضور ﷺ نے کہا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے فوج ہے تو آپ کو پتہ ہے کہ لوگ بھاگنا شروع ہو گئے کہ اگر یہ گمان بھی کر رہے ہیں تو سچ ہوگا۔ یعنی انہیں اتنا اعتقاد اور اتنا یقین اُس صداقت و امانت پر، اس اللہ کے رسول ﷺ پر تھا۔ جب لوگ آپ ﷺ کی بات کے قائل ہو گئے تو لوگوں نے یہ کہا کہ ان پر جنت آگئے ہیں۔ ان میں جادوگری آگئی ہے مگر کسی شخص نے رسول کریم ﷺ کی صداقت و امانت کو شبہ کی نظر سے نہیں دیکھا۔ یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ ایمان رسول ﷺ کے بغیر ہے ہی نہیں کہ ہم نے اُن کی بات مان کر خدا کو تسلیم کیا ہے۔ غیب ہماری نظر میں نہیں تھا۔ ہم جاننے والے نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بغیر کسی کو جاننے والے نہیں تھے۔ ایک سلسلہ چل رہا تھا کہ کسی نے کہا کہ موسیٰ ”علیم اللہ“ ہیں۔ کسی نے کہا کہ عیسیٰ ”روح اللہ“ ہیں۔ اُن میں کلمہ پھینکا گیا۔ اب ہمارے رسول ﷺ کی باری جب آئی تو اللہ نے کہا کہ کم از کم ایک تو witness (گواہ) ہو جو visual witness create کرنا ہو۔ (بصری گواہی رکھتا ہو) ایک natural progress (قدرتی سلسلہ) ہے کہ ایک رسول کو کلام دے دیا گیا۔ اگلے رسول کو روح یعنی جبریل امین عطا کر دیئے گئے کہ وہ ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ”وَإِن كُنْتُمْ بِرُوحِ الْقُدُسِ“ اب آگے کیا رہ گیا تھا establish کرنے کیلئے سوائے vision (بصری شہادت) کے اور پوری کائنات میں اور پورے زمین و آسمان میں اگر اللہ کے اوپر ایک بھی

personal witness (ذاتی گواہی) نہ ہوتی تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ سارے کا سارا آئیڈیل ہے۔ خدا نے چونکہ اپنی ذات گرامی پر شہادت مکمل کرنی تھی اس لیے شب معراج کو یہ آخری degree (درجہ) پوری کر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ ذات پروردگار کے eye witness (بصری گواہ) ہیں۔ اور پھر وہی امانت و صداقت کی بات ہے کہ بہت سے انبیاء کے process (تسلل) سے گذرتے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ واحد eye witness ٹھہرے اور اللہ پر شہادت دینے والے ٹھہرے، شاہد ٹھہرے اور مذہب ٹھہرے۔ ویسے بھی اگر آپ قرآن حکیم پر احوال اسکی ایک آیت بڑی واضح ہے۔

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاقَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“ (۵:۳)

کہ آج ہم نے دین بھی مکمل کر دیا اور نعمت بھی تمام کر دی۔

خواتین و حضرات! دین کتاب ہے اور نعمت رسول ﷺ ہیں۔ وہاں کتاب ختم ہوئی اور یہاں صاحب کتاب ختم ہو گیا۔

سوال: ہم اسلام کو کیوں follow کریں جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اسلام کو نظر انداز کر کے زیادہ کامیاب ہیں اور زندگی کا لطف اٹھا رہے ہیں؟

جواب: اول تو یہ ساری judgement (فیصلہ) سرسری ہے۔ بن بطوطہ کسی ساحل سے گزرا تو اُس نے کہا کہ ”وہ ہم نے کون دیکھا کہ جو یونینوں سے بات کر رہا تھا“۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ بے چاروں کے ہاں کوئی دعوت ہو تو یہ بن بطوطہ قسم کی statement (بیان) ہے کہ ہم نے دیکھا کہ لوگ بڑے خوش ہیں۔ بڑا enjoy کر رہے ہیں۔ آپ مجھ سے بھی پوچھ کے دیکھ لو۔ میں جو ہزاروں لوگوں سے ہفتے میں ملتا ہوں یاد دیتا ہوں۔ میرے نزدیک I can simply call it an age of fear and frustration (میں اسکو صرف خوف و ہزن کا دور کہوں گا۔) شرق اور مغرب سے ایک ہی report آ رہی ہے۔ میں آپ کو ایک حیران کن بات بتاؤں کہ جب میں امریکہ گیا تو بہت سی christians خواتین اور مرد جو مجھے ملنے آئے اُن کا ایک ہی claim مسلسل تھا، کوئی کہتا تھا کہ میں بائیس سال سے جاگ رہا ہوں، کوئی کہتی تھی کہ میں اکیس سال سے جاگ رہی ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تھی اس بات کی۔۔۔۔۔ اتنی بے چارگی۔۔۔۔۔! آپ سوچ نہیں سکتے کہ کس بے چارگی سے مجھے joice نے کہا ہو گا کہ ”پر وہی I have not slept

for the last twenty one years. (میں اکیس سالوں سے نہیں سوئی۔) تو کون کہتا ہے کہ وہ enjoy کر رہی تھی۔ ایک صاحب مجھے ملے وہ fine arts کے تھے۔ میں نے انہیں کہا۔ Have you ever thought of the bigger realities of life. (کیا تم نے زندگی کی بڑی حقیقتوں کے بارے میں کبھی سوچا ہے۔) تو اس نے مجھے کہا کہ چالیس سال تو میری عمر ہو گئی ہے۔ ابھی تک تو مجھے خدا کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا، نہ مجھے ضرورت ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب آدمی ایک frustration میں، ایک frustrated pattern میں اتنا دور آگے جا چکا ہو مگر یہ کیا پتہ کہ اکتالیس سال میں برأت یوں لگ جائے اور میرا خیال یہ ہے کہ ہم سب transition میں (گزراں) فیصلہ دیتے ہیں۔ ہم کسی کی زندگی کو پوری طرح نہیں جانتے۔ مثلاً لوگ کہتے حیران ہوئے ہو گئے جب ذوالفقار علی بھٹو Prime Minister (وزیراعظم) بنے ہو گئے۔ کتنی حیران کن اور تیز رفتار تھی مگر کیا کسی کو کچھ پتہ تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ آپ نے تو اس کی زندگی کا صرف ایک حصہ دیکھا ہے۔ کیا پوری زندگی دیکھ کے آپ اسکو خوش بخت کہہ سکتے ہو یا نواز شریف کو دیکھ کر جب وہ fullest importance سے جیتے ہو گئے تو آپ نے کہا کہ یہ تو دس سال گزارے گا۔ کیا اس نے دس سال ہی گزارے۔ کیا موجودہ دور حکومت میں جب آپ دیکھتے ہو کہ

دارا رہا نہ جم نہ سکندر سا پادشاہ
تختِ زمیں پہ سینکڑوں آئے چلے گئے

Do you think they will always stay? do you think? (کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے؟) یہ ساری حرکات و سکنات اسی طرح رہیں گی؟ ہم زندگی کو transition میں دیکھتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے وقتوں سے دیکھتے ہیں۔ packets میں دیکھتے ہیں۔ ہم چونکہ frustrated (اُداس) ہوتے ہیں اس لئے ہمیں اپنی ذات کے بحران سے دوسروں کی زندگی دلچسپ نظر آتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ Why Islam? اسلام مجبوری ہے۔ پہلا سوال اپنی جگہ موجود ہے۔ no Islam, no religion, no budhisim, no christianity. Question yourself, God or no God? (نہ اسلام، نہ مذہب، نہ جہازم، نہ عیسائیت، اپنے آپ سے سوال کرو کہ خدا ہے یا نہیں ہے۔) مذہب تو بعد کی بات ہے، جس نے خدا کی طرف جانا ہے، جس نے خدا کا حصول

سوال: جادو اور سحر ہمارے مذہب میں ایک حقیقت ہے اس سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے؟
جواب: خواتین و حضرات! پہلے میں یہ غلط فہمی رفع کروں کہ جسکو کبیر سحر باطل ہے وہ آگے سے کہہ دیتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر ہوا۔ جی ہاں، ہوا۔۔۔۔۔ مگر مجھے بتائیے کہ استاد کسے کہتے ہیں؟ اگر ایک استاد کم علم ہے، اگر ایک استاد کسی مرض کی شناخت نہیں رکھتا، ایک specialist جو ہے کسی چیز کو جانتا نہیں تو اسکی دلیل کیا وزن رکھے گی۔ اس کا علم کیا وزن رکھے گا۔ جب رسول اکرم ﷺ سے لوگ سحر کا پوچھتے تو آپ ﷺ کیا بتاتے؟ اتنا بڑا استان زمانوں بھر کیلئے اس نے شناخت چھوڑنی تھی تو اگر میرے رسول ﷺ سے کوئی پوچھتا کہ آپ ﷺ بتائیے کہ سحر کیا ہے اس کا علاج کیا ہے

تو رسول ﷺ کیا جانتے؟ اتنے بڑے استاد پر کسی قسم کے نفاق ملیہ کا گمان نہیں ہو سکتا اسی لیے اللہ نے حضور ﷺ کے باطن سے محرک ارا اور کہا: ”محمد ﷺ! یہ سحر ہے، یہ اثرات ہیں، یہ علاقے ہے۔“ اسکے بعد جب استاد محترم باہر آئے تو نہ صرف سحر کی علامات ان کے علم میں تھیں بلکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ کیسے ہوتا ہے۔ یہ دماغ کو متاثر کرنا ہے یہ یادداشت کو بھلا دیتا ہے۔ اسکے اندر confusion یہ ہے کہ یہ نظر کو control کر لیتا ہے۔ پورے کے پورے آسب کا اثر نظر اور خیال پر ہوتا ہے۔ اسکی concentration build کر لیتا ہے۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے عرش کے نیچے سے دو چلتی ہوئی سورتیں عطا کی گئیں اور یہ ”والناس“ اور ”خلق“ تھیں۔ یہ دافع سحر ہیں۔ خواتین و حضرات! اگر سحر ہو اور آپ والناس اور خلق پڑھ لیں۔ اس پر مزید یہ کہ ساتھ سورۃ اخلاص بھی پڑھ لیں تو آپ کا سحر کیوں نہ جائے؟ نہیں جائے گا۔۔۔۔۔ کیوں؟

Do you know why? Because you don't believe in God.

(کیونکہ آپ کو خدا پر یقین نہیں ہے۔) یہ کوئی جادو نو نے کی بات نہیں ہے۔ مگر یہ کہ آپ خدا پر یقین نہیں کرتے بلکہ آپ اس شخص پر یقین کرتے ہیں جو کہ جادو ہوتا ہے کہ تم پر جادو ہوا ہے۔ آپ یقین اللہ پر نہیں رکھتے۔ اس لئے آپ پر سے اثر نہیں جائے گا۔ مگر جادو۔۔۔۔۔؟ ”وما کفر سلیمان و لکن الشیطان کفر و ابعلمون الناس السحر“ (۱۰۴: ۲) اللہ کہتا ہے کہ سلیمان نے تو کفر نہیں کیا۔ یہ شیاطین تھے جو اس کفر کے مرتکب ہوتے تھے۔ کونسا کفر؟ ”بعلمون الناس السحر“ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ ابتدائے قرآن میں سحر کی آیات کو رقم کرتے ہوئے اللہ نے ایک بات کی بالکل وضاحت کر دی کہ میرا پیغمبر نہیں سحر سکھاتا۔ میرے پیغمبر کو سحر سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ سلیمان کو کوئی سحر نہیں آتا تھا مگر شیاطین کفر کرتے تھے۔ کونسا کفر؟ کہ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ ”وما انزل علی الملکین ببابل هاروت و ماروت“ اگر آپ غور کرو تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ہم نے ہاروت و ماروت کو اسلیجے نہیں اتارا تھا کہ وہ لوگوں کو سحر سکھائیں۔ تو پھر اللہ میاں اتارا کیوں تھا؟ اسلیجے کہ نینوا و Babylonian (بابل) اس وقت اپنی عظمت اور خلافت کی انتہا پر تھیں اور یہ اپنی تہذیبوں کے عروج پر تھے۔ بے انداز مال و اسباب کی فراوانی تھی۔ یہ بڑے لطیفے کی بات ہے کہ جب لوگ امیر ہو جائیں تو ان میں debauchery (شہوت پرستی) بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح کار تھیبجیا کے لوگ لانے سے اتنے ماری تھے کہ Carthagian Empire (کار تھیبجیا کی سلطنت) نے اپنے آپ

264

بضعہم“ تم ایسی بات کیوں کرتے، پڑھتے اور سیکھتے ہو جس کا نہ فائدہ ہے نہ نقصان۔ جس نے اعتبار کیا اس کو نقصان شروع ہو گیا مگر جو اللہ کے ساتھ رہا اس کو نقصان نہیں ہوا چاہے ساری دنیا کے جادوگر مل کے اُس پر جادو کر دیں۔ اُس کا نقصان نہیں ہوگا کیونکہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اگر بہت شک و شبہ سے بھی اُس نے رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ آیات پڑھ لی ہیں تو اُس پر جادو نہیں ہوگا۔ ”وَبُشِّرُوا مَنِ ابْهَمَ وَلَا بَضْعُهُمْ“ (۱۰۲:۲) یہ جادو اور سحر کی حقیقت ہے۔ خواتین و حضرات! اس میں بدترین چیز یہ ہے کہ اللہ کو زمین و آسمان سے فارغ کر دیا جائے۔ دیکھئے کون سا کام ہے جو جادوگر نہیں کرتے پھرتے، کونسا کام ہے جو یہ حساب کتاب والے نہیں کرتے۔ آپ نے انکے اشتہار لگے دیکھے؟ سارے خداؤں میں بیچارہ اللہ کیا کریگا..... He has to leave this earth. (اسے یہ دنیا چھوڑ دینی چاہیے) دیکھو ہر آدمی اللہ کو نکالنے پر تیار ہوا ہے جیسے بیٹھے نے کہا تھا کہ خدا مردہ ہے اور اس کائنات میں اسکا کوئی کام نہیں۔ ڈاکٹر آرم اسٹراٹنگ نے کہا: ”اگر اللہ کو اب اللہ رہنا ہے تو اسے ہماری غلطیاں، ہماری تمام حرکتیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ اسے democracy برداشت کرنی پڑے گی۔“ اب ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر اللہ کو مسلمانوں کا خدا رہنا ہے تو اسے کچھ نہ کچھ طاقتیں ان ساحروں کو باطنی پڑیں گی۔ چاہے زندگی، رزق، کام..... اللہ میاں کہتا ہے: ”یار مجھے چھٹی دے دو، میں جاؤں، کائنات تمہارے حوالے ہے، جو کرنا ہے کرو اسکے ساتھ۔“..... مگر یہ مسلسل فکر کی بربادی ہے۔ اعتقاد و ایمان کی تباہی ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

سوال: حروف متعلقات کی significance (اہمیت) کیا ہے۔ کیا ان کا ورد کرنا یا چارٹ بنا کر لکھنا جائز ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! یہ قرآن کا حصہ ہیں۔ انکا چارٹ بنے تو بھی باعہِ برکت ہے اُس میں تو کوئی شک نہیں باقی جو ان کے پیچھے اسرار ہیں یا ان کے پیچھے علوم ہیں ان کیلئے اتنا تو نہ وقت ہے نہ خیال ہے۔ مجھے اُمید ہے انشاء اللہ تعالیٰ اللہ نے جب موقع دیا تو ایک مستقل، کم از کم ایک آدھ پورے دن کا lecture انہی حروف متعلقات کا ہوگا کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو امتیازی تفصیل چاہئے۔ بالکل اسی طرح جیسے physics ایک نیا علم ہے یا chemistry ایک پورا علم ہے۔ اتفاق سے پندرہ سو برس سے ان علوم پر یا قرآن کے ان حروف پر زیادہ لوگوں نے اسرار اور شوق کا مظاہرہ نہیں کیا مگر جیسے لوگوں کی عادت ہے کہ ہر چیز کے پیچھے کوئی نہ کوئی حیرت

ماک چیزیں ڈال دیتے ہیں انکو پراسرار کرنے کیلئے تو یہ الفاظ پراسرار نہیں ہیں بلکہ یہ الفاظ پوری کائنات کی ایک منظم keys ہیں۔ یہ وہ keys ہیں جن سے ہر چیز کے مطلب اور مراد کی کشادہ کھلتی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کے کام ہو شروع ہو جائیں۔ کام نہیں ہوتے۔ انکے پیچھے departments ہیں۔ یہ اس طرح ہے کہ جیسے آپ نے کسی لائبریری سے کتاب لینی ہو اور اگر آپ کے پاس guidance system نہ ہو تو آپ ساٹھ ہزار کتابوں میں وہ کتاب ڈھونڈتے پھر دے گئے مگر اس تک نہیں پہنچے گئے۔ دس میں دن کے بعد کہیں کتاب مل گئی تو خوش قسمتی ہے مگر اگر فرض کیجئے کہ آپ کو code words آتے ہوں تو اس بڑی لائبریری میں آپ بڑی آسانی سے پہلے پوچھیں گے کہ یہ متعلقہ wing کہاں ہے۔ آپ فوراً اس wing میں گئے فلاں author تک پہنچے اور پانچ منٹ میں proper procedure کے ساتھ وہ کتاب نکال کے لے آئے۔ اسی طرح انسانوں کی catagories پر یہ حروف متعلقات rule (نکمرانی) کرتے ہیں۔ انسانوں کی اقسام پر یہ rule کرتے ہیں۔ basically it is a knowledge of catagories. (بنیادی طور پر یہ درجہ بندی کا علم ہے۔) اور یہ حروف تمام اشیاء، افراد، تمام catagories کو rule کرتے ہیں۔ ان catagories کو جاننے کا مطلب ہے کہ آپ نے جملہ انسانوں، اشیاء اور اشخاص کو یا situations (حالات) کو جان لیا ہے۔ بد قسمتی سے دعوے بہت ہوتے رہے۔ پندرہ سو برس پہلے تک لوگوں نے اس علم کو مرتب کرنے کی بڑی کوشش کی بلکہ ہمارے ہاں برصغیر میں تو اسکے بڑے دعوے ہوئے۔ but practical demonstration was no where, nobody ever demonstrate in this knowledge in practice. (لیکن اس علم کی عملی صورت کبھی سامنے نہ آ سکی)

سوال: منگولوں سے شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کی علمی و تحقیقی وجہ تیز رک گئی۔ ان کے زوال کا کیا یہی سبب تھا کہ وہ علم حاصل نہ کر سکے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: زوال امت کا ایک سبب تو یہی ہے۔ بد قسمتی سے زوال سلطنت عثمانیہ بھی اسی سے ہے کہ اگر آپ تھوڑا سا historical (تاریخی) مطالعہ کریں تو Ottoman Empire (سلطنت عثمانیہ) کے زمانے میں آلات حربی بہت جدید ہوتے تھے اور اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مسلمان بحیرہ روم پر کنٹرول کر رہے تھے اس وقت کا خیر الدین باربروسا جازرانی میں بے تحاشہ

جدید تھا۔ اسوقت برطانیہ، چین اور پرتگال کے بیڑے جو سمندر میں پھرتے تھے۔ ان سب کو سلطان خیر الدین باربروسا نے ایک وقت میں شکست فاش دی اور Mediterranean (بحیرہ روم) پر سلطنت عثمانیہ کے پرچم لہرائے۔ یہ 1588ء کی جنگ تھی۔ اسی کی وجہ سے بحیرہ روم جو تمام یورپین طاقتوں کے لئے تجارتی راستہ تھا وہ بند تھا اس لیے واسکو ڈے گاما نے انڈیا کا روٹ ڈھونڈنے کے لئے افریقہ کی طرف سے ایک چکر لگایا اور کولمبس نے دوسرا لگایا مگر انڈیا کی بجائے وہ امریکہ پہنچ گیا۔ امریکہ دریافت ہونے کی ایک وجہ یہ تھی کہ Mediterranean (بحیرہ روم) جو اس زمانے میں main تجارتی route تھا وہ مسلمانوں نے بند کر رکھا تھا۔ ابھی بھی اس زمانے پر بنی ہوئی ایسی فلمیں چلتی ہیں جن میں Pilots کی مہم جویاں دکھاتے ہیں۔ یہ امیر خیر الدین باربروسا کی فلمیں ہیں جس نے یورپی، پرتگالیوں، ہسپانوی اور فرانسیسی لوگوں کو اتنی شکستیں دی تھیں کہ ان کے تمام بیڑوں کی مشترکہ طاقتیں بھی امیر خیر الدین کے مقابلے میں بالکل بے کار تھیں۔ اسی کے ایک جنرل نے اٹلی کا معاہدہ کر لیا اور چھ مہینے نہ صرف اٹلی کو قید رکھا بلکہ ان سے خراج بھی لیتے رہے۔ اس کی صرف ایک وجہ تھی کہ اس کے پاس زیادہ لوگ نہیں تھے کہ وہ وہاں Land کرنا (نیچے اترنا) وہ جہازوں پر سے چھ مہینے تک اٹلی پر بمباری کر کے واپس آ گیا۔ Sicilian Empire مسلمان خاندان غالب کے زمانے میں قائم ہوئی جیسے Sicily (سسیلی) کے بارے میں اقبال کہتا ہے کہ

رو لے اب دل کھول کر اے دیدہء خونا بہ بار

وہ نظر آتا ہے تہذیب مجازی کا مزار

اسوقت کی طاقت قوت کا جو بنیادی انحصار تھا وہ مسلمانوں کے ایمان اور علم پر تھا۔ بہت سے ملک فوج کی وجہ سے فتح نہیں ہوئے تھے۔ اگر آپ غور کریں تو آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے مسلمان ملک انڈونیشیا میں ایک مسلمان فوجی بھی نہیں اترتا۔ صرف چند تارکے گئے اور انھوں نے اپنی طاقت ایمان سے سارا انڈونیشیا مسلمان کر لیا۔ موریتانیہ کی تاریخ بھی اسی طرح ہے۔ اولیاء اللہ نہیں بلکہ حیران کن بات یہ ہے کہ تارکوں کی وجہ سے لوگ مسلمان ہوئے جو اس وقت کے دور میں مسلمانوں کے گھروں سے نکلے۔ یہ تارکے بھی ولی تھے۔ یہ سپاہی بھی ولی تھے۔ وہ اللہ کے بندے ہر حال میں خدا کے ولی تھے۔ آپ ان کے کردار کی عظمت دیکھئے۔ آج ہمارا ہندوستان سے انگلینڈ جانا ہے، امریکہ جانا ہے، فرانس جانا ہے اور واپسی پر اپنی شخصیت ہی کھو آتا ہے۔ ان کے

قصیدے پڑھ رہا ہوتا ہے۔ وہ غلط نہیں پڑھ رہا ہوتا۔ اس لئے کہ اسکی اپنی متاعِ حیات تو اس کے پاس ہے ہی نہیں۔ اسکے پلے تو جھوٹ ہے، منافقت ہے، بے ایمانی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان Values کے مقابلے میں تو یورپ کی بظاہر Values بہتر ہیں۔ ایک کمرشل آٹا ہے کوئی پیچھے جا کر نہیں دیکھے گا کہ یورپ لاکھوں کروڑوں اور billions ارب ڈالر کی مصنوعات بیچنے کیلئے تیاریوں کے علاج چھپائے ہوئے ہے۔ وہ Cancer کا علاج آپ کو نہیں دے رہا۔ بہت ہی تیاریوں کا علاج نہیں دے رہا اس لیے کہ اسکے billion ڈالر کے جو Citadels ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔ وہ خیرات ضرور دے رہا ہے۔ N-G.O,S ضرور دے رہا ہے کیونکہ اس نے آپکا خون نچوڑ کے حساب سے تھوڑا تھوڑا blood آکچو دیتا ہے۔ یہ ان کی ایک technique ہے۔ وہ ایسے سفاک ہیں اسکے باوجود آپ ان کے corridors میں جا کے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مجھے بتائیے کہ قائد اعظم یونیورسٹی کا کوئی پروفیسر یا کوئی انجیئر جو وہاں سے ہو آیا ہو اور ہم نے feel کیا ہو کہ اسلام بھی کتاب سائنس میں آگیا ہو۔ ایسا تو کوئی نظر نہیں آیا۔ کیونکہ یہ علم لے کر نہیں آتے۔ یہ تو وہاں کے طرز سلوک سے متاثر ہو کے ابھر آتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ پنجاب یونیورسٹی میں بھی وہی شغل جاری ہو جائیں اور قائد اعظم یونیورسٹی کے Corridors میں بھی اسی طرح کے محبت کے سفر شروع ہو جائیں۔ اگر یہ علم لے کے آتے، شناخت لے کے آتے، یہ متاثرین علم مغرب ہو تے تو ہم بھی دیکھتے کہ Cosmology میں چندرا شیکھرا کا نام ہے تو کسی پروفیسر افتخار کا بھی ہونا مگر ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ مسلمانوں کے احساس کتری کا یہ حال ہے کہ علم کے بجائے ماحول سے متاثر ہو کر واپس آ جاتے ہیں۔ یہ ایک بد قسمتی ہے کیونکہ وہاں اس قسم کی کوئی شناخت موجود نہیں ہے۔ ہم بنیادی طور پر ان سے متاثر ہیں۔ ہمارے اندر احساس کتری ہے کچھ انکے عرصہ بادشاہت کی Inferiorities نہیں گئیں، کچھ انکے رنگ و روپ کی inferiorities نہیں گئیں اور کچھ انکے انداز زندگی کی inferiorities نہیں گئیں کیونکہ ہم میں مسلمانوں کے وہ اسباب نہیں رہے کیونکہ ہمارے انداز زندگی میں اسلام کی کوئی جھلک نہیں ہے۔ because we are not any more impressed by God, we are not any more impressed by Muhammad P.B.U.H. (کیونکہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ سے متاثر نہیں رہے۔) کبھی وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کے قافلے بڑی بڑی تہذیبات میں جاتے تھے اور ایک مسلمان کے کردار سے متاثر ہو

کے ایک پورا ملک مسلمان ہو جانا تھا۔ اب یہ حال ہے کہ یہاں سے چھٹ کے چھٹ جاتے ہیں اور تمام کے تمام حجاز بدل رہے ہیں۔ واپسی پر آ کر قصائد مغرب گائے جا رہے ہیں۔ بقول اقبال کہ مغرب نے آپ کو دیا کیا ہے۔

صلہ یہ فرنگ سے آیا ہے ایشیا کیلئے

نئے خمار و ہجوم زبانِ بازاری

سوال: آج کل زیادہ تر اولیاء کرام نے طریقت کو منظم کاروبار بنا لیا ہے اور اسکی طریقت والے لوگ ہمیشہ سے روپوش رہے ہیں اور اس دور میں صاحب طریقت لوگوں کی پہچان کیا ہے اور کیا بیعت کرنا ضروری ہے؟

جواب: اس سوال پر مجھے تھوڑا سا اعتراض ہے کیونکہ سوال یہ کہتا ہے کہ ”اولیاء کرام نے“۔۔۔۔۔ وہ کیسے اولیاء کرام ہو سکتے ہیں؟ اولیاء کرام نے یہ طریقہ نہیں رکھا۔ اولیاء تو پھر ہر زمانے میں اولیاء ہی ہو گئے اور خدا کے بندے ہو گئے اور خدا کے بندوں کیلئے باعثِ رحمت ہو گئے۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ ہم جو آجکل کاروبار حیات دیکھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مجھ سے بہتر اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں کہا ہے کہ

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد

زاغوں کے تعارف میں عقابوں کے نشین

مذرانہ نہیں سود ہے پیرانِ حرم کا

بر حلقہء نالوث کے اندر ہے مہاجن

حقیقت یہ ہے کہ علم چلا گیا۔ علم transferable تو نہیں تھا۔ اگر ایک مرشد گرامی نے علم کیلئے زندگی بسر کی تھی تو اولاد نے تو نہیں کی۔ اگر اولاد نے کی تو وہ اس پایہ علمی کا استحقاق رکھتا تھا مگر جس اولاد نے نہیں کی، ظاہر ہے کہ اس کا کوئی استحقاق علمی صدائوں پر نہیں بننا اس لئے وہ زوال پذیر ہوئے۔ صوفی یہ تو نہیں ہونا کہ وہ صرف خدا کا شناسا ہوتا ہے۔ صوفی تو ایک culture (تہذیب) کا بانی ہوتا ہے۔ صوفی تو اخلاقیات کا اور ادب کا بانی ہوتا ہے۔ وہ زبان بدل دیتا ہے، خیال بدل دیتا ہے، انداز بدل دیتا ہے وہ لوگوں کو اپنی سطح سے بہت اوپر اٹھا دیتا ہے۔

میں ایک دفعہ کلیان شریف گیا۔ وہاں ایک بڑے مجذوب مشہور تھے علم والے۔۔۔۔۔ بابا فضل کلیان والے مستند مجازین میں سے تھے۔ میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ آپس میں ویرانہ سا

تھا۔ ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی تھی تو میں نے درویش سے کہا: ”بابا! اھر کیا کر رہا ہے کیا تک
تھی تیرے اھر آنے کی۔ اھر تجھے کیا نظر آیا۔ کسی شہر میں جانا، کوئی چار بندے اور تیرے قائل
ہوتے۔ ٹو کئی فضول جگہ کے بیٹھ گیا ہے۔ ٹو نے کیا کیا ہے اھر آ کے؟“ میں یہ بات کہہ کے مسجد
چلا گیا اور نماز پڑھنے کے بعد جوئی میں نے دروازے کے باہر قدم رکھا تو مجھے گلی سے ایک آواز
آئی۔ I never heard such a sweet voice again. بہت خوبصورت

آواز..... میں نے ابھی بندہ دیکھا نہیں تھا مگر انتہائی خوبصورت آواز میں کوئی گارہ تھا کہ

ٹو غنی ازبر دو عالم من فقیر

روز محشر عذر ہائے من پذیر

(کہ تو دو عالم سے غنی ہے رب کریم میں فقیر ہوں مگر محشر میں میرا ایک عذر قبول کر لیا)

گر حسام راہی ناگزیر

(اگر ٹو نے ضروری میرا حساب لیا ہے تو میری ایک درخواست ہے۔ میں منت کر رہا ہوں کہ مجھے
بڑی شرم آئے گی۔)

از ٹکاو مصطفیٰ پناں گیر

(تو آپ میرے اس گناہ گاری کی فہرست کو میرے پیغمبر کی نظروں سے بچا لیا۔ مجھے بڑی شرم
آئے گی حضور کے سامنے اپنے گناہ کی لسٹ پڑھ کے۔ میں اُن کا غلام تھا اُن کی امت سے تھا پھر
میں نے اتنی برائیاں کر لیں) میں پریشان ہو گیا کہ دیکھو جی اس ویرانے میں اتنے خوبصورت یہ
اشعار نعت کے اور اتنی خوبصورت آواز کے ساتھ..... میں باہر نکلا تو سفید دھوٹی میں ایک دیہاتی جا
رہا تھا۔ اُسے میں نے چھیڑا نہیں۔ میں دوبارہ مزار پر آ گیا۔ میں نے کہا: You know,
you chose the right place. (تمہیں معلوم ہے کہ تم نے ٹھیک جگہ کا انتخاب کیا
ہے۔) یہ اُن کے culture کی وجہ سے تھا کہ صوفیاء کا culture صرف علم نہیں اُن میں ادبیت
کا رنگ پیدا کرتا ہے۔ Almost extra sophistication دیتا ہے۔ جہاتوں کو رفع
کرتا ہے۔ معین الدینؒ نے ایک culture پیدا کیا ہے۔ فرید الدینؒ غنج شکرؒ نے ایک
culture پیدا کیا ہے۔ یاد رکھئے کہ بادشاہ بھی اُس سے متاثر تھے۔ سنیے! کہ وہ آفتاب کو کیا کہہ
رہا تھا۔ خواجہ بختیار الدین کا کیسی وفات ہوئی تو انہوں نے وصیت چھوڑی کہ میری نماز جنازہ وہ
پڑھائے کہ جس نے کبھی عورت کو نہ دیکھا ہو اور کبھی تہجد قضا نہ کی ہو۔ جب سب کھڑے تھے تو پھر

سلطان شمس الدین التمش رونا ہوا باہر نکلا اور کہا: ”یا شیخ! امروز میرا پیش خلق رسوا کردن“ (کراے فقیر عالم تو نے آج مجھے خلق کے سامنے رسوا کر دیا۔) یعنی بادشاہ کتنے متعلیٰ اور پرہیزگار تھے۔ یہ آفران صوفیاء کی علمی صحبتوں کی وجہ سے تھا۔ برصغیر میں مسلمانوں کی ترقی کا راز یہ ہے کہ بادشاہ اور صوفی ساتھ چلتے ہیں۔ سلطان محمد غوری بھی خواجہ معین الدین چشتی اتبیریؒ کی اجازت لے کے آتا ہے۔ سلطان غیاث الدین بلبن اپنی بیٹی دیتا ہے خواجہ فرید الدین گنج شکر کو۔ نظام الدین اولیاء کے ساتھ جب بادشاہ گستاخی کرنا بہتو وہ کہتے ہیں۔ ”ہنوز دلی دور است“۔ فقیر اور درویش اور سپاہی کا ساتھ۔۔۔۔۔ یہ سب سے مبارک سفر ہوتا ہے۔ جب سے فقیر جھوٹے نکلے اور سپاہی secular ہو گئے ہیں تب سے ملک کا ہر فرقہ ہو گیا ہے۔

سوال: اپنے ملک کے حالات کے حوالے سے خصوصی طور پر اور امت مسلمہ کے مجموعی احوال کی بناء پر عمومی طور پر نہ چاہتے ہوئے بھی عقلی سطح پر یہ تسلیم کرنے کی طرف اپنے آپ کو مائل پاتا ہوں کہ شاید معاشرے کی کم از کم دنیاوی اور معاشرتی ترقی کیلئے غالباً ہمیں مذہب کو انفرادی سطح پر محدود کرنے کی ضرورت ہے؟ کیونکہ نہ تو دنیا میں مذہب پر کاربند کوئی ترقی یافتہ معاشرہ نظر آتا ہے بلکہ تاریخ میں بھی ایسی مثالیں مادی ہیں۔ آپکی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟

جواب: ابھی میں بہت طویل لیکچر دے کے گذرا ہوں بلکہ میرا موضوع یہی تھا کہ تہذیبیات انسانی میں ترقی کیسے آتی ہے اور ان کی محافظت کیسے ہوتی ہے۔ will duran کی ایک کتاب ہے When nations die اس میں ایک historian نے پوری تہذیبیات کو دیکھا ہے اور اس نے nut-shell (خلاصہ) یہ پیش کیا ہے کہ تہذیبیات کیوں مری ہیں، حکومتیں کیوں زوال پذیر ہوتی ہیں، ان سب کا nutshell یہ ہے کہ حکومتیں اس وقت مری ہیں جب وہ مذہب سے دور ہو گئیں۔ ول ڈورا کہتا ہے کہ جب moral نظام کی بنیاد مذہب پر پڑتی ہے تو مذہب تباہ ہو جاتا ہے۔ جب مذہب جائے گا تو moral نظام جائے گا۔ مختصراً ایک جملے میں آپکو بتا رہا ہوں کہ It maybe unrecommendable that in the past one or two children were sacrificed at the altar of fertility goddess. بچے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ اس وقت زیادہ تر معاشرے تباہ ہو گئے جب بچے بھینٹ چڑھائے جاتے تھے لیکن دور حاضر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ What about modern days جس کی ایک rough

Forty million children are calculation (غیر حتمی اندازہ) یہ ہے کہ aborted at the altar of freedom and facility. آپ کو کیا لگتا ہے کہ کون سی تہذیب مرنے کے قریب ہے کہ چار کروڑ معصوم بچوں کی abortion عرف اس لئے ہوتی ہے کہ ان کے والدین ان کو آسانی کے دینا کی نذر کر دیتے ہیں۔ کیا زمانہ بدل گیا ہے؟ کیا پرانی قوموں کی تباہیوں کے آثار اور اس قوم کی یا کسی بھی قوم کی تباہی کے آثار بدل گئے ہیں؟ جیسے میں نے آپ سے کہا کہ Carthagians اتنے امیر ہو گئے تھے کہ اپنی حفاظت کیلئے غیر ملکی سپاہی کرائے پر رکھتے تھے جب اس پر جو یس یزر نے حملہ کیا تو سب اپنے اپنے گھر بھاگ گئے اور کارتھاجیا کھنڈر بن گیا کیونکہ اپنے ملک کیلئے وہ مرنا نہیں چاہتے تھے۔

ابھی بھی قوموں کے عروج و زوال میں آپ دیکھیں تو خدا کا غلط رویہ ہے اور تاریخ کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ یہ تاریخ کیوں نہیں کبھی جھوٹ بولتی؟ کیا تاریخ کوئی آدمی ہے، کوئی group of people ہے، کوئی technical ہے کوئی computer لگے ہوئے ہیں.....؟ مگر تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو repeat کرتی ہے اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب بالکل وہی ہوتے ہیں جو اول زمانہ سے شروع ہوئے۔ ہزاروں تہذیبوں کا عروج بھی انہی وجوہات سے ہوا۔ سوال ہے کہ کیوں؟ اسلیئے کہ یہ زمینی حقائق نہیں ہوتے۔ زمینی حقائق تو matter ہی نہیں کرتے۔ خواتین و حضرات! جب زمینی حقائق کا یہ حال ہے کہ حضرت موسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ ”ہم حنین کی جنگ کیلئے نکلے۔ ایک اونٹ تھا اور ہم سات آدمی تھے ہمارے پاس بانس تھے اور ایک آدمی کے پاس تلوار تھی۔ ہم نے ادھر ادھر سے انکی نوکیں بنا رکھی تھیں اور ہم باری باری اونٹ پر چڑھتے تھے پھر گری زیادہ ہو گئی۔ ہم نکلے پھر تھے۔ ہمارے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ پھر ہم نے گریبان پھاڑے اور پاؤں کے اوپر لپیٹے اور ہم نے یہ جہاد کیا۔“ یہ تو تھے زمینی حقائق جن کو دیکھ کے شرم آتی ہے کہ اللہ نے کتنا عجیب و غریب stance بنایا ہوا تھا فتح دینے کیلئے۔ ان لوگوں کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ حنین میں، بدر میں اور بالآخر ان سب لوگوں کو اللہ نے نہ صرف پہلایا، فتح و نصرت دی بلکہ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج ملیا میٹ کر دیئے تھے۔ یہی تھے کہ:

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اصول کیوں نہیں بدلتے جن کی وجہ سے قومیں برباد ہوتی ہیں اور زمینی

حقائق کیوں اہمیت نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ زمینی حقائق کو اس پروردگار عالم نے control کیا ہوا ہے جو آسمانی حقیقتوں کا مالک ہے اور یہ اصول اس لئے نہیں بدلتے کہ ”وَلَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَةٍ“ اللہ کا کلام بدلنا ہے نہ کل بدلنا تھا نہ آج بدلنا ہے۔ آج کی society, secular ایک مثال آپ کے سامنے ہے۔ دو مسلمان ملک ایک ہی وقت میں آزادی پا گئے۔ ادھر حکومت ترکیہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے تحت یورپی جنگوں سے عہدہ برآ ہو کر جنگ استنبول سے نپٹا، وہ عزت پانگیا اور دوبارہ آزاد ہوا۔ ادھر کچھ عرصے کے بعد پاکستان آ گیا۔ خواتین و حضرات تھوڑا سا انکاموازنہ کریں۔ سلطنت عثمانیہ شروع سے حکمران اس کے خزانے بھرے ہوئے اس کے سب آمان بے پایاں ادھر ایک بھوکا ملک بنا جسکی سیکرٹریٹ میں ایک کرسی ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔ ایک چھوٹا سا بد وضع میز پڑا تھا۔ کاغذ تھے ہی نہیں جس پر sign کیے جائیں حتیٰ کہ marker بھی نہیں تھے جس سے نشان لگائے جائیں۔ This was the beginning of Pakistan. (یہ تھا پاکستان کا آغاز) جبکہ دوسری جو قوم تھی وہ مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں نکلی جو اپنے وقت کا ایک عظیم ترین جرنیل تھا لیکن ایک غلطی کر گیا کہ مذہب کو چھوڑا اور modern قوموں کی طرح ترقی کرو۔ یہ ایک ملک تھا جس کیلئے آزادی پانے کا سبب بہت تھے نوکریوں کا بھی مسئلہ تھا۔ دلچاسلام کا بھی ٹکڑ کوئی centre نہیں بن سکا تھا۔ centre نعرہ ایک ہی بنا کہ ”پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ“ تو یہ ملک خدا کے کام پر بنا اور وہ ملک مسلمان ہونے کے باوجود secularism کو shift کر گیا اور اب اندازہ لگائیے کہ سیکولر اور انجائی ترقی یافتہ ہونے کے باوجود ان کے زعم کدھر گئے کہ ابھی بھی یورپ کے دروازے پر داخلے کیلئے بھیک مانگ رہا ہے کہ ہمیں اپنی برادری میں داخل کر لو۔ ہمارے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے۔ نہ ہم سیکولر رہے نہ ہم مذہبی رہے۔ پلیز entry دے دو۔ ہم سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں اس بھوکے نکلے ملک کو دیکھو کہ یہ پہلے دنیا کی ساتویں طاقت بنی اور پھر کروڑوں میزائل کے بعد چوتھی عظیم طاقت بنی اور کچھ دنوں تک انشا اللہ تعالیٰ العزیز امریکہ اور یورپ کے مقابلے میں آ جائے گی باوجود اسکے کہ کوئی حکمران اسکے ساتھ وفا شعار نہیں نکلا۔ یہ اس خدا کے نام کی برکت ہے اور یہ آج کی بات نہیں ہے۔ تھوڑا سا مستقبل کا بھی سن لو ابو نعیم حمادی کی حدیث میں یہ ہے کہ اہل ہند کے مسلمان سب سے پہلے اہل کفر ہند سے جنگ کریں گے اور ان کے امراء و روسا کو گرفتار کریں گے پھر شام میں مریم کے بیٹے کا ساتھ دیں گے۔ یہ ہے آپ کا مقدر کہ یہ ملک نہ مرنے

کیلئے آیا ہے، نہ مٹنے کیلئے آیا ہے کسی جاہ و ظالم حکمران کے ہاتھوں نہ یہ Secular ہو گا نہ مارڈپہ رازاد ہو گا۔ چند تخلیاں اس بارش کی رحمت نہیں بدل سکتیں۔ چند موسم اس کی بے پناہ کمال کی رتوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ یہ مقدر سے بنا ہوا ملک ہے اور اپنی تقدیر کو ہر حال میں پورا کریگا۔
خواتین و حضرات!

I think you are very patient people. You heard me so patiently. I am deeply obliged. Thank you. I am so grateful to you because I kept talking and you listening. لا رڈ رسل نے کہا: جب دو آدمی اونچی آواز میں بات کر رہے ہوں تو صرف اونچی آواز والا ہی جیتتا ہے۔ تو مجھے امید ہے کہ میری آواز تھوڑی سی آپ کی خاموشی سے بلند تھی تو میں جیتا نہیں ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو سیکھنے سمجھنے کا ایک راستہ بنائے I wish کہ ہم اپنی زندگیوں میں کم از کم کسی ایک آدھ طریقہ کار کو بھی اللہ اور رسول کے مطابق بنالیں There is no perfection. Religion is not suppose to make you perfect. یہ میں آپکو بتا دوں۔ رسول اکرم ﷺ کے سامنے اصحاب نے فرمایا کہ ہم کبھی گناہ نہیں کریں گے۔ غضب سے جلال رسالت مآب ﷺ بڑھ گیا اور فرمایا کہ تم ایسی بات کرتے ہو تو پھر اللہ تمہیں زمین سے نسبت دے گا اور تمہاری جگہ وہ لوگ لائے گا جو خطا کریں گے۔ تو یہ کر چکے اور اللہ انہیں بخشے میں سرت محسوس کریگا۔ خواتین و حضرات! سب سے بڑی اور important بات یہ ہے کہ ہمیں اس نسبت اور اس سلسلے سے وابستگی رہے ہم اپنے خدا کے رہیں۔

Choice is not between this team or that team. Choice is between to whom do you belong to. ہمیں فخر ہے کہ ہم اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں محبت ہے اپنے پروردگار سے۔ ہم اسی کی آغوش رحمت میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز آئندہ آنے والے وقت بتائیں گے کہ اس ملک کا مقدر کتنا عظیم تر ہے اور اگر اللہ نے ہمیں کسی کار خیر کیلئے چنا ہے تو ہم اور آپ مبارکباد کے مستحق ہیں صرف یہ کہ جیسے اللہ نے کہا ہے کہ تم پلٹ جاؤ گے تو میں پلٹ جاؤں گا تم لوٹ آؤ گے تو میں لوٹ آؤں گا۔

اسلام کا نظریہ ارتقاء تغیراتِ زمانی و مکانی کے تناظر میں

أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ

لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

خواتین و حضرات! صوفیاء کا شہر اور بہت سے رنگ اس سرزمین میں ایسے ہوئے
پڑے ہیں کہ دنیا کو دین سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ سہروردیہ شیوخ کی سب سے خوبصورت اور اچھی
بات یہ تھی کہ انہوں نے کبھی علوم دنیا کو علوم دین سے جدا نہیں کیا اور شیخ شہابؒ جہاں ایک طرف
دنیا کے معاملات میں پوری دلچسپی لیتے تھے وہاں وہ خدا کے حضور عقل کے استعمال کو ممنوع سمجھتے
تھے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نے آغاز حیات میں قرآن کا مطالعہ شروع کیا تھا۔
ایک کتاب میں لکھا ہوا ایک عجیب و غریب جملہ میرے ذہن میں اٹک گیا اور اس کی توجیح اور
وضاحت کیلئے میں نے بیسیوں بلکہ سینکڑوں کتابیں دیکھ ڈالیں مگر کوئی وضاحت نہ ہوئی۔ وہ جملہ
ایک عجیب و غریب جملہ تھا کہ ایک شخص نے اپنے شیخ سے سوال کیا کہ ”مجھے جگلی، برقی، عارضی
نصیب کریں۔“ وہ جملہ پڑھ کر میں نے سوچا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ”جگلی، برقی، دائمی“ تک

even being a student of literature and classified literature ادب کا شاگرد ہونے کے باوجود بھی میرے لئے یہ جانتا بہت مشکل تھا کہ ”جلی، برقی، عارضی“ کیا ہے اور ”جلی، برقی، دائمی“ کیا ہے۔ اسی اوجیز بنی میں میرے شب و روز گزرتے گئے حتیٰ کہ میں ”عارف المعارف“ تک پہنچا جس میں شیخ شہابؒ نے ایک بڑی خوبصورت بات کہی کہ جب تم قرآن پڑھ رہے ہو اور جب تم مطالعہ کتاب میں ہو اور تمہاری نظر جس آیت پر ہو تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس آیت کے پیچھے جو ملائکہ ایستادہ ہوتے ہیں وہ متحرک ہو جاتے ہیں اور تمہاری کیفیات میں شامل ہو جاتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ خداوند کریم کو اگر منظور ہو کہ قرآن کی کسی آیت کا ابلاغ اور معانی تم تک پہنچے تو اس وقت وہ تمہارے جسم میں عجیب و غریب کیفیت پیدا کر دیتے ہیں جیسے کسی ”برقی“ کی سرعت کسی چیز میں ارتعاش پیدا کر دیتی ہے۔ اگر وہ کیفیت کچھ عرصہ قائم رہے جیسے سمندر میں لپکنے والی ایک مچھلی کہ جولو بھر کیلئے ابھرتی ہے اور پھر اسکا شکار ہو جائے تو ٹھیک ورنہ وہ اس بیکراں اور وسیع سمندر میں پھر کھو جاتی ہے۔ اسی طرح معنی کے اس بیکراں سمندر میں سے جب کوئی معنی اٹھتا ہے تو اگر آپ میں یہ اہلیت ہے، اگر آپ اچھے ”شکاری“ ہو، اچھے ”طالب علم“ ہو اور اچھی نظر رکھتے ہو، آپ کا وقت اور مقام درست ہے تو اس ”فحہ، معنی“ کو آپ چھو لو گے ورنہ وہ پھر اسی بے کراں سمندر میں صمد غیر مترقبہ کی طرح غائب ہو جائے گا اور اگر تم میں یہ اہلیت پیدا ہو جائے کہ اپنے نفسی اشکال کو ختم کر دو، شکوک و شبہات کے فلسفے کو ختم کر دو، دانشوری کے بحران کو ختم کر لو اور سلامتی، فکر کے مالک ہو جاؤ تو یہ ”تجلیات معنی، قرآن“ دائمی ہو جائے گی۔ یہ پڑھنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ آج وہ عقدہ ”شیخ شہابؒ“ نے کس مہارت سے کھول دیا کہ ”جلی، برقی، عارضی“ کیا ہوتی ہے اور ”جلی، برقی، دائمی“ کیا ہوتی ہے۔

خواتین و حضرات! یہ شیوخ کے درمیان مقابلے نہیں ہیں، اساتذہ کرام میں مقابلے نہیں ہوتے۔ ستاشی کو ایک دکان نہیں چاہیے ہوتی، ستاشی کو سودا چاہیے ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی جگہ سے ملے، یہ ضروری نہیں کہ کسی کو بریلی کے بازاروں میں ملے اور کسی کو دیوبند کی دیواروں میں ملے، مسلک کبھی بھی غلو نہیں ہوا چاہیے۔ مسلک درود یار نہیں بنتے، مسلک وہ طلب وہ جستجو ہے کہ:

فصل دل کے گلں پر ستارہ ہو حیرا غم
حیری طلب تجھے پانے کی آرزو حیرا غم

یہ وہ طلب اور وہ جستجو ہے جس کی خاطر آپ سر بازار نکلتے ہو۔ محراؤں میں نکلتے ہو۔ اگر آپ اس میں درود پیار کے قیدی ہو جاؤ تو نشان منزل کھو جائے گا، مسائلی، پروردگار چھن جائے گی۔

شیخ شہابؒ کے کام سے جو ہمیں بہت زیادہ نسبت ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پاس حضرت نجم الدین سہروردیؒ، شیخ شہابؒ کو لے گئے تو کہا: ”حضور! اس بچے کیلئے دعا فرمائیے“ تو آپؒ نے انہیں ایک بڑی عجیب و غریب دعا دی کہ یہ عراق کے مشاہیر میں سے آخری ہے اور پھر شیخ شہابؒ کے بعد عراق سے فتنہ و فساد ہی کی خبر آئی ہے۔ اس کے بعد عراق میں اس status (مرتبے) کا کوئی صوفی اور عالم دوبارہ نہیں اٹھا۔

اب ہم دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

بارغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں

کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

انسان ہمیشہ transition (دوران سفر) میں رہا۔ ازل سے لیکر ابد تک یہ دوران سفر ہے۔ اس سفر میں جو مقام جنت سے شروع ہوا اور دوبارہ اسی جنت کے مقام کو حاصل کرنے کی خواہش کرنا ہوا انسان مسلسل transition میں ہے۔ transition (دوران سفر) کو اگر اس کے صحیح معنی میں لیا جائے تو ایک ”ترک منزل“ ہے اور ایک ”اختیار منزل“ ہے اور ان دونوں منزلوں کے درمیان ایک منزل transition ہے۔ جب آپ ایک منزل سے گزر جاتے ہو اور کسی دوسری منزل کو پہنچنے کی کوشش کرتے ہو تو تمام دوران سفر transition کہلاتا ہے۔ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ ”شرع“ اور transition کا بہت بڑا تعلق ہے۔ شرع transition کیساتھ جاتی ہے۔ اگر آپ شرع کے معنی پر غور کرو تو شرع وہ زاویہ راہ ہے، وہ کم سے کم زاویہ راہ جو آپ کو کسی منزل تک پہنچا دے۔ شرع کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کم سے کم زاویہ راہ جو آپ کو کسی منزل تک پہنچنے میں مدد دے۔

مختلف مذاہب، مسالک، مزاجوں اور انداز، فکر میں transition مسلسل متحرک رہتی ہے جیسے ایک بچے کو جوانی تک پہنچنے ہوئے شعوری transition سے گزرنے پڑتا ہے۔ اسی طرح پہلے انسان کو اس (موجودہ) وقت کے متمدن انسان بننے میں transitional society سے گزرنا پڑا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا کوئی مقام نہیں ہے۔ زمین پوری کی پوری transition stage ہے۔ یہاں بھی وہی transitional وقت ہے۔ Billion

years (کروڑوں سالوں) trillion years (کھربوں سالوں) کی galaxial life تک پہنچتے ہوئے ایک چھوٹے سے مقام پر transition میں آ گیا ہے ”مُسْتَقْبَرٌ وَ مُتَأَخِّرٌ“
 الی جین“ (یہاں تھوڑی دیر کیلئے ٹھہرو.....)

اس transition میں تاریخ بھی آتی ہے، فلسفہ خیال بھی آتا ہے زمین و آسمان کے جملہ بحران اسی transition میں آتے ہیں۔ انسان میں آغاز اور انجام اسی transition میں ہے مگر ہمیں اپنے مقالات کی خبر نہیں ہوتی۔

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی

نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انجام کی خبر

کہ پورے وجود کی بھی ایک transition ہے اسکا پھٹنا، اسکا قبر تک پہنچنا، اسکا دوبارہ برزخی وجود میں جانا بھی transition ہے۔

تفکر کی transition وہ ہے کہ Neolithic age (حجری زمانے) سے چلتا ہوا یہ پہلا انسان جو چالیس ہزار سال پہلے basic (بنیادی) آبادیوں کی کوشش کر رہا تھا۔ جسے ہم ایک جنرل Homo sapien کے نام سے جانتے ہیں، وہ بد شکل، بد نما انسان جسے آج ہمارے بچے دیکھ لیں تو خوف سے گھبرا جائیں۔ وہ انسان آگے بڑھتا ہوا ہماری transition سے جاوڑ آج کا انسان جو اپنے آپ کو تمدن اور خوبصورت سمجھتا ہے جب اپنی منزل آخر پر ایک حیات وحشی پر غور کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے تو بھی transition ہے اس لئے کہ ابھی کوئی مقام ہماری نظر میں نہیں۔ آپ غور کیجئے کہ آپ کو اس transition سے کون نکالے؟ خیال کیجئے کہ یہ زندگی کس قدر بے سرو پا ہے، کس قدر بے گام و نشان ہے کہ نکل آ کر انسان یہ کہتا ہے:

بے گنجی تو ہو گا شبِ سست موج کا ساحل

کہیں تو جا کے زکے کا سفید غم دل

آخر کبھی تو ہو گا انجام زندگی..... غور فرمائیے تو صرف ایک ہستی ہے زمین و آسمان میں، صرف ایک ہستی کے وعدے کا trust (یقین) ہے جو ہمیں اس transition سے نجات دے گا چاہے وہ جہنم دے یا چاہے جنت دے۔ صرف ”خدا کے بزرگ و برتر“ ہمیں اس transition سے نجات دیتا ہے، جو ہمیں حیاتِ ابدی کا وعدہ دیتا ہے، جو ہمیں بتاتا ہے کہ جانورانہ routine (تسلل) سے نکلتے ہوئے اے حضرت انسان! تو اگر ایک ”شرع“ پر عمل کر لے، زاہد و سادہ

لے کے چلے اور زندگی سے سلامت گزر جائے، چنی سلاستی سے گزر جائے تو تیری transition تیری ابدیت کی حامل ہو جائے گی۔

اسلام بڑا بڑا قسمت مذہب ہے وہ اس وجہ سے کہ ہمیشہ فتح یاب رہا۔ تیرہ سو برس تک فتح یاب رہا، ابتدائے زمانہ، سرکار رسالت مآب ﷺ سے لیکر مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ مسلسل آگے بڑھتا چلا گیا۔ اصحاب رسول ﷺ گئے، بنو سیدہ آئے، بنو عباس آئے، ولیدہ آئے، ابنین میں بنو امیہ کا آغاز ہوا اور وہ خاندان غالب تک حکومت کرتے چلے گئے پھر یورپ کے دل میں پہنچے۔ ”امیر طریف بن مالک لٹھی“ نے چار مرتبہ pyrenease عبور کیا۔ ”امیر عبدالرحمن الرافعی“ نے تولون پر جھنڈے گاڑ دیئے۔ سسلی میں ”قاضی اسد بن فراط“ نے صدیوں کیلئے حکومت قائم کی اور کہاں وہ وقت کہ بحیرہ روم کے نیلے پانیوں پر امیر خیر الدین باربروسہ مسلسل فتوحات کے جھنڈے گاڑتا رہا اور اس کا ایک بحری کانڈر نے چھ مینیائی کا معاہدہ بغیر فوج کے کئے رکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ زمین تیج کا نوا سلام بن گئی ہے مگر فتوحات نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ ان کی priorities (ترجیحات) بدل گئیں۔ خیال کیا گیا کہ فتح ازل سے ابد تک مسلمان کا نصیب ہے۔ علم سے نظر ہٹ گئی، تعلیم سے نظر ہٹ گئی۔ اسلام طاقت کا مذہب نہیں تھا، اسلام علم کا مذہب تھا، شناخت تھا، اسلام کی transition خود شناسی سے خدا شناسی تک تھی۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر مسلمان کم ہو جائیں یا ختم ہو جائیں، چار ب میں سے دو چار یا دس رہ جائیں تو کیا اللہ میاں کی مرضی پوری نہ ہوگی؟ حدیث رسول ﷺ ہے: ”پوچھا گیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟“ فرمایا: ”جب زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا شخص نہ رہے گا۔“ خواتین و حضرات! یہ لیبارٹری، یہ مستقر، یہ ہجوم انسان یہ تو خدا کو قبول نہیں ہے البتہ اگر چار ب میں سے ایک انسان بھی منٹائے پروردگار کو پورا کرنا ہے، خدا کی خواہش پر اس کے بلا وجہ claim (دعوے) کو پورا کرنا ہے علیحدت انسان کو قائم کرنا ہے تو اللہ اس ایک انسان کی خاطر بھی یہ پوری دنیا چلائے جائے گا۔ دنیا اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔

کبھی آپ نے سوچا کہ وہ لامتناہی عقل و فہم جب انسان کو دے بیٹھا تھا، اس نے جب انسان کے grades (درجات) بنائے تو اس نے ابراہیم کو بڑی وقعت دی، اُسے دوست بنایا۔ routine (تسلسل) سے ہٹ کر اسے ظیل بنا دیا۔ بھلا کیوں؟ اگر آپ تھوڑا سا غور و فکر کرو تو اس خوبصورت عقل کو جس کو اللہ نے پیدا کیا، جس پر بنا فرمایا، جسے امانت سمجھ کر انسان کو دیا اُسکا

سب سے پہلا، مکمل اور معتدل استعمال جناب ظلیل اللہ کی صورت میں پیش آیا۔

Apriori method, priori method, inductive logic, deductive logic, moving from general to particular, moving from particular to general...

حضرت امیر اہم نے ناپاک فیصلہ کیا۔ وہ ہماری طرح عقیدہ پرست نہیں تھے دیواروں کے قیدی نہیں تھے، جتوں سے نہیں لٹکے ہوئے تھے، ان کی آرزو ان کے پروردگار کو جاننے کی تھی اسی لئے اللہ نے امیر اہم کو اتنا بلند مقام دیا۔

”قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا“

اے امیر اہم! تو نے تو انسان کے ساتھ میرا متعہد پورا کر دیا۔ یہی میرا مطلب تھا، یہی فطرت انسان تھی۔ علم و عقل کی ترقی ہی فطرت انسان تھی۔ یہی تو میں نے دیکھا تھا کہ غور و فکر کر کے کیا یہ انسان مجھ تک پہنچتا ہے۔ علم و عقل، جستجو اور تحقیق کا صرف ایک انجام ہے خواتین و حضرات اور وہ پروردگار کی آگہی ہے۔ اگر یہ نہیں حاصل ہو رہی تو یقین کرو کہ آپ کو پیچھے پلٹنا پڑے گا۔ آپ کو دیکھنا پڑے گا کہ کئی آپ کی studies غلط ہیں۔ کئی approach غلط ہے۔ یہ غلط ہے کہ خدا نہیں ملتا۔ مگر آپ کی (توجہات) approaches غلط ہیں۔ آپ کا انداز غلط ہے۔ آپ اللہ کی طرف وہ اخلاص لے کر نہیں چل رہے۔ آپ نے خدا کی آرزو کو دنیا کی وجاہتوں میں لپیٹا ہوا ہے۔ آرزوؤں میں لپیٹا ہوا ہے آپ اپنے مقاصد کو بلند رکھتے ہو اور خدا کو صرف استعمال کرتے

ہو۔ A prime Minister would never ever sit on the chair of a peon. اس کا اپنا مقام ہے۔ خالق کو بھلا آپ تحقیق کے level سے کیسے پا سکتے ہو، ایک painting کا بھلا کیا تعلق ہے کہ وہ مصور سے پوچھے کہ تو نے مجھے کالا رنگ کیوں کیا اور چلا کیوں کیا؟ وہ جو زمین و آسمان کی ابتدا کرنے والا ہے، جو حیات کی ابتدا کرنے والا ہے، جو حیات کا انجام لکھنے والا ہے، جو لوح محفوظ پر full planning (مکمل منصوبہ بندی) کر بیٹھا ہے، جو آپ کو زندگی کا پہلا اور آخری سانس دے چکا ہے، جو آپ کی حیات وارضی کے تمام بندوبست زمین تحقیق کرنے سے بھی پہلے لکھ چکا ہے، جو master plan میں یہ کہہ چکا ہے کہ دو دن لگائے میں نے زمین بنانے میں اور دو دن لگائے، اس میں اسباب ضرورت انسان رکھنے میں..... پھر آپ اس کو کیسے neglect (نظر انداز) کر سکتے ہو؟ اس سے بڑی کیا جہالت ہو سکتی

ہے کہ ہم اپنی آرزوؤں کو پہلے حاصل کریں۔ کون پورا کرے گا ان سب کو؟ ”أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُسْتَطَرَّ إِذَا دَعَا“ کون ہے جو اضطراب میں مضطرب کی دعا سنتا ہے؟ ”وَيُكَشِفُ السُّوءَ“ کون ہے جو تمہاری برائی کی گریں کھولتا ہے؟ ”وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ“ کون ہے جو زمین میں تمہیں عزتیں باعطا ہے؟ ”إِنَّمَا مَقَعَ اللَّهُ“ اللہ ہی تو ہے۔ اگر اس کے سوا کوئی تمہاری آرزو پوری کرنے والا ہو تو ضرور بتا دینا: ”اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ“ (اے اللہ بادشاہ ملک کا تو جسے چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے جھین لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے جھین لیتا ہے۔) But we don't believe these words.

All Islam is moving from literal to practical. (مگر ہمیں ان الفاظ پر یقین نہیں ہے۔ تمام اسلام لفظی معنویت سے علمیت کو جا رہا ہے) جیسے حضرت ابراہیم نے اپنے ایمان کی آگہی پنہ کی۔ اگر آپ قرآن کے لفظ پر احوال آچکے ایک پیغمبر تجربہ بنا کہتا نظر آتا ہے کہ میں چیزوں کو خدا مان کے دیکھتا ہوں۔ کیا یہ میری definition (تعریف) پر پورے کرتے ہیں؟ ایک prior idea ابراہیم نے اپنے ذہن میں fix کیا تھا کہ: ”لَا أُحِبُّ الْإِفْلَاقَ“ کہ میں زوال پذیر کو خدا نہیں سمجھوں گا اور تمام شہادت دنیا اسی quotation کو آ رہی ہے۔ وہ تمام معاملات کی study کر رہے ہیں۔ چاند نکلا تو انہوں نے کہا: ”هَلَا رَيْسِي“ سورج نکلا تو کہا: ”هَلَا رَيْسِي“ مگر جب علامات کو مسترد کرتے ہوئے عقلی مواصلت اور تحقیق و جستجو سے ایک حتمی یقین تک پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اے اللہ اب میرے ذہن میں کسی قسم کا کوئی شبہ و رائیں پیدا کر سکے گا۔ میں ہوش و حواس اور عقل و فراست کو استعمال کر کے اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں کہ تو ہی خدا ہے، حیرے بغیر کوئی خدا نہیں ہو سکتا۔ جب ابراہیم ایک مکمل intellectual faith (یعنی یقین) تک رسائی پا لیتے ہیں تو خدا کو یہ طریق کار فرماتا پسند آتا ہے کہ فرماتے ہیں: ”قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا“ پھر آگے اللہ یہ کہتا ہے کہ ”هُوَ مَعَكُمْ الْمُؤْمِنِينَ“ اے ابراہیم اب تجھے اور حیرے ماننے والوں کو مسلمان کہا جائے گا مگر اس مسلمانی کی transition میں جب تم تعلیمی ادوار سے گزر رہے، عقل و فہم کے بحران سے گزر رہے، شکوک و شبہات کی جدلیات سے گزر رہے تو پھر تم یقیناً اس حتمی یقین تک پہنچو گے کہ تمام جستجو کا حاصل صرف خدا ہے۔ There is God and there is nobody else but God. جب تم ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“

کی گواہی دے دو گے تو پھر کہیں جا کے اس transition میں اگلی منزل کے آپ حقدار ہو گئے۔ مسلمانوں کی فتوحات کے تسلسل نے انہیں شکستِ علم سے روشناس کر دیا، کہاں Constantinople (قسطنطنیہ) سے نکلے ہوئے وہ علوم..... ذرا غور کیجئے کہ یورپ کی مائیں بچوں کو کیسے ڈراتی تھیں..... Hush! the Turks are coming..... چند رہویں اور سولہویں صدی میں یورپ کی مائیں اپنے بچوں کو مسلمانوں کے کام لے لے کر ڈراتی تھیں۔ کہاں وہ وقت کہ جب قسطنطنیہ کا زوال ہوا اور علم و ادب کی تریل شروع ہو گئی حتیٰ کہ وہ movements (تحریکیں) یورپ میں شروع ہوئیں Renaissance (تحریک احیائے علم) اور Reformation (تحریک احیائے مذہب) یورپ خود غرض ہے، کبھی بھی آپ کا شکر گزار نہیں ہوگا۔ یورپ کا اُس وقت یہ حال تھا کہ جب قریب میں اُسی ہزار حمام تھے اور برنگی چراغوں سے منور تھی تو ”شان الیزے“ میں گھٹنے گھٹنے پانی اور کچڑ کھڑا ہوتا تھا، حتیٰ کہ وکٹورین زمانے کے آخر تک یہی حال تھا۔ اگر آپ ”ہرماڈشا“ کا Pigmalian دیکھ لیں یا ایسے دوسرے سول پڑھیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ culturally (ثقافتی طور پر) جو transition یورپ میں آئی ہے وہ transition خواب و خیال میں بھی اسلام میں نہیں گزری۔ Victorian age (وکٹورین عہد) کی morality (اخلاقیات) یورپ میں جب industrial age (صنعتی دور) کی morality سے متاثر ہونے لگی تو سب سے پہلی ضرب مذہب پر پڑی۔ Christianity was not enough. (عیسائیت اس کیلئے کافی تھی) حتیٰ کہ ”ہالی باکس“ نے سب سے پہلے ”secularism“ (سیکولرازم) کا لفظ استعمال کیا۔ اس نے صرف اس وجہ سے secularistic philosophy (سیکولر فلاسفی) اختیار کی کہ جب اسے ”پوپ“ (pope) نے یہ کہا..... کہ آپ مجھے بائبل پر اجتماعی طور پر ایک opinion (مختلف روایات) دے دو۔ جب ”ہالی باکس“ نے بائبل کا مطالعہ شروع کیا اور کم از کم تیس versions (روایات) اس کے سامنے آئیں تو اس نے ایک چیز بڑی سنجیدگی سے محسوس کی کہ کوئی بھی version (روایت) ان ساری کتابوں میں مطابقت نہیں کر رہی So he was shocked (وہ حیران ہو گیا) اس نے بڑے احترام سے پوپ (Pope) کو خط لکھا کہ بہتر یہ ہے کہ ہم یکوشش نہ کریں۔ بہتر یہ ہے کہ ہم بائبل کو اسی رنگ میں چھوڑ دیں۔ اگر ہم نے بائبل کے مختلف text کے موازنے شروع کئے تو ہماری کوئی بھی uniform concept of Bible

(متفقہ بائبل) نہیں ابھر سکتی۔ پوپ نے اسکا نذر امان لیا۔۔۔۔۔ (شاید آج کامولوی میری بات کا برا مانا جائے۔۔۔۔۔) اس نے اسے سزا دی، چھ گج سے نکالا اور تین سال کیلئے قید میں پھینک دیا۔ یہ (ہلے باکس) وہ شخص ہے جس نے secularism کی ابتدا کی۔ اس کے دو اقوال آپ کیلئے دلچسپ ہونگے۔ اس نے کہا: "If you want to be a good secularist, you have to be an atheist." (سیکولر لازم کا مذہب کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ اگر تم مذہب کو بھی مانو گے تو تم اچھے secularist کبھی نہیں ہو سکتے) پھر اس نے کہا کہ "Religion and secularism are like the land and sea, where there is land there is no sea, where there is no sea there is land." جیسے زمین اور سمندر اکٹھے نہیں ہو سکتے اسی طرح سیکولر لازم اور مذہب اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ کیوں؟ But what was the problem? "مزدک" سے لے کر "کارل مارکس" تک سب کا نظریہ ایک تھا۔ ایران کا مزدک جو "مارکسیٹ" کا بانی تھا، جسے نو شیردان عادل نے صبح اسکے ساتھیوں کے قتل کروایا تھا جس کے بارے میں اقبال لکھتا ہے کہ:

مزدکیت فتنہ فردا نہیں امروز ہے

But the first ever socialist sharing communistic philosophy کا بانی مزدک ہے اور اس کو آگے approach کرتے ہوئے کارل مارکس نے "Tas Capitas" میں نمایاں کیا۔ یہ دونوں حضرات selfdom کے تعاقب میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ یورپ کی فکری transition کے انجام کیا ہوتے ہیں؟ یورپ کی فکری transition جو ہے وہ ایک بدترین proletariat (پولٹاری) انقلاب کو ایک بدترین شینٹا ہیٹ میں بدل دیتی ہے۔ انقلاب فرانس، جو ایک بڑا ہی ادنیٰ درجے کا proletariat انقلاب تھا، مزدور کا انقلاب تھا، متمدن و مجبور کا انقلاب تھا، مگر انجام کیا نکلا؟ نیپولین بونا پارٹ کی بدترین شینٹا ہیٹ میں نکلا اور دوسرا انقلاب روس تھا۔ خواتین و حضرات! یہ انقلاب کیوں نہ آتا؟ انقلاب روس کیوں نہ آتا؟ جس ملک میں پل کو پیدل کر اس کرنے پر تل گئیں ہو، واپس آنے پر تل گئیں ہو، تندر میں روٹی لگانے پر تل گئیں ہو، پکانے پر تل گئیں ہو۔۔۔۔۔ اگر آپ نے اس وقت کی natural conditions دیکھنی ہوں تو "پورس پاسرماک" کا "ڈاکٹر زواگو" گواہ ہے "solzhenitsyn" کا "کینر وارڈ" گواہ ہے۔ پھر لوگ مرتے کیا نہ کرتے۔ اگر آپ

فرانس میں دیکھئے تو یہ بحران جو آگے چلتے ہوئے heavy transitions create کرتے ہیں۔ They were never, never constructor. (یہ کبھی بھی تعمیری نہیں تھے) کسی بھی transitional change نے یورپ کو امن نہیں دیا۔ اوپر سے جنگیں آگئیں، بڑی بڑی جنگیں، آپ اگر ”ٹراں پال سائز“ کی triology دیکھو تو تصویر یہ نظر آتی ہے کہ دو کروڑ مردوں کا نقصان یورپ میں ہوا، یورپ جب جنگوں میں اُجڑا تو یہ ایک moral transition create ہو گئی، پہلے ایک industrial transition جاری تھی اور اب ایک moral transition جاری ہو گئی۔ یورپ متاعِ حیات تو گنوا بیٹھا تھا، متاعِ ایمان بھی گنوا بیٹھا اور اس کی متاعِ سکون و ثبات بھی اُٹ گئی۔ and they ultimately confirmed only one idea, (اور آخراً انہوں نے ایک نظریے کا یقین حاصل کیا) اس پورے ادوار تبدیلی سے گزرتے ہوئے یورپ صرف ایک چیز کا convince ہو گیا کہ مالی سہولت اور خوشی ہی مکمل زندگی ہے، چاہے آپ کا بدن اور ذہن کسی حال میں بھی ہو۔ وہ کہتے تھے کہ ”معیشت خدا ہے“۔ There is nothing else۔ مگر خواتین و حضرات! وہی وقت مسلمانوں پر نہیں گزرا۔ perhaps! because of two major institutions in Islam. (شاید اسلام میں موجود دو بڑے قوانین کی وجہ سے) کہ نہ تو انقلاب فرانس کے بحران تک مسلمان پہنچے، نہ ہی انقلاب روس بھی destitution (بے سروسامانی) تک مسلمان پہنچے۔ کیوں نہیں پہنچے؟ کیونکہ ذاتی طور پر قریباً قریباً تمام مسلمان زکوٰۃ و صدقات پر یقین رکھتے تھے۔ یہ دو basic institutions (بنیادی قوانین) جو اسلام میں موجود تھے انہوں نے general public (عام لوگوں) کو آسرا دیئے رکھا اور ان میں کوئی عوامی بھوک کی تحریک نہیں پیدا ہو سکی۔ فاقہ زدگی کے بحران پیدا نہیں ہوئے۔ آج بھی اگر آپ دیکھ لو تو کسی مسلمان قوم میں ایک آدھ آدمی کا حالات کی گردش سے خود کشی کر جانا ہر مسلمان کے ذہن کو جھبھتا ہے کہ We being, basically a society of security, a society of social security (ہم بنیادی طور پر ایک سماجی تحفظ کا معاشرہ ہیں) جہاں ہر انسان، ہر بندہ اپنی مسائلی کا خیال رکھتا ہے۔ generally we are also turning to be selfish, no doubt in this. (اس میں شک نہیں کہ ہم بھی اب خود غرضی کو مائل ہیں) مگر ہماری جو بنیادی اقدار ہیں، وہ بنیادی اقدار ہر انسان کو بتاتی ہیں کہ میں اپنے ڈرائیور کو، میں

اپنے مائی کو، میں اپنے کسی غریب ساتھی کو بھوک سے مرنا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ میں طنز کروں گا، میں اس کو طعنے دوں گا، کچھ بھی کروں گا But I do feed him somehow (مگر میں ان کو کچھ نہ کچھ کھلاؤں گا۔) اور یہ مسلمان قوم اس لحاظ سے اُس انقلابی بحران تک کبھی نہیں پہنچی، جیسے آپ کے ساتھ والے..... کہ کبھی اسپینیا میں بھوک کے سیلاب آ جاتے ہیں کبھی کہیں آ جاتے ہیں مگر مسلمانوں میں کبھی بھی بنیادی عوامی انقلاب نہیں آیا۔ سلطنتیں بدلتی رہیں، حکمران تبدیل ہوتے رہے مگر ایسا کبھی نہ ہوا۔ "Toynbee" نے بڑی خوبصورت بات کی تھی شاید یہ اس کا پورا فلسفہ تاریخ ہے کہ ہر challenge (چیلنج) کا ایک response (ردِ عمل) ہوتا ہے۔ جب ایک طویل عرصہ فتوحات کے بعد مسلمان زوال پذیر ہوا تو یورپ کے industrial revolution (صنعتی انقلاب) کا ایک کرشمہ یہ نکلا کہ یورپی طاقتوں نے مسلمانوں سے مستعار لی ہوئی عقل کو وجودیت کیلئے استعمال کیا۔ وہ اب اس بات کو نہیں مانتے مگر یہ عقل انہوں نے ہم سے مستعار لی تھی کیونکہ اب ہم اتنے غریب و مسکین ہو گئے ہیں کہ اب ہم نے ان کو خدائے جدت و اختراع مان لیا ہے۔ اب وہ ہمارے لئے بہت بڑے راہبر و رہنما ہو گئے ہیں۔ اس راہبری اور راہنمائی میں ان شخصوں نے ہمارا قرض بھی ہمیں نہیں واپس کیا۔ وہ بھول گئے، وہ مطلقاً بھول گئے کہ آکسفورڈ اور کیمبرج میں دو سو برس تک "انفرمالی" اور "رژنڈ" پر چلیا جانا رہا تھا۔ ان کی بھی عقل کی فراست کی تو جیسا کہ بڑی change (تبدیل) ہو گئی ہیں۔ بنیادی طور پر ان کے کوئی spiritual concepts (روحانی تصورات) نہیں تھے، کتاب کمزور تھی مصلح اور reformers عیسائیت سے renegade (منکر) تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ Christian world (عیسائی دنیا) میں مذہب وہ دفاع پیش نہیں کر سکا جسکا نتیجہ یہ تھا کہ مغربی معاشرے کی اس نئی commitment نے جو کہ industrial philosophy (صنعتی فلسفہ) کی وجہ سے تھی اور جو انکا کلچر تھا اس نے وجودیت کے فلسفے کو جنم دیا اور آخر اس فلسفے نے عقلیت پر قابو پایا اور اس ایک اصول اور basic philosophy کے تحت کم از کم سو سال تک یورپ کا وقت گزر گیا کہ "Existence precedes aesthetic" (وجود قوتِ تخلیق پر غالب ہے) تنقید پر غالب ہے۔ ہر صورت میں پہلے وجود پر توجہ رکھنی پڑتی ہے۔ اگر آپ تھوڑا غور کرو تو پاکستان کے ابتدائی دنوں میں مغرب سے آئے ہوئے اس مازہرین فلسفہ، وجودیت کی جھلک آچو ہر شاعر میں نظر آتی ہے۔ "عبداللہ حسین" میں نظر آتی ہے، "مستنصر حسین مارڈ" میں نظر آتی

ہے۔ ”امجد اسلام امجد“ میں نظر آتی ہے۔ ہمارا کام ہے جلدی جلدی ٹنگنا، جلدی جلدی اُگنا۔۔۔۔۔۔
 We do not give a natural maturity to a thought (ہم ایک خیال کو قدرتی طور پر پختہ نہیں دیتے۔) ہم transitionally act کرتے ہیں۔ یہ بد قسمتی ہوئی کہ ہمارے علماء نے ظلم کو تو چہندی۔ اس بات کی محذرت چاہوں گا کہ ظلم میں کوئی رعایت نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے کچھ لوگ کچھ لوگوں کو برا معزز سمجھتے ہوں، میں ان کی توجہ نہیں کرنا چاہتا لیکن ایک بات میں آپ کو بتاؤں کہ حیرہ سو برس سے کوئی ایسا مسلمان scholar (دانشور) نہیں گزرا جس نے قرآن پر اس طرح اعتبار کیا ہو جس طرح قرآن چاہتا ہے۔ کیوں؟ میں آپکو مثال دیتا ہوں۔ تین ہزار سال قبل Ptolemy نے کہا تھا کہ The Earth is stationary and things move around it. (زمین ساکت ہے اور ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔) پندرہ سو پچاس (1542ء) میں ”کاپرنیکس“ نے کہا: Ptolemy was wrong (تو ٹھیک غلط ہے) سورج ساکت ہے اور ستارے اس کے ارد گرد گھومتے ہیں، سچ میں قرآن آیا وہ دانشور جو کہتے ہیں کہ قرآن نے ارد گرد کے علوم سے اخذ کیا، یونانیوں سے اخذ کیا، فلاں سے اخذ کیا، ان سے پوچھو کہ بھلا اگر قرآن یونانیوں سے اخذ کرتا تو کیا وہ Ptolemy (تو ٹھیک) کو quote (حوالہ) نہ کرتا؟ اور اگر اسے کوئی شعور حاصل ہوتا کہ آگے کیا آنے والا ہے تو کیا وہ کاپرنیکس کو quote نہ کرتا۔ 1980ء تک تو آپ کا زمانہ، حاضر کا بھی سائنسدان کہہ رہا تھا کہ کائنات میں کچھ stationary stars (ساکت ستارے) ہیں۔ کچھ ثابت ہیں کچھ سیارے ہیں مگر قرآن کیا کہہ رہا تھا: ”وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنَّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ“ چاند ستارے سب ہم نے اپنے ایک حکم سے مسخر کئے اور وہ کائنات کا اصول کیا دے رہا تھا: ”مُحَلٌّ بِجَوْرِ إِلٰہی أَجَلٌ مُّسَمًّى“ یہ تمام چل رہے ہیں وقت مقرر تک۔ یہ کوئی یونانی فلسفی کی رائے تو نہیں تھی اور نہ ہی کسی modern scientist (جدید سائنسدان) کا concept (تصور) تھا، قرآن حکیم ازل سے یہ کہہ رہا تھا، پندرہ سو برس پہلے سے ایک challenging statement (لکارانہ بیان) دے رہا تھا: ”مُحَلٌّ بِجَوْرِ إِلٰہی أَجَلٌ مُّسَمًّى“ آپ مجھے بتائیے تو سہی کہ کون سے عالم نے اٹھ کر یہ کہا۔۔۔۔۔۔ اس دوران سفر میں، اس transition میں سائنسز improve (بہتر) ہو رہی تھیں۔ دانشوری بڑھ رہی تھی، بڑے بڑے مسلمان عالم گزر رہے آخر کسی نے قرآن کی اس statement (آیت) کا لفظی ترجمہ کسی کتاب سائنس

میں کیوں نہ درج کر دیا۔ کیا عجیب بات لگتی ہے کہ ”کارل سیگان“ نے اپنی کتاب میں شیخ الحرمین ”امیر عبدالمعز“ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ امیر عبدالمعز نے فتویٰ دیا۔ اس فتوے کی بنیاد پر ”کارل سیگان“ نے یہ دلیل دی کہ Islam is against all sciences (اسلام تمام سائنسز کے خلاف ہے۔) کیونکہ شیخ عبدالمعز نے فتویٰ دیا ہے کہ جو زمین کو گول اور متحرک مانے گا اس کا سرکٹ دیا جائے گا۔ یہ اسلام کے بارے میں رائے ہے؟ قرآن کے بارے میں رائے ہے؟

قرآن میں اور sciences میں ایک فرق ضرور تھا کہ قرآن کتاب تخلیق تھی اور یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ اللہ سچا نہ ہوتا اور کیا آسان ہے اللہ کا سچا ہونا اور نہ سچا ہونا۔ کیا آسان ہے کہ اگر انسان ہزار بار خطا کرے تو انسان رہتا ہے۔ اس کا انسانی status (مرتبہ) بخروج نہیں ہوتا۔ اگر اللہ ایک خطا بھی کرے تو اللہ نہیں رہتا۔ اپنی جدت و اختراع سے اور دور حاضر کی Quantum (کوانٹم) اور Relativity (اضافہ) سے خدا کو غلط ثابت کرنا کتنا آسان تھا۔ اگر وہ خدا نہ ہوتا، اگر اس کی statements (آیات) غلط ہوتیں: ”کیا تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں۔ یہ تو اڑتے ہوئے بادلوں کی طرح چل رہے ہیں۔“ ملاحظہ فرمائیے! قرآن کیا کہتا ہے؟ پندرہ سو برس پہلے ایسا بڑی نہیں تھی۔ کوئی تجربہ نہیں تھا۔ ”خلاقِ عالم“ دعویٰ گزین ہے۔ میں جو کہتا ہوں بس وہی ٹھیک ہے۔ میں نے بتائیں ہیں چیزیں، مجھے تم سے بہتر پتہ ہے۔ تم گمان کے شکاری ہو، میں حقیقت کا خالق ہوں۔ میں جو تمہیں کہہ رہا ہوں۔ تمہیں نظر آتا ہے کہ پہاڑ کھڑے ہیں مگر یہ کھڑے نہیں ہیں۔ یہ تو سرخس بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔ خواتین و حضرات! کبھی اس وقت گمان ہو سکتا تھا کہ پہاڑ چل رہے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے! کسی نے ”ہنِ رشد“ سے پوچھا کہ اسِ رشد تم بڑی بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہو۔ تمہیں عاود و ثمود کا نہیں پتہ؟ ان کے حشر سے تمہیں آگاہی نہیں ہے؟ وہی رشد نے کہا: ”تم عاود و ثمود کی بات کرتے ہو۔ میں تو ان کے وجود کا بھی قائل نہیں ہوں۔“ وہ بڑا سچا تھا، سائنسدان اور فلاسفر تھا، تشکیک کا ماہر تھا۔ اس نے قرآن پر trust نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ تم عذاب کی بات کرتے ہو، میں تو ان کے وجود کا قائل بھی نہیں ہوں۔ مگر خواتین و حضرات! کیا عاود و ثمود نکل نہیں آئے؟ کیا وہ دریافت نہیں ہو گئے؟ کیا ان کے relics (لکھنڈرات) نمایاں نہیں ہو گئے۔

آج کل کے دانشوروں کا حال سیکھے! ہد ہد کو پرندہ نہیں مانتے، messenger (پیغام رساں) مانتے ہیں، آدی مانتے ہیں۔ کبھی یہ اعتراض ہو رہا ہے، کبھی وہ اعتراض ہو رہا

ہے۔ ہند ہند نے حضرت سلیمان کو ایک ڈیر لاکر دی تھی کہ میں نے ایک قوم دیکھی کہ جو سورج کی پرستش کرتی ہے، میں نے ایک گمراہ قوم دیکھی۔ خواتین و حضرات! بڑی حیران کن بات ہے کہ یہ وہ پہلی ڈیر تھی جو ہند ہند نے سلمان کو دی اور بڑی حیرانی کی بات ہے کہ جب relics نکلے، جب ”قوم سبا“ کی کھدائیاں ہوئیں تو سب سے پہلی چیز جو نکلی وہ ایک مینار تھا اور اس پر سب سے پہلا symbol (علامت) سورج کی پرستش کا تھا۔ تو سب سے پہلی ڈیر یہ آئی کہ Sabaeens used to worship "sun". (سبائین سورج کے پجاری تھے) مگر لوگوں کو اعتبار نہیں آیا۔ انہیں فلسفہ اعتزال پر یقین تھا، یہ پورے کا پورا area of transition (تغیر کا علاقہ) ہے اور جس کی وجہ سے شدید بحران تخلیق ہوا۔ میں جو بات کر رہا تھا پھر اس کی طرف پلٹتا ہوں کہ جب اعتزال کا دہاؤ بڑھا، معتزلہ نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے، یہ خالق کا کلام نہیں ہے اور یہ بحران اتنا بڑھا کہ مامون رشید نے حکم صادر کیا کہ اگر کوئی بھی شخص قرآن کو خالق کا کلام مانے گا تو اس کا سر کاٹ دیا جائے گا۔ Intellectual مسائل پر اتنا بڑا جابرانہ حکم..... اس وقت کے ایک بزرگ، بڑے محترم ”امام احمد بن حنبل“ نے اس کو defy (مقابلہ) کیا مگر دہیل نہیں دی۔ انہوں نے defy کیا، استقامت دکھائی، بہت محنت کی دین کیلئے، مگر ان کے پاس arguments (دلائل) نہیں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس معتزلہ کی movemnet (تحریک) نے اشاعرہ اور ماترید یہ میں آگے چلے ہوئے مسلمان کے original faith (بنیادی عقیدے) کو کھوکھلا کر دیا اور آنے والے وقتوں میں اور بڑی دیر کے بعد اس بنیادی دینی کھوکھلے پن نے مسلمان کو Quranic adherence (قرآن کیساتھ وفاداری) سے الٹھا دیا۔ اس وقت بڑے بڑے عالم تھے، بڑے بڑے دانشور تھے۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کرم نہ بخشا ہو مگر جو basic contest (بنیادی مقابلہ) چل رہا تھا، جو فلسفہ تشکیک کا حملہ مذہب پر ہو رہا تھا اس کا ابھی کوئی عالم نہیں آیا تھا۔ long range لوگ یا فتح میں مصروف تھے یا اس طرح کی لافاگل بحثوں میں مصروف تھے۔ حجۃ الاسلام امام احمد الغزالی نے بڑی کوشش کی اور ”تحفۃ المتلاسنہ“ لکھی۔ غزالی نے اس فلسفے کو رد کیا اس سے کچھ برس بعد میں ابن رشد نے ”تحفۃ المتحافۃ المتلاسنہ“ لکھ کر دوبارہ یہ بحث زندہ کر دی۔ There was no such powerful argument from any side of the Islam. (اسلام کی کسی طرف سے بھی ایسی مضبوط دلیل نہیں آ رہی تھی) کہ جو اس مسئلے کو حل کر دے اور لوگ

یہاں یوں کا بھر پور ٹاڈ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ اس سینا جیسے مفکرین نے جنکا آج ہم کتنے پیار اور احترام سے نام لیتے ہیں مگر دین کو انہوں نے برباد کرنے میں کسر نہیں چھوڑی اور ملائکہ سے انکار کر دیا۔ وہ دانشوران عصر، وہ رازی، وہ ابن سینا اور ملائکہ ہی سے انکار..... ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے اللہ کو اپنے جیسا ایک مجبور تخلیق کار سمجھا جو دنیا اور انسان بنا کر تھک گیا تھا اور مزید تخلیقات بند کر بیٹھا۔ کیا اللہ ایسا تھا؟ کیا اس پر اتنی ٹھکن سوار ہو گئی تھی کہ انسان بنا کر فارغ ہو گیا تھا؟ ادھر اگر قرآن وہ پڑھتے اور very very scientific claim (بے حد سائنسی دعوے) اگر قرآن کے دیکھتے تو حیرت زدہ رہ جاتے۔ قرآن تو بڑی دور کی بات ہے بابا! حدیث ایسی ایسی possibilities (امکانات) دیتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مجھے حیرانی ہے کہ اس وقت کے long line of Ulama (علماء کی ایک لمبی لائن) نے نہ قرآن پر غور کیا نہ حدیث پر غور کیا۔ قرآن کہہ رہا تھا: ”اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ مَسْجِدَ مَسْجِدٍ وَمِنْ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ“ کہ اللہ تو وہ ہے جس نے سات کائناتیں تخلیق کیں اور ہر کائنات میں ایک ایک life belt (میدان زندگی) رکھی ہے تمہاری زمین جیسی..... ایک ہی وقت میں سات زمینیں ہیں، سات کائناتیں ہیں۔ جو تو اس سے گزر رہی ہیں۔ کب ختم ہوں گی؟ اللہ ہی جانتا ہے۔ ”يُنَزِّلُ الْأَمْوَالَ يَنْهَيْنَ“ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ وہ زمینیں بخر ہیں، ویران ہیں بلکہ ارشاد فرمایا کہ ان تمام زمینوں میں میرا حکم اترتا ہے ”لَعَلَّكُمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ تاکہ تم جان سکو کہ تمہارے رب کی کیا قدرت، کیا وسعت، کیا بیکراہی ہے لیکن ہمارا concept of God was so limited, so minor, so inconsiderate (خدا کا تصور بہت محدود، بہت چھوٹا، بہت ناقص اندیش) تھا۔ خدا کا تصور ایک powerful (طاقتور) سمائے سے یا ایک ملک کے گورنر سے زیادہ نہیں تھا۔ First priority is the top priority of the human nature is only God. (انسانی فطرت کی پہلی ترجیح صرف خدا ہے۔) جب آپ priority (ترجیح) پیٹ کرتے ہو تو آپ کے تمام نیچے کے systems (نظام) ٹھیک ہو یا شروع ہو جاتے ہیں مگر اگر آپ ترجیح اول کو نظر انداز کرتے ہو تو پھر ہر جگہ آپ کیلئے مسائل ہی مسائل ہیں۔

اس کتاب کو پڑھنے کے دوران اگر کوئی لفظی یا حوالہ جاتی غلطی نظر
سے گزرے تو براہ کرم درج ذیل ایڈریس پر اس کی نشان دہی کیجئے۔

مقصود الہی

نور النہار سکول

جامعہ اتر یہ روڈ، جہلم

0321-5442326